تنقیدات

علیٰ

مطبوعات

مُصنّف

صاحبزادہ اقتدار احمد خان نعیمی قادری بدایونی

نعیمی کتب خانہ
مُفتی احمد یار خان روڈ گجرات پاکستان

۷۸۶
۹۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تنقیدات

علیٰ

مطبوعات

مصنف

اقتدار بدایونی۔ قادری

ملنے کا پتہ

نعیمی کتب خانہ مفتی احمد یار خان روڈ گجرات پاکستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سوال: ایک کتاب بنام خاتم ترجمہ آداب مریدین جس کا مصنف حضرت خواجہ بندہ نواز سید محمد حسینی گیسو دراز متوفی ۸۲۵ھ گلبرگہ شریف ہندوستان اور ترجمہ سید یٰسین علی نظامی کا مطبوعہ الکتاب گنج بخش روڈ اس کے صفحے ص۷ اور ص۸ پر لکھا ہے کہ عصر کی سنتیں اگر قبل از فرض رہ جائیں تو بعد عصر خلوت میں جاکر پڑھ لے نیز خواجہ نظام الدین اولیاء کے مریدین جو اکابر علما تھے اور فاضلانِ وقت تھے طلوعِ صبح صادق کے بعد اُن نوافل کو ادا کرتے تھے بلاکراہت جو رات پڑھنے سے رہ جاتے تھے لہٰذا طلوع صبح صادق کے بعد جب تک رات کی سیاہی باقی رہے رات کے فوت شدہ نوافل ادا کرنے میں ہرج نہیں ہے ص۹ پر لکھا ہے کہ صوفیاء اوقاتِ مکروہیہ میں بھی نماز و مراقبہ بجا لاتے ہیں کیا یہ درست ہے؟

جواب: قطعًا قطعًا غلط و حرام ہے اور یہ کہنا سراسر جہالت و نادانی ہے۔ صاف صاف احادیث میں ممانعت آئی ہے یہ ممانعت کسی فقیہ یا عالم نے نہیں کی بلکہ خود آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ان وقتوں میں نماز ناجائز فرمائی ہے۔ کیا یہ بے علم صوفی رسول خدا سے زیادہ دوستِ خدا بنتے ہیں۔ اور ان کو زیادہ خدا سے محبت ہے خواجہ صاحب گیسو دراز جیسی بزرگ ہستیاں ایسی غیر شرعی بات کہہ دیں۔ حیرت ہے۔ آج عام رواج پڑ چکا ہے کہ اپنی من مرضی کرنے کے لیے علماء فقہاء جیسے حضرات کو نشانہ بنالو اور فقہاء کی گستاخیاں

کرتے ہوئے قرآن وحدیث کے قانون کا ایک دم انکار کر دیا جاتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ مسائلِ شرعیہ کے لیے صرف فقہ کی کتابیں دیکھی جائیں اور ان صوفیوں کی باتیں صرف چلّوں وظیفوں تک رہنے دی جائیں رہا مراقبہ تو وہ ہر وقت جائز ہے۔ خواجہ صاحبؒ کی اصل کتاب میں ایسی کوئی جاہلانہ بات نہیں تھی یہ لوگ احادیث پر ہم سے زیادہ عامل تھے۔

سوال ۲: کتاب سبع سنابل مولف میر عبدالواحد بلگرامی مطبوعہ اُردو مترجم مفتی خلیل خاں برکاتی طابع حامد اینڈ کمپنی ص۲۱ پر لکھا ہے جس روز سلطان المشائخؒ کے یہاں مجلس سرود وسماع ہوتی ہے اس روز حضرت خضر علیہ السلام تشریف لاتے ہیں اور لوگوں کے جوتوں کی نگہبانی فرماتے ہیں۔ (الخ) کیا یہ جملہ حضرت خضر علیہ السلام کے لیے استعمال کرنا جائز ہے۔

جواب:۔ میں نے آپ کی بھیجی ہوئی کتاب میں یہ جملہ خود اپنی نگاہوں سے پڑھا ہے۔ سخت ترین گستاخی ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں اور اس طرح کے بیہودہ جملے اُن کی شان میں بولنے بدتمیزی کی حد ہے، تمام غوث، قطب، ولی وابدال حضور خضر علیہ السلام کے جوتے سیدھے کرکے تو ولایت اور فیضِ روحانی حاصل کرتے ہیں مجھے حیرانی ہے کہ ان کتابوں والوں کی عقلیں کہاں چلی گئیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھ کو بھی اور سب کو ہدایتِ کاملہ عطا فرمائے، ہو سکتا ہے یہ مترجم صاحب یا کاتب کی چشم پوشی ہے۔ بہرحال جس کی بھی غلطی ہے سخت گناہ ہے حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں پورا بیان ہمارے فتاوی العطایا اور تفسیر نعیمی پندرہؔ پارے میں ملاحظہ فرمایا جائے

اگر مفتی خلیل صاحب یا کاتب حیات ہیں تو ان سے توبہ کرواؤ۔

سوال نمبر ۳۔ قلائد الجواہر اردو ترجمہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی پاکستان ص۲۲۴ پر لکھا ہے کہ ایک ولی اللہ نے حضرت خضر علیہ السّلام سے اس طرح کہا کہ اے خضر جا اپنا کام کر مجھے تجھ سے کوئی غرض نہیں۔ کیا یہ بات درست ہے اور اسی طرح ص۲۲۵ پر ہے کہ ایک ولیہ عورت کہیں پہ سو رہی تھی حضرت خضر علیہ السّلام اس کے نزدیک پہنچے تو غیب سے ندا آئی کہ ہمارے محبوب کے ساتھ ادب اختیار کر پھر جب وہ کافی دیر بعد جاگی تو حضرت خضر علیہ السّلام کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگی کہ اگر بغیر منع کیئے ہوئے میرے ساتھ ادب سے پیش آتا تو تیرے لیے زیادہ بہتر ہوتا کیا یہ بھی درست ہے! (معاذ اللہ)

جواب: حقیقت حال سے اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے مگر مترجم نے یہاں دو بدتمیزیاں کی ہیں ایک تو یہ کہ اللہ کے نبی حضرت خضر علیہ السلام کو انتہائی بدتمیزی سے تو تڑاک کے ترجمہ کیا ہے حالانکہ عربی میں ہر ایک کیلیے واحد کی ضمیر آتی ہے جب دوسری جگہ دوسروں کے لیے مترجم آپ جناب کر کے ترجمہ کرتا ہے تو یہاں اس کو کیا موت پڑتی تھی اور تکلیف ہوتی تھی اگر یہ آپ کر کے ترجمہ کر دیتا دوم یہ کہ نبوت سے زیادہ رب تعالیٰ کو کوئی محبوب نہیں ولی غوث قطب تو نبی کے پیروں کے نیچے ہیں بھلا ایک عورت کی کیا جرأت کہ اپنے آقا و مولیٰ سے اس طرح گفتگو کرے خدا تعالیٰ سب جہلا سے سب مسلمانوں کو بچائے یا یہ قلائد کے مصنف کی خباثت ہے۔

سوال نمبر ۴۔ قلائد الجواہر مترجم اردو مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کے صفحہ

۲۰۱ پر ہے اَوْلِیَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل۔ کیا یہ روایت کہیں موجود ہے یا جاہل کی من گھڑت ہے۔

جواب: میری نظر سے یہ روایت نہیں گزری اصل حدیث پاک اس طرح ہے عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل۔ یہ غالباً مترجم یا مصنف کی خیانت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ فَلْیَتَبَوَّءْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔ ترجمہ: جو شخص مجھ پر جھوٹ بنائے گا اس کو چاہیئے کہ دوزخ میں اپنا ٹھکانہ ڈھونڈے

سوال نمبر ۵: ماہنامہ ضیاءِ حرم مئی ۱۹۸۵ء کے صفحہ ۲۴ خواجہ نظام الدین اولیا کی تحریر اور حضرت بابا فرید گنج شکر کی باتیں درج ہیں اس میں لکھا ہے کہ عبدالواحد نواسۂ ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ آپ کے پاس گیا اور ادب سے اپنے سر کو زمین پر رکھا نیز تیسری سطر نیچے اسی جگہ لکھا ہے کہ بدخشاں کا خلیفہ آیا اور سجدۂ تعظیم کر کے کھڑا ہو گیا سوال طلب یہ ہے کہ کیا ان بزرگوں کے نزدیک غیر اللہ کو سجدہ جائز ہے۔

جواب: تمام بزرگوں کے نزدیک سجدۂ تعظیم بحالت ہوش و حواس اشد حرام ہے قرآن مجید اور احادیثِ طیبات کی صریح عبارات سے سجدے کی حرمت اور ممانعت ثابت ہے جو بھی اسے جائز مانے یا سجدہ کرائے اُس کی عاقبت خراب ہے کسی مجہول انسان نے اپنی من پسندی سے ترجمہ کرلے میں خیانت کی ہے اور ضیاءِ حرم نے ایسی فتنہ پرور عبارت کو چھاپ کر نہایت غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے غالباً حضرت پیر کرم شاہ

صاحب اپنی گوناگوں مصروفیات کی بنا پر زحمتِ مطالعہ نہیں فرماتے اور بہت دفعہ مسائل مضامین بہت غلط شریعت کے خلاف چھپ جاتے ہیں کبھی ملاقات ہوئی تو پیر صاحب کی خدمت میں ڈائجسٹ کو شرعی اعتبار سے معیاری بنانے کی گزارش کروں گا۔ بہرحال رسالوں اور ڈائجسٹوں پر کُلی اعتماد نہیں کرنا چاہیئے آج کل زیادہ تصنیفی اور تحریری مضامین ڈاکٹر اور پروفیسر قسم کے لوگوں کے شائع ہوتے ہیں جو بیچارے علمی عقلی فقاہت سے کوسوں دور ہوتے ہیں آپ دینی شرعی ضرورت مشہور صاحب فتوٰی علما سے پوچھا کیجئے پھر عمل کے لیے قدم اُٹھایئے اس وقت ترجموں کی دوڑ نے گمراہی پھیلنے پھیلنے کا خوب موقع دیا ہے اللہ تعالیٰ سب کا ایمان محفوظ فرمائے۔ اکثر مترجمین بے دین گمراہ ہیں اور شیطانی خیانت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

سوال نمبر ۶: ضیاء حرم ۱۹۸۲ء نومبر صفحہ ۹ پر ہے کہ اگر خاوند طلاق دے دے اور بیوی عدالت میں دعویٰ کر دے کہ یہ طلاق نہیں ہوئی اور عدالت حتمی فیصلہ کر دے کہ طلاق نہیں تو طلاق ختم ہو جاتی ہے اگرچہ خاوند کہتا رہے کہ میں نے طلاق دیدی ہے کیا یہ مسئلہ صحیح ہے؟

جواب: یہ مسئلہ بالکل غلط ہے اور لکھنے والا اَجْہَل ہے بعض صورتیں ایسی ہیں کہ خاوند اپنے خیال میں طلاق دے دیتا ہے اور ایسے لفظ بولتا ہے یا لکھتا ہے جو طلاق کا مفہوم ادا نہیں کرتے اور خود خاوند استغفار کرے کہ کیا اس سے طلاق ہوئی اور اپنا

ارادہ بتائے کہ میری مراد صرف جھڑک کی تھی تب وہ طلاق نہ بنے گی صرف بیوی اور عدالت کے طلاق ختم کرنے سے طلاق ختم نہ ہو گی نہ ہو سکتی ہے لیکن سوال سے تو صریحی طلاق ظاہر ہو رہی ہے اس کا اس طرح جواب دینا تو جہالت اور گمراہی کے سوا کچھ نہیں ایسے مضامین کو پڑھنا چھاپنا سب گناہ ہے۔

سوال ۷۔ ضیاءِ حرم جولائی ۱۹۸۵ء ص ۳۲ پر ہے کہ جن قالینوں پر جوتے لے کر چلتے پھرتے ہیں ان پر بغیر مصلہ یا چادر بچھائے نماز پڑھنا جائز ہے اور دلیل میں کہا گیا ہے کہ اسلام میں زمین پر نماز پڑھنا جائز فرمایا گیا ہے کیا یہ مسئلہ صحیح ہے۔

جواب۔ ایسے مسئلے بتانا اس لیے گناہ ہے کہ لوگ بد احتیاطیوں کی وجہ سے نمازیں برباد کر دیں گے نیز اس قالین کو جو ویسے ہی زمین پر بچھا دی گئی ہے جیسے کہ عام گھروں میں محض زینت کے لیے رکھا جاتا ہے اس کو زمین قیاس کرنا کم علمی ہے زمین تو ناپاک ہو جانے کے بعد خشک ہو کر پاک ہو جاتی ہے جب کہ اس پر نجاست کا اثر نہ رہے لیکن قالین یا دری بغیر دھوئے پاک نہ ہو گی، جب کہ یقینی حد تک کہا جا سکتا ہے کہ ایسے قالین ضرور ناپاک ہوتے ہیں کیونکہ ہر شخص جوتے لے کر چڑھتا ہے وہی جوتے بیت الخلا اور گندی سڑکوں سے گزر کر آتے ہیں ان کے تلووں سے پیشاب یا گندے پانی کی تری اور سڑکوں کی گوبر آلود مٹی لگی ہوتی ہے یہ ایسی گندگی ہے جو قالین پر نظر نہیں آتی مگر قالین کی اُس جگہ کو مکمل گندہ پلید کر دیتی ہے پیشاب تو خشک ہو کر کہیں بھی اپنا اثر

نہیں چھوڑتا مگر گوبر وغیرہ کے ذرے خشک شدہ قالین میں سما جاتے ہیں صاحب مضمون نے ان چیزوں کا خیال نہیں کیا یہ ٹھیک ہے اسلام نے بہت آسانیاں فرما دی ہیں مگر اس سے کسی کو ناجائز فائدہ اٹھا کر مزید اپنی پسند کی آسانیاں پیدا کرنا جائز نہیں اس لیے ضروری خیال کرنا چاہیے کہ مصلے کے بغیر ایسی چادر و قالین پر ہرگز نماز نہ پڑھی جائے ہاں اگر کارپٹ کی طرح فرشِ خانہ سے وہ بالکل کیلوں سے جوڑ دی گئی ہے تب وہ زمین کے حکم میں آجاتی ہے اگر برش وغیرہ سے جھاڑ کر نماز پڑھ لی جائے تو ہو جائے گی تاکہ جوتوں کے ذریعے آنے والی گندگی کے ذرات دور ہوجائیں یہی حکم زمین کا ہے بغیر صاف کئے تو کہیں بھی نماز جائز نہیں۔

سوال ۵: ۔ حافظ مظہر الدین کا ایک شعر اس طرح ہے۔

ہے نام نسب عشق میں توہینِ محبت ✻ سوگند مجھے عشقِ رسولِ عربی کی

ایک صاحب نے فرمایا یہ شعر خلافِ شرع ہے کیا یہ اعتراض درست ہے یہ پوری نعت اُن کے ایک مجموعے باب جبرئیل میں ہے۔

جواب: ۔ اس شعر کا دوسرا مصرعہ بالکل خلافِ شریعت ہے لکھنے والا گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہوا ہے لفظ سوگند فارسی میں قسم کے معنیٰ میں ہے اور احادیث پاک میں وارد ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کی قسم کا کھانا سخت ترین جرم ہے فقہائے کرام تو ایسی غیر اللہ کی قسم کو بحکمِ حدیث پاک شرک قرار دیتے ہیں۔ دراصل مسلم قوم کی انتہائی بدقسمتی ہے کہ بے علم لوگوں نے نعتیں لکھنا شروع کر دیں ہیں اگر یہ مصرعہ اس طرح پڑھ لیا جائے تو جائز ہو جائے گا سوگند۔ مجھے ربِ رسولِ عربی کی اب قسم کی نسبت خارِ لفظاً بالکل خود بخود اللہ کی طرف اضافت ہو جائے گی یا اس طرح پڑھا جائے۔

سوگند۔ مجھے عشقِ رسولِ عربی ہے ؎ اب سوگند کی نسبت عشق کی طرف نہ ہوگی قسم مطلق ہوگی، جس طرح عام کہا جاتا ہے۔ قسم سے میں نے ایسا نہیں کیا۔

سوال نمبر ۹:۔ اقبال مرحوم لکھتا ہے۔

خیرہ نہ کر سکی مجھے نیرنگئ فرنگ ؎ سرمہ تھا میری آنکھ کا خاکِ مدینہ ونجف کیا

یہ صحیح ہے۔

جواب:۔ قطعاً جھوٹ ہے خیرہ کرنا اور کس کو کہتے ہیں چال انگریزی ڈھال انگریزی ساری عمر تعریف انگریزی شکل وصورت لباس انگریزی سفر وحضر تعلیم انگریزی جتنا خیرہ اقبال ہوا اتنا تو کوئی نہ ہوا نیز یہ سرمہ اقبال کو ملا کہاں سے جب کہ اقبال نے فرنگ کے لیے سترہ سفر کئے مگر مدینہ و نجف کی طرف منہ تک نہ کیا صرف مسلمانوں کو خوش کرنے کے لیے ایک شعر کہہ دیا۔

سوال نمبر ۱۰:۔ صاحبزادہ غلام نصیر الدین گولڑوی محترم نے ایک کتاب لکھی ہے جو غزلیات پر مشتمل ہے اس کا نام پیامِ شب ہے اس کے آخری صفحہ پر لکھا ہے تخلیقات یعنی صاحبزادہ صاحب کی شاعری کو ان کی تخلیقات قرار دیا گیا ہے۔ کیا یہ کہنا درست ہے اسی طرح اپنی و دیگر مصنفین کی تصنیفات کو بھی تخلیقات کہتے ہیں۔

جواب! شریعت کے احکام سے ناواقفی کی بنا پر یہ غلطیاں سرزد ہوتی ہیں اور اب تو یہ فیشن بن چکا ہے قائدِ اعظم محمد علی جناح کو خالقِ پاکستان کہہ دیا جاتا ہے شاعر کو خالقِ اشعار کہہ دیا جاتا ہے لفظ تخلیقات کا کا استعمال بھی انہیں معنی میں لیا گیا ہے۔ حالانکہ اللہ جل مجدہٗ کے سوا کسی کو خالق کہنا حرام ہے اور کسی طرف خلقیت کی نسبت کرنا گناہِ کبیرہ

ہے خالق صرف رب تعالیٰ کو کہا جا سکتا ہے تخلیق کا معنیٰ ہے کسی چیز کو اصلیت کے ساتھ عدم سے وجود میں لانا مثلاً ایک شخص پتھر کا بت بنا دے یہ اس کی خلقیت نہیں صنعت ہے لیکن بت میں جان ڈال دے تو یہ اب اس کی تخلیق ہوگی اسی لیے بقول حدیث پاک قیامت میں فوٹوگرافروں سے کہا جائے گا کہ اس اپنی بنائی ہوئی تصویر میں جان ڈال وہ نہ ڈال سکے گا لہٰذا جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ عربی میں شعر بنانے کو انشاد کہا جاتا ہے نہ کہ تخلیق اور شاعر لوگ تو بے چارے شروع سے ہی علم سے کورے چلے آئے ہیں ان سے کیا گلہ۔

سوال نمبر ۱۱: ضیاء حرم فروری ۱۹۸۵ء ص ۴۶ پر ایک مضمون ہے بعنوان "تصوف کیا ہے" اس کے صفحہ ۵۸ پر آخری سطور میں علماء اور فقہاء کرام کی سخت توہین اور گستاخی کی گئی ہے کیا ان گستاخیوں کا نام تصوف ہے، لکھا ہے کہ یہ علما فقہا ہمیشہ چڑھتے سورج کے پجاری رہے اور شاہوں کے گداگر، اگر صوفیا نہ ہوتے تو مولویوں نے دین خراب کر دیا تھا۔

جواب: میں نے آپ کے بھیجے ہوئے اوراق کو پڑھا یہ مضمون حقیقت سے بہت دور اور تخریب کاری پر مبنی ہے اور اس قسم کے مضامین شکر میں زہر ہوتے ہیں صاحب مضمون علماء کرام فقہاء اسلام کا انتہائی گستاخ معلوم ہوتا ہے اس نے بلا امتیاز اسلام کے ان روشن چراغوں کی توہین کر کے قوم اور اغیار کو اصل شریعت سے برگشتہ کرنے کی ناپاک سازش کی ہے مضمون نگار

یا اہلِ قلم ہونے کا یہ مقصد نہیں کہ ایک کی تعریف دوسرے کی توہین بن جائے اصلیت یہ ہے کہ علما اور صوفیاء دونوں ہی اسلام کے خدمت گار روشن مینار ہیں گاڑی کے دو پہیوں اور پرندے کے دو بازوؤں کی مثل ہیں علماء کا مقام اوّل ہے اور صوفیاء کا بعد میں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر عالم ہی صوفی ہے، تصوف کو علماء فقہا سے علیحدہ سمجھنا حقیقت نا ناآشنا ہی ہے صاحبِ مضمون جس کو فقہا کا آپس میں لڑانا کہتا ہے اور فتوے دے کر کام بنانا کہتا ویسے ہی ہے جیسے پولیس کا چور ڈاکوؤں سے پولیس مقابلہ ہوتا کیا کوئی بدبخت کم عقل پولیس کو بُرا کہتا ہے اگر علماء فقہا اُن خُبثا کا مقابلہ نہ کرتے اُن کفار کو کفار نہ کہتے تو دنیا میں صوفیاء پیدا ہی نہ ہوتے ایک بزرگ نے کیا خوب کہا ہے کہ علماء اور فقہا چمنِ تصوف کے مالی ہیں اگر علما نہ ہوں تو شیطانی تصوف والے اسلام کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیں حقیقت یہ ہے، کہ جہاں علما نہیں رہے وہاں کی ماؤں نے صوفی جننے ہی چھوڑ دیئے دیکھو دیوبند اور قادیان اور نجد کا کیا حال ہوا، رہی یہ بات کے کچھ لوگوں نے اسلام کا نام لے کر بادشاہوں کا قرب حاصل کیا تو یہ بات ہر دور میں باطل پرستوں نے اختیار کی اگر کچھ جھوٹوں نے علما کا لبادہ اوڑھا تو بہت سے مکّاروں نے صوفیاء کی گودڑی بھی استعمال کی یہ معتزلہ، قدریہ، جہمیہ، خارجیہ ان ہی باطل لوگوں میں سے تھے جنہوں نے علما کی وردی پہن کر شیطانیت پھیلائی اسی طرح بہت سے فریب کاروں نے تصوف کی قبائیں پہن کر بادشاہوں کی کاسہ لیسی کی مولانا روم ایسے ہی بد باطن لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ

کہ کارِ شیطاں میکند نامش ولی . گر ولی ایں است لعنت بر ولی

جس طرح سچے صوفیاء کو ان جھوٹوں کے ساتھ شامل نہیں کیا جا سکتا اس طرح علماء فقہا کو بدخصلت افراد میں کیوں گنا جائے رہا خدمتِ اسلامی تو علماء فقہا اس میں پیش پیش ہیں بلکہ فقہاءِ کرام نے ہی جلوتِ عوام میں سے ایسے لوگ تیار کیے جو خلوتِ تصوف میں بیٹھنے کے لائق ہوئے اور ان خلوت نشینوں کا سچا تعارف بھی علمائے کرام ہی کا مرہونِ منت ہے صاحبِ مضمون اپنی پہلی سطور میں لکھتا ہے کہ دورِ صحابہ میں تصوف کی بنیادیں نظر آتی ہیں اور فہرست میں صرف تین صحابہ کا ذکر کرتا ہے کہ ان کی زندگی صرف زہد عبادت اور تزکیہ نفس کے لیے وقف ہو کر رہ گئی تھی یہ عبارت صحابہ کرام کی انتہائی گستاخی ہے گویا کہ صحابہ کرام میں سے صرف چند ہی زاہد و عابد اور تزکیۂ نفس والے تھے جب کہ حقانیت یہ ہے کہ تمام صحابہ، ہی وقفِ تزکیہ تھے اور ان کی ہر ہر ادا زہد و عبادت تھی میں کہتا ہوں کہ ضیائے حرم کے ایسے زہریلے مضمون قوم کو کیا فائدہ پہنچا سکیں گے اور اس کی ہر دلعزیزی سے کیسے کیسے غلط لوگ ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں فقہاءِ کرام نے جن بدترین اشقیا کو کافر قرار دیا ہے وہ صوفیائے عظام کے نزدیک بھی کافر ہی ہیں اور کوئی صوفی اُن کو کافر نہ مانے تو خود کافر ہو جائے بہر حال علما صوفیاء اور اولیاء سب اسلام کے سنہری موتی ہیں، جو تحریر تقریر خدمات فقہا نے کیں صوفیا نے نہ کیں اور جو صوفیاء نے کیں علماء نے نہ کیں اپنے اپنے مقدر کا حصہ ہے جو رب تعالیٰ نے مقرر فرمایا دونوں گروہ ہی قابلِ احترام ہیں مگر شیطانی

بد بختی کو کیا کہا جائے ایک اٹھتا ہے تو صوفیاء کی محنتوں ہمتوں کا منکر بن جاتا ہے دوسرا اُٹھتا ہے تو عظمتِ فقہا سے بدظن ہو جاتا ہے یہ دونوں طریقے گمراہی کے ہیں اہل سنت کا راستہ دونوں سے جدا ہے۔

سوال ۱۲ ۔ فتاوٰی بحرالرائق جلد اوّل صـ ۲۹۴ پر لکھا ہے کہ سنتوں کی نیت کرتے وقت مُتابعۃ النبی کہنا چاہیئے اسی طرح بہار شریعت حصہ سوم صـ ۶۴ پر منیۃ المصلّی کے حوالے سے لکھا ہے مگر اصل منیۃ المصلی میں یہ حوالہ نہیں ہے کیا یہ لفظ ضروری کہنا چاہیئے کیا اِس کے بغیر سنّت صحیح نہ ہوگی ؟

جواب ا یہ بات غلط ہے کسی حدیث اور طریقۂ صحابہ سے ثابت نہیں ویسے بھی صرف سنتوں کی نیت میں یہ کہنا درست نہیں تین وجہ سے ۱ اولاً اس لیے کہ متابعت کا لفظی لغوی معنیٰ ہے کسی کی اقتداء کرنا یا اپنی عقل و فکر کو چھوڑ کر کسی کا طریقہ اختیار کرنا، پہلے معنیٰ میں تو یہ ظاہر ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نہیں ہوتے اس لیے ہم کسی اپنے امام کے تو مقتدی ہو سکتے ہیں اور اپنے امام کے لیے تو کہہ سکتے ہیں کہ متابعت فلاں زید بکر وغیرہ جیسا کہ فتوٰی شامی درّ مختار جلد اوّل صـ ۱۲۰ پر یہ لفظ اقتداءِ امام کے معنیٰ استعمال کیا گیا ہے لیکن آقاءِ کائنات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیلئے نہیں بول سکتے اور لُغوی معنیٰ سے ہم ہر نماز میں، ہی اپنے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور متابعت کرتے ہیں فرض ہوں یا واجب نفل سنّت، صرف سنّت

مؤکدہ غیر مؤکدہ نماز کے لیے یہ لفظ استعمال کرنا قطعاً غلط ہوگا یہ مصنف بحرالرائق علیہ الرحمۃ کی چشم پوشی اور عدم تفکر ہی ہوسکتا ہے اس کو صحیح نہیں کہا جا سکتا دوم اس لیے غلط ہے کہ صرف سنتوں کے لیے اس لفظ کو خاص کرنا عوام مسلمانوں کے ذہن میں فتور ڈالتا ہے اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ صرف فرض ہم اللہ کے لیے پڑھتے ہیں اور سنت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اور یہ اندیشہ میرے مشاہدے میں آیا کہ جب ایک مسلمان سے میں نے پوچھا کہ تم سنتوں کی نیت میں متابعۃ النبیؐ کیوں کہتے ہو تو اس نے جواب دیا کہ ہم فرض واجب نفل تو اللہ تعالیٰ کے لیے پڑھتے ہیں لیکن سنت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پڑھتے ہیں اور کسی جاہل مولوی نے اس کو اس بات پر اتنا سخت بدعقیدہ کر دیا تھا کہ اس غلط نظریے کو چھوڑنے پر تیار نہ تھا (نعوذ باللہ) سوم یہ مسئلہ اس لیے بھی غلط ہے کہ صاحب بحرالرائق نے اس میں اختلاف کا ذکر کیا ہے اور صرف اپنی رائے میں مسئلہ بیان کیا ہے اور وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ نفل و سنت میں فرق مدّنظر رہے۔ مگر یہ دلیل کمزور ہے، صرف نفل کا نام نیت میں لینے سے بھی یہ فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔ رہا اتّباع یعنی طریقہ تو یہ بات کسی مسلمان سے پوشیدہ نہیں کہ ہم فرض اور واجب نماز میں بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلتے ہیں نہ کہ فقط سنتوں میں۔ اس لیے نیت صرف یہ کرنی چاہیے کہ میں نیت کرتا ہوں دو یا چار رکعات سنتِ فجر یا ظہر وغیرہ واسطے اللہ تعالیٰ کے منہ کعبے شریف کی طرف اَللّٰہُ اکبر۔ اور نیت میں متابعت کا لفظ

بولنا غلط ہے، نیز نماز کے اوّل میں سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کا نام لینا جائز نہیں اس میں عقیدے وخیال کے فاسد ہونے کا خطرہ ہے، جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عقلِ سلیم عطا فرمائے اور ایمان محفوظ رکھے (آمین)۔

سوال ۱۳:۔ ضیاءِ حرم جون ۱۹۸۵ء صـ ۹۳ پر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی دینی مسائل کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کھڑے پانی سے طہارت کرنا درست نہیں اور دلیل میں ارشاد فرماتے ہیں کہ حدیثِ پاک میں۔ دَعْ مَا يُرِيْبُكَ إِلٰى مالَا يُرِ يْبُكَ اور اس کا ترجمہ اس طرح لکھا ہے۔ جو بات تمہیں شک میں ڈالدے اسے چھوڑ دو اور جو تمہیں شک وشبہ میں نہیں ڈالتی اسے اختیار کر لو۔ کیا یہ سب جواب درست ہے؟

جواب:۔ یہ مسئلہ قطعًا غلط ہے اور روایتِ مذکورہ سے استدلال بھی غلط ہے۔ کیونکہ قرآنِ مجید حدیثِ پاک اور فقہ حنفی کے خلاف ہے، اور وہ روایت جس سے صاحبِ مضمون نے استدلال کیا ہے اس کا ترجمہ صحیح ہے مگر عربی لکھنے میں غالبًا کاتب نے لغزش کی ہے اصل عبارت اس طرح ہونی چاہیئے۔ دَعْ مَا يُرِيْبُكَ إِلٰى مَا لَا يُرِيْبُكَ حرفِ نفی۔ لَا۔ کتابت سے رہ گیا ہے۔ لیکن استدلال غلط ہے۔ اس لیے کہ لفظِ طہارت اگرچہ استنجا اور وضو دونوں کو شامل ہے مگر چونکہ سائل نے اپنے سوال میں استنجے کے بارے میں پوچھا ہے۔ اس لیے جواب میں طہارت سے مراد استنجا ہی ہے زبان پنجابی میں کھال اس نالی کو کہتے ہیں جو کنوئیں رہٹ یا ٹیوب ویل سے کھیت تک بنائی جاتی ہے اور کھیل اُن کیاریوں کو

کہتے ہیں جو کھیت کے اندر پانی پہنچانے کے لیے بنائی جاتی ہیں، ان کو عربی میں ریاض کہتے ہیں اِس کی واحد روضۃٌ ہے سائل نے ان میں کھڑے پانی سے استنجا کرنے اور وضو کرنے اور لوٹا بھر کر پانی لینے کے متعلق سوال کیا ہے۔ یعنی سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ پانی جو کنوئیں کی نالی یا کھیت کی کیاری میں کھڑا ہے اس سے لوٹا یا پیالا بھر کر کہیں جا کر استنجا کر سکتے ہیں یا نہیں ڈاکٹر صاحب نے فقہی اصول کے خلاف اپنے عقلی اور فلسفی رنگ سے اس کا جواب دیا ہے کہ ایسا پانی لینا ناجائز اس میں تر و تازگی نہیں اس لیے یہ پاک نہیں کیونکہ پتہ نہیں پاک ہے یا کہ نہیں، اور دلیل دی مذکورہ روایت سے۔ حالانکہ یہ جواب شرعاً درست نہیں ہے، درست جواب یہ ہے کہ چونکہ اِن نالیوں کیاریوں اور کنوئیں کی حوضیوں (چہ بچوں) میں کنوئیں ہی کا پانی ہے اُسی سے نکالا گیا یا بارش کا ہو سکتا ہے اور یہ دونوں پانی نکلتے اور آتے وقت یقیناً پاک ہیں تو جب تک اِن کے پلید ہونے کا یقین نہ ہو گا اس وقت تک فقط اپنے خیال وہم کی بنا پر اُن کو ناپاک نہیں کہا جا سکتا لہٰذا اگر کوئی شخص اِن کیاری نالی وغیرہ میں سے کوزہ لوٹا بھر کر دور جا کر استنجا کرے تو جائز ہے اسی طرح اس پانی سے وضو بھی جائز ہے ہاں البتہ یہ احتیاط کرنی چاہیئے کہ وہاں سے پانی لے کر ایسی جگہ استنجا کریں کہ پانی (پلید یا مستعمل) لوٹ کر نہ آئے۔ اس احتیاط کی وجہ سے ہر شخص کے لیے وہ پانی پاک رہے گا۔ اس کی دلیل فقہ کا وہ قاعدہ ہے کہ اَلشَّکُّ لَا یَقْطَعُ الْیَقِیْنَ یعنی یقین کوئی بھی شک

وہم سے ختم نہیں کرسکتا، ہاں اگر یقین سے پتہ لگے کہ یہ کیاریوں کا پانی پلید ہے یا اس طرح کہ خود اس کیاری، نالی یا حوض میں کسی کو گندگی ڈالتے دیکھا یا کسی وہاں کے باشندے نے کہا کہ یہ فلاں وجہ سے ناپاک ہوگیا ہے تب وہ پانی ناپاک مانا جائے گا صرف کھڑے ہونے کی وجہ سے ناپاکی کا وہم درست نہیں ہے ذمہ دار رسائل و ماہناموں اور اہلِ قلم کو چاہیئے کہ سوچ سمجھ کر قلم اٹھایا کریں خاص کر مسائلِ دینیہ کے بارے میں ورنہ مصیبت پڑ جائے گی۔ اگر کھڑا ہونا ہی پانی کے ناپاک ہونے وجہ بنالی جائے تو پھر تو کنوئیں نلکے مسجدوں کے حوض جنگل کے بڑے بڑے تالاب اور ٹونٹیوں کا پانی سب کھڑے پانی ہیں۔ ان میں کوئی بہتا پانی نہیں۔ حالانکہ فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ ہر کھڑے پاک طیب پانی سے وضو وغیرہ جائز ہے اگرچہ سالہا سال سے کھڑا ہو۔ جب تک ناپاک ہونے کا یقین نہ دلایا جائے اس وقت تک اُس کھڑے پاک سے ہی وضو وغیرہ کیا جائے اُس کے ہوتے تیمّم جائز نہ ہوگا۔ رہا پیش کردہ روایت سے استدلال وہ اس لیے غلط ہے کہ اس روایت کا مطلب یہ نہیں ہے جو صاحبِ مضمون نے سمجھ لیا بلکہ حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک طرح کی دو چیزیں ایک جگہ موجود ہیں ان میں سے ایک میں اپنی حفاظت، صفائی، نزہت اور جگہ مقام کے اعتبار سے شک کی قطعاً گنجائش نہیں اور دوسری میں کسی اعتبار سے شک کی تھوڑی سی گنجائش ہے تو خواہ مخواہ پہلی کو چھوڑ کر دوسری کو مت لو۔ اور ایسی صورت میں بطریقۂ فتویٰ اگرچہ کچھ بھی جائز ہو مگر تقویٰ یہ ہے کہ اعلیٰ و افضل کو لیا جائے اور ادنیٰ کو چھوڑ دو۔ مثلاً ایک جگہ

کیاری، نالی، حوض میں بھی پانی کھڑا ہے اور پاس ہی نلکہ بھی لگا ہے یا رہٹ چل رہا ہے تو اب نلکہ چھوڑ کر بلا مجبوری اس کیاری کے پانی کو نہ لو۔ یہ حکم بھی ناجائز یا ناپاک ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ صرف اطمینانِ قلبی اور فرحتِ روحانی و ذوقِ جسمانی کے حصول کے لیے۔ یہ مذکورہ روایت ہر عام و خاص دینی دنیوی معاملات کے لیے ہے۔ دیگر بہت سی احادیث و آیات نے بیجا شکوک ظنونِ فاسدہ اور وہمیات سے بچنے دور رہنے کی تلقین فرمائی ہے۔ صاحبِ مضمون نے جن نازک مزاجیوں میں اُلجھایا ہے ایسے مضامین تو وہم کی بیماری میں مبتلا کر دیتے ہیں، تر و تازگی پانی کے بہنے اور کھڑے ہونے میں نہیں بلکہ تازگی تو فرموداتِ شریعت اور صاحبِ شریعت کے اُسوۂ حسنہ میں ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

سوال نمبر ۱:- مولوی سعید احمد دہلوی کی یہ ایک کتاب تصنیف ہے اس کا نام ہے موت کا جھٹکا جو مکتبہ رشیدیہ کراچی کی چھپی ہوئی ہے اِس کے ص۱۵ پر ہے کہ جب ملک الموت حضرت موسیٰ علیہ السَّلام کے پاس گئے تو آپنے حضرت عزرائیل کو ایک تھپڑ مارا جس سے حضرتِ عزرائیل کی آنکھ پھوٹ گئی۔ تو ملک الموت عزرائیل نے بارگاہِ خداوندی میں جا کر عرض کیا کہ موسیٰ نے میری آنکھ پھوڑ دی اگر آپ کے نزدیک وہ مکرم و محترم نہ ہوتے تو میں بھی اُن کی آنکھ پھوڑ دیتا۔ کیا یہ واقعہ درست ہے۔

جواب:- نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ اس واقعے میں کسی خبیث وہابی دشمنِ نبی نے ملاوٹ کی ہے یہ لوگ تو پہلے ہی شانِ نبی دیکھ

سن کر جلے کٹے مرتے ہیں ان کو شان نبوّت برداشت نہیں ہوتی، یہ ملاوٹ اُسی جلاپے کا ردِ عمل ہے۔ صحیح واقعہ اس طرح مشکوٰۃ شریف میں صرف یہ روایت ہے کہ، بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحوالہ بخاری شریف و مسلم کہ حضرت عزرائیل علیہ السّلام نے بارگاہِ کلیمُ اللہ میں آکر عرض کیا۔ اَجِبْ رَبَّکَ۔ اپنے رب کو قبول کرو یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ وَالسّلام نے ایک چپت مارا تو اُن کی آنکھ اکھڑ کر باہر نکل پڑی حضرت عزرائیل نے بارگاہِ الٰہی میں جاکر عرض کی کہ اے اللہ جس کے پاس تو نے مجھ کو بھیجا ہے وہ تو مرنا نہیں چاہتے۔ تب باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ ایک بیل لے جاؤ (الخ) بس اتنا واقعہ ہے مگر بدنصیب گستاخوں کو کیا کہا جائے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح یہ بھی اللہ رسول کے کلام میں ملاوٹیں کرنے سے نہیں ڈرتے یہ ذرا سی ملاوٹ کرکے اپنا ہی ٹھکانہ جہنّم میں بنا لیا۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ حضرت عزرائیل ایسی غصّہ ور بے ادبانہ بات کہتے اور وہ بھی رب تعالیٰ کے سامنے وہاں تو لرزتے ہوئے ہی جاتے ہیں وَالْمَلٰٓئِکَۃُ مِنْ خِیْفَتِہٖ کا ہی نقشہ ہوتا ہے وہاں تو یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ کا ہی ظہور ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے کلیم کی گستاخی کون کرسکتا ہے یہ جرأت عزرئیل علیہ السّلام کی نہیں ہوسکتی۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمْ

سوال ۱۵ ا۔ ماہنامہ ضیاءِ حرم مارچ ۱۹۸۵ء صفحہ ۷ پر لکھا ہے مَا اَنَا بِقَارِیٍ ترجمہ۔ میں تو پڑھا ہوا نہیں۔ کیا یہ ترجمہ درست ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل کے اس اِقْرَءْ

کہنے کا جواب دیا کہ میں تو پڑھا لکھا نہیں ہوں، پھر لکھا ہے کہ حضرت جبرئیل نے نبی کریم کو خوب بھینچا جس سے آپ کو کافی تکلیف ہوئی۔

جواب ۱۔ یہ ترجمہ درست نہیں، کیونکہ لفظ قاری اسم فاعل ہے اور اس کا ترجمہ ہوتا ہے پڑھنے والا یہاں حرف نفی کے ساتھ ترجمہ ہوا میں پڑھنے والا نہیں اور مقصدِ کلام یہ ہے کہ اے جبرئیل تم کہتے ہو۔ پڑھو، حالانکہ میں دنیا میں پڑھنے کے لیے نہیں پڑھانے کے لیے آیا ہوں۔ مگر صاحبِ مضمون یہ کہہ رہا ہے کہ معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم گویا اپنے آپ کو اَن پڑھ اور بے علم بتا رہے ہیں۔

لیکن یہ مقصد نہیں۔ اگر یہ مقصد ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم فرماتے کہ میں اُمی ہوں یا فرماتے لَا اَقْدِرُ عَلَی الْقِرْاءَۃِ۔ میں پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتا یا فرماتے لَا قُدْرَۃَ لِیْ۔ یا سوال فرماتے کہ مَا اَقْرَءُ کیا پڑھوں مگر اس طرح کا کوئی لفظ نہیں۔ میں پڑھا ہوا نہیں۔ کا ترجمہ تو ان ہی مندرجہ بالا الفاظ سے نکلتا ہے۔ قارِی کا ترجمہ پڑھا ہوا کرنا بہت بڑی غلطی ہے یہ ترجمہ نہ نحوًا صرفًا درست نہ لغتًا نہ مقصدًا۔ اگلی سطور کی عبارت بھی غلط اور گستاخی ہے،

صاحبِ مضمون کو اتنی سمجھ بھی نہیں کہ جسمِ لطیف کے ملنے سے تکلیف یا تنگی محسوس نہیں ہوتی حضرت جبرئیل جسم لطیف ہیں اور یہ جسم مثالی ہے اور پھر اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ بھینچنے سے تکلیف پہنچی ہو یہ صاحبِ مضمون کی جاہلانہ اپنی بناوٹ ہے احادیث میں اتنا ضرور ملتا ہے کہ اس واقعے کے وقت آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کپکپاہٹ اور گھبراہٹ ہوئی مگر وہ

ہیبتِ کلامِ الٰہی تھی نہ کہ جبرئیل علیہ السّلام کے معانقے سے نیز اس معانقے کو بھینچنا کہنا بھی گستاخی اور بے ادبی ہے مضمون نگار کو توبہ کرنی چاہیئے رہا یہ کہ کلامِ الٰہی سے لرزہ طاری ہونا تو یہ تو آخری وحی تک قائم رہا۔ اسی لیے ہر نزولِ وحی پر نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر غشی طاری ہو جاتی تھی اور سردیوں میں بھی پسینہ آجاتا تھا یہ سب کچھ ہیبتِ کلامِ الٰہی کی بنا پر ہوتا تھا اور یہ فقط اتنا ہونا بھی آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم قوت وبرداشت کی دلیل ہے ورنہ۔

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا
مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ۔

سوال ۱۶: ماہنامہ ضیاء حرم جون ۱۹۸۵ء از ص ۹ تا ص ۳۰ پر حضرتِ محترم پیر کرم شاہ صاحب کا ایک مضمون تقریری چھپا ہے جس کا عنوان ہے۔ دیارِ فرنگ میں ایک اہم تقریر۔ یہ تقریر ماہنامے کے مطابق اٹھارہ مارچ ۱۹۸۵ء کو ملٹن کینز میں کی گئی ص ۱ پر یہ الفاظ درج ہیں۔ ہم آکسفورڈ، کیمبرج، لیڈز، لندن وغیرہ کے علمی اداروں کی عظمت کو سلام کرتے ان کی افادیت اور اہمیت کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہیں۔ کیا اس طرح کسی کفریہ درس گاہوں کو کہنا وسلام کرنا جائز ہے۔ جب کہ کسی کافر تک کو سلام کرنا جائز نہیں۔

جواب: آپ کا بھیجا ہوا ماہنامہ مطالعہ کیا۔ یہ مضمون بذاتِ خود اپنی افادیت کے اعتبار سے بہت قیمتی ہے شاندار و قابلِ قدر ہے مگر مذکورہ فی السّوال یہ چند الفاظ۔ شرعاً درست نہیں ہیں۔ کسی مسلمان خاص کر بہت صاحبِ فراست عالمِ دین کو تو بالکل ہی زیبا نہیں

کہ کفار کی کسی چیز کو عظیم سمجھے یا عظمت کو سلام کرے۔ اور ان اداروں کو علمی کہنا بھی ٹھیک نہیں۔ ان کے اعتراف میں سر جھکانا بھی منع ہے۔ آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تو فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو توریت کے سامنے نہ جھکنے دیا جس کے سامنے قرآنِ مجید جیسا علم کا سورج ہو اس کے سامنے ایک ٹمٹماتے چراغ کی حیثیت ہی کیا ہے۔ یہ الفاظ غالباً ان کی زبان سے بلا ارادہ نکل گئے ہوں گے اس لیے کہ اسی مضمون کی اگلی سطور میں۔ ان ہی عظمت زدہ وسلام کردہ اداروں کو جہالت کہا جا رہا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ غلامانِ مصطفیٰ کے نزدیک یہ علم نہیں جہالت ہے۔ خلاصہ یہ کہ کفر کی تعظیم کرنا گناہ اور کفار کی چیزوں کو نسبت کفر دینا ضروری ہے۔ شریعت میں تو فاسق کی عزت وتعظیم کرنا گناہ ہے اور اہانت واجب ہے۔

سوال ۱۷: بہت پرانہ ایک ماہنامہ صوفی نومبر ۱۹۰۹ء کے ص ۱۸ پر ایک مضمون بعنوانِ اخلاقِ حسنہ کی سطر ۲ پر لکھا ہے کہ جب صحابہ کرام اشعار خوانی کرتے تو نبی کریم بھی شعر پڑھتے۔ کیا یہ بات درست ہے ہم نے اس سے پہلے نہ سنا۔

جواب: یہ بات کسی حدیث سے ثابت نہیں نہ ہی اس سے پہلے ہم نے کسی سے سنی۔ نیز یہ بات قرآنِ مجید کے خلاف ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْۢبَغِیْ لَهٗ۔ ترجمہ: ہم نے اپنے نبی کریم کو شعر کہنا نہیں سکھایا اور نہ ہی یہ ان کے لائق ہے ان دونوں باتوں کے تحت مفسرین فرماتے ہیں آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہ شعر بنا سکتے اور نہ ہی کسی کا شعر ادا فرما سکتے تھے۔ ساری زندگی پاک میں صرف

ایک دفعہ ایک فقرہ ادا فرمایا جو خود بخود شعر کی شکل بن گیا تھا۔ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ۔ لہٰذا یہ مضمون غلط ہے۔

سوال ۳۱: ماہنامہ ضیاءِ حرم مارچ ۱۹۸۵ء صـ۷۹ پر مضمون بابا فرید کی میٹھی باتیں سماع کی بحث کالم ۱ سطر آخری سجدۂ تعظیمی کے جواز کا لکھا ہے الفاظ اس طرح ہیں کہ شمس دبیر نے سجدۂ تعظیمی بجالاکر پوچھا (الخ) اور اسی مضمون کے دوسرے کالم سطر ۳۱ میں لکھا ہے کہ جب حضرت حق نے ندائے، اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ۔ بلند کی تو تمام روحیں برابر تھیں لیکن اُس کے سنتے ہی چار صفیں ہو گئیں۔ پہلی صف نے دل و زبان سے کہا۔ بَلٰی (الخ) دوسری صف نے زبان سے نہ کہا تیسری صف نے زبان سے کہا مگر دل سے قبول نہ کیا، چوتھی صف نے نہ دل سے کہا نہ زبان سے یہ لوگ اوّل و آخر شرفِ اقرار سے محروم رہے۔ سوال یہ ہے کہ سجدۂ تعظیمی تو ہم علما سے سنتے آئے ہیں کہ حرام ہے۔ مگر بابا فرید کی محفل میں یہ حرام کام ہوتا تھا اور یہ دوسری بات بھی کبھی کسی سے نہ سنی قرآن مجید میں تو سب کے بیے ہی قَالُوْا بَلٰی ہے۔

جواب: ضیاءِ حرم رسالے کی یہ دونوں باتیں قرآن مجید حدیث پاک اور فقہ خلاف ہیں لہٰذا بالکل غلط ہیں اور ایسی باتیں لکھنا چھاپنا گمراہی پھیلانا ہے اس طرح کہ قلم کاروں پر افسوس ہے، سجدۂ تعظیمی بہت سی احادیث سے حرام ہونا ثابت اور بہت ہی صاف واضح الفاظ میں اس کی حرمت ہے۔ کسی بھی حرام چیز کو بابا فرید جیسی پاکباز ہستی کی طرف منسوب کر کے اس کو جائز نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہ دھوکہ دہی آج کل عام ہے گویا کہ خواجہ صاحب پر یہ اتہام ہے کہ وہ غیر شرعی و ناجائز

کام اپنی محفلوں میں کرتے کراتے تھے۔ خواجہ صاحب یا کوئی بھی ولی غوث قطب پیر عالم فقیہ کا کوئی بھی ذاتی عمل یا قول حدیثِ رسول اللہ کے مقابل کوئی حیثیت نہیں رکھتا نہ یہ فی الحقیقت ایسا کر سکتے ہیں۔ بلکہ یہ مدارجِ ولایت اتباعِ نبوت سے ہی تو ملتے ہیں ایک ادنیٰ مخالفت بھی ولایتِ عظمیٰ سے گرا سکتی ہے یہ روشن وجود ہستیاں تو اقوام عالم کے سامنے دلیل ہیں اس بات کی کہ دیکھو اتباعِ حدیث و سنت سے یہ مراتب حاصل ہوتے ہیں۔ سجدۂ تعظیمی ہر مسلمان چھوٹے بڑے بلکہ شریعت میں پیر و مرید پر ہمیشہ سے ہمیشہ تک حرام ہے، جواز کے قائل گمراہ لوگ جتنے بھی دلائل دیتے ہیں یا سجدۂ آدم اور سجدۂ یوسف سے استدلال کرتے ہیں وہ سب غلط اور جاہلانہ ہیں۔ رہا عالم رواح کی چار صفیں ہونا یہ بالکل ہی قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ ثُمَّ اَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ وَیُنَصِّرَانِہٖ وَیُمَجِّسَانِہٖ۔ (یعنی ہر روح جتنی بھی عالمِ ارواح میں ہیں، جب دنیا میں بچہ بن کر پیدا ہوتی ہے تو دینِ فطرت (اللہ کے دین) پر ہی پیدا ہوتی ہے، پھر اس کے ماں باپ کوئی اس کو یہودی بنالیتا ہے کوئی عیسائی مجوسی، اس حدیثِ پاک سے کتنی صاف صاف وضاحت ہوئی کہ عالم ارواح میں سب نے ہی بلیٰ کہا اور ایک طرح ایک عقیدے سے کیا۔ یہ چار صفوں والا خیال پتہ نہیں کسی گمراہ نے بنا ڈالا۔ قرآن مجید میں بھی مطلقاً تمام ارواح کا ہی ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا قَالُوْا بَلٰی (یعنی سب کی سب روحوں نے بلیٰ کہہ کر سچے ایمانی عقیدے سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ نیز

زبان اور دل کی تقسیم تو جسموں سے ہوتی ہے روحوں میں یہ تقسیم نہیں روح کی کوئی زبان نہیں نہ کوئی دل کا لوتھڑا نہ گوشت پوست کی زبان۔ مضمون کی بناوٹ کرنے والے کی عقل نے یہ تک نہ سوچا۔ نہ یہ غور کیا کہ حدیث پاک کا لفظ کُلُّ مَوْلُوْدٍ اور آیتِ پاک کا۔ قَالُوْا بَلٰی کا اطلاق کیا بتا رہا ہے اسی لیے تمام صحابہ کرام، فقہاءِ عظام نے تمام نا بالغ بچوں کو مسلمان مانا ہے۔ یہ بات کسی شرح و تفسیر میں نہیں لکھی گئی لہٰذا ان احادیث و آیات و فرمودات عظیم کے ہوتے ہوئے ڈائجسٹوں کی بات تو نہیں مانی جا سکتی۔

سوال نمبر ۱۹ :۔ اعلیٰحضرت احمد رضا خان بریلوی نے حدائقِ بخشش کی ایک نظم میں فرمایا۔ شعر۔

بیخودی میں سجدۂ در یا طواف ؛ جو کیا اچھا کیا پھر تجھ کو کیا

کیا اس شعر سے سجدۂ تعظیمی کا ثبوت نہیں ملتا اور کیا یہ بات ثابت نہیں ہوتا کہ اعلیٰحضرت کے نزدیک سجدۂ تعظیمی ہر پیر فقیر کو اور اُس کی قبر کو جائز ہے۔

جواب ا۔ اوّلاً تو میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ اعلیٰحضرت کے اس شعر میں سجدہ بھی مطلقاً ہے اور دَر بھی لہٰذا اس کو کھینچ تان کر کے پیر فقیر کا سجدہ مراد لینا کس دلیل سے ہے ؟ اور سجدہ کو صرف تعظیمی تصور کرنا کیوں، سجدۂ عبادت بھی تو مراد لیا جا سکتا ہے۔ یہ تخصیص کس دلیل سے مراد لی گئی۔ اعلیٰ حضرت کے اِس شعر کو دلیل بنا کر ہر سجدہ جائز مانو تب ہی تو شعر پر پورا عمل ہوگا۔ شعر میں تو اشارۃً بھی کوئی تخصیص نہیں

جواب دوم یہ کہ۔ اس شعر سے سجدۂ تعظیمی کا جواز ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ جواز کے قائل گمراہ گر دیر یہ کہتے ہیں کہ ہر پیر فقیر کو سجدۂ تعظیمی کرنا جائز ہے اور ہر مرید سے مثل فرعون و نمرود اپنے آپ

کو سجدہ کراتے ہیں لیکن اِس شعر میں ہر مرید کا سجدہ مراد نہیں بلکہ بیخودی یعنی دیوانگی اور پاگل پن کا سجدہ مراد ہے کہ اگر کوئی پاگل دیوانہ جو دیوانگی میں بڑھتے بڑھتے بیخودی کی حد تک پہنچ چکا ہو وہ کسی امیر فقیر یا کسی مزار کسی قبر کے دروازے پر مثلِ سجدہ گر پڑے تو اے اہلِ عقل تجھ کو کیا۔ یہ لوگ تو مرفوع القلم ہیں۔ کیونکہ پاگل، دیوانہ، مجنون، مجذوب بیخود بے عقل، بچہ، شرعًا احکامِ شریعت کے پابند نہیں ان کا کوئی بھی بے شرع اور ناجائز عمل گناہ و قابلِ گرفت نہیں نہ قابلِ سند و قابلِ تقلید ہے۔ اعلیٰحضرت رحمۃُ اللہ تعالیٰ علیہ تو دو طرفہ حضرات کے لیے ایک بہت بڑا شرعی مسئلہ بیان فرما رہے ہیں اور سائل کی اوندھی عقل نرالی دلیل بنا رہی ہے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ پاگل آدمی کسی چیز کو سجدہ کر رہا ہے یا اُس کا طوافِ عبادت کر رہا ہے تو دیکھنے والے دو قسم کے لوگ ہیں ۱۔ اہلِ شریعت ۲۔ اہلِ طریقت۔ اہلِ شریعت نے اس کو مارنا چاہا اور اہلِ طریقت نے اُس کی اِتباع و تقلید کرنی چاہی اعلیٰحضرت نے دونوں کو سختی سے منع کیا کہ ارے کم عقلو یہ تو دیوانہ پاگل بیخود ہے اس نے یہ جو کیا اچھا کیا اس پر پکڑ اور گناہ نہیں۔ مگر تجھ کو کیا، تو اسے کیوں مرنے مارنے پر تلا ہے تو تو شریعت والا ہے اور اس پر شرعی احکام شرعی پابندیاں معاف ہیں۔ اور اے اس دیوانے کی اتباع اور تقلید کرنے والا۔ جاہل آدمی بیوقوف صوفی، نادان مرید اس کے اس بے شرع حرکت سے تجھ کو کیا تو اُس کی اِتباع پر کیوں مائل ہو رہا ہے۔ اور گناہ کرنا چاہتا ہے یہ صرف اسی کے لیے معاف تھا تیرے لیے نہیں تو اگر اس کی دیکھا دیکھی یہ حرکت سجدۂ

دریا طواف کرے گا تو فاسق و فاجر جہنمی ہو جائے گا۔ سچ فرمایا گیا کہ کلام الامام امامُ الکلام۔ اعلحضرت کا یہ جامع مانع شعر سمجھنا بھی کم عقلوں کا کام نہیں۔ ایسے بیخود مجذوبین کو سبّ و شتم کے تیروں سے زخمی کرنا بھی چونکہ زیادہ تر جہلاءِ نجد و وہابیۂ زمانہ کا کام ہے اس لیے ساری نظم میں زیادہ تر خطاب نجدیوں سے ہے۔ لیکن بیٹی کام کر۔ دلہن کان کر۔ کے مصداق اپنے اندھی عقیدت والوں کو بھی منع کرنا ہے اگر دیوانوں بیخودی والوں کی ہی اتباع کرنی ہے تو پھر ان کی ہر حرکت کی کرو وہ ننگے پھریں نالیوں میں پڑیں۔ تم بھی ایسا ہی کرو۔

سوال نمبر ۲۰ :۔ ماہنامہ ضیاءِ حرم مارچ ۱۹۸۵ء صفحہ نمبر ۸۳ پر ہے کہ مولانا روم کا شعر ہے۔

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیرِ مغاں گوید ٭ کہ سالک بیخبر نبود زراہِ رسم و منزلہا

کیا واقعی یہ شعر مولانا رومی کا ہے مجھ کو مثنوی شریف میں تو نہیں ملا ہو سکتا ہے مولانا رومی کے کسی اور مجموعے کا ہو۔ اس شعر کی، بحر، قافیہ ردیف تو اشعارِ مثنوی سے نہیں ملتی۔

جواب :۔ آپ کا کہنا ٹھیک ہے واقعی یہ شعر مثنوی شریف کا نہیں ہے نہ مولانا روم کے کسی اور مجموعے کا بلکہ مولانا روم کا منظوم کلام غالباً مثنوی کے علاوہ ہے بھی کوئی نہیں۔ یہ شعر حافظ شیرازی صاحب کا ہے۔ صاحبِ مضمون کی یہ غلط نسبت اُن کی چشم پوشی ہے یا کتابت کی غلطی۔ بہرحال ماہناموں کی یہی غلطیاں اِن رسالوں کو بے اعتماد کر دیتی ہیں۔ خاص کر دینی مسائل میں تو ان پر قطعاً اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔

سوال نمبر ۲۱ :۔ ماہنامہ ضیاءِ حرم مارچ ۱۹۸۵ء صفحہ نمبر ۹۲ پر ہے کہ بیوی کا

حق مہر۔ اس کی بکریاں چرانا اور یا اس کی غیر عی طور پر کسی طرح کی خدمت کرنا بھی بن سکتا ہے۔ میں نے صاحبِ مضمون سے خود پوچھا کہ کیا یہ درست ہے تو انہوں نے اِس کو درست کہتے ہوئے اعلیٰ حضرت کے ترجمے کنزالایمان کا حوالہ دیا کہ واقعہ موسیٰ و شعیب علیہما السّلام میں۔ عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ آیت ۲۷ سورۃ قصص میں اعلیٰ حضرت نے یہی ترجمہ فرمایا ہے کہ میری بیٹی کے مہر میں تم آٹھ سال میری بکریوں کو چراؤ۔ میں یہ پڑھ کر پریشان بھی ہوا اور خاموش بھی۔ لہٰذا آپ اِس مسئلے کو حل فرمائیں۔

جواب ۱۔ یہ ترجمہ ہر اعتبار سے نامناسب ہے نہ تو قرآن مجید میں اس کی گنجائش ہے نہ یہ کسی لفظ کا ترجمہ ہو سکتا ہے مہر زوجہ کے جو اصول و ضوابط ہیں یا شرائط ہیں یہ ترجمہ اُن کے بھی خلاف علاوہ ازیں فقہ حنفی کے بھی خلاف ہے جب کہ اعلحضرت خود حنفی المسلک ہیں۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ پچھلی شریعتوں میں یا حضرت شعیب علیہ السّلام کی شریعت میں اس طرح مہر کا لینا دینا جائز یا مروّج تھا اس لیے کہ پھر اس کے ثبوت کے لیے کوئی دلیل چاہیے اور اگر ایسا ہوتا تو قرآن مجید میں ضرور کوئی وضاحت ہوتی عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ نہ ہوتا، نِیْ کی نسبت تو حضرت شعیب کی طرف ہے نہ کہ زوجہ کی طرف غرضکہ اسں ایک ذراسی چشم پوشی سے بہت سے سوال وارد ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ۱۔ عَلٰٓی اَنْ تَاْجُرَنِیْ کے لفظ میں مہر کس لفظ کا ترجمہ کیا گیا۔ عَلٰٓی اَنْ کا معنیٰ تو یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اس شرط پر نکاح کروں گا کہ تم اتنے عرصے میرے پاس رہو اور میری نوکری کرو (بکریاں چراؤ یا دیگر میرے کام کرو میری خدمت کرو) اور یہ خدمت

ہیں مفت نہیں لوں گا بلکہ تاجُر اُجرت پر کام کرو، اُجرت کچھ بھی ہو سکتی ہے
کم از کم رہائش خوراک بھی اجرت ہی میں شمار ہو گی مـ۲ مہر صرف بیوی کا حق
ہوتا ہے نہ کہ سُسر کا یا دیگر گھر والوں کا مـ۳ جس وقت حضرت شعیب یہ بات
فرما رہے ہیں اُس وقت نہ تو نکاح ہو رہا ہے اور نہ بیوی کا تعین ہی ہے
کہ کون سی بیٹی سے نکاح ہونا ہے اور یہ خدمت گزاری آج ہی سے شروع
ہے جو آٹھ سال تک رہے گی پھر نکاح اُس وقت ہو گا جس وقت یہ
خدمت ختم ہو چکی ہو گی۔ بیوی کو تو اس میں سے کچھ بھی نہ ملا۔ یہ خدمت
بھی بیوی کی نہ ہوئی جب کہ مہر کا قانون و ضابطہ یہ ہے کہ حقِ مہر بیوی
کی منگنی یعنی تعینُ کے بعد بوقت نکاح مقرر کیا جاتا ہے اور بیوی
کا ہی وہ حق ہے کسی اور کا نہیں کیونکہ وہ مِلکِ بُضعہ کا بدلہ ہے۔ مہر
نکاح کے بعد تو جب چاہے لیں دیں جو مگر نکاح سے پہلے مہر دینا
واجب نہیں اگر دے بھی دیا تو وہ امانت ہو گا نکاح سے پہلے بیوی
اس کو استعمال نہیں کر سکتی۔ یہ ہیں وہ سوالات جو اس ترجمے پر وارد
ہوتے ہیں ان کے جوابات تو وہی دے سکتا ہے جس نے یہ ترجمہ
اختراع کیا اعلیٰ حضرت تو اب موجود نہیں جو وضاحت فرمائیں۔ بہر
کیف ہم یہ ماننے پر تیار نہیں کہ یہ لفظ خود اعلیٰ حضرت نے لکھا ہو جو
سراسر فقہ حنفی کے خلاف ہے بلکہ اس طرح کا مہر تو باقی ائمہ ثلاثہ
کے بھی خلاف ہے۔ صاحبِ مضمون نے جو اِس ترجمے کے بل بوتے
پر یہ مضمون لکھ ڈالا وہ اُن کی جلد بازی ہے اور غلط سہارا ہے بہر
کیف یہ مسئلہ غلط ہے۔

سوال مـ۲۳ :- مقالاتِ کاظمی حصہ اوّل صفحہ ۲۱ پر تعارفی مضمون میں بعنوان

قاضی نجد سے گفتگو، کے تحت لکھا ہے کہ مولانا کاظمی صاحب نے اپنے عقیدے پر کہ قبرِ رسول عرشِ اعظم سے افضل ہے۔ یہ دلیل پیش کی کہ دیکھو از روئے قرآن حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ " اگر شکر کروگے تو تمہارے مراتب زیادہ کردوں گا۔ حضرتِ عیسیٰ کو رب تعالیٰ نے زیادتی دی کہ زمین سے چوتھے آسمان پر لے گیا۔ حضرت عیسیٰ وہاں بھی شکر گزار ہے۔ اب چاہیئے تھا کہ انہیں اور بلندی پر لے جاتا یہاں تک کہ عرش پر لے جاتا لیکن اللہ تعالیٰ اُنہیں حضور کے پہلو میں لائے گا معلوم ہوا کہ جو عظمت اور بلندی جوارِ مصطفیٰ میں ہے وہ عرشِ معظم کو بھی حاصل نہیں، حضرت نے جب یہ بات کی قاضی نجد دم بخود رہ گیا۔ فرمایا جائے کہ کیا یہ استدلال درست ہے اور کیا واقعی عرش سے روضہ کا مقام اعلیٰ ہے۔

جواب:۔ یہ تمام گفتگو اتنی عامیانہ اور بچگانہ ہے کہ اس کو علامہ کاظمی مدظلہٗ کی طرف منسوب کرتے ہوئے شرم آتی ہے کوئی ادنیٰ احمق طالب علم بھی ایسا استدلال نہیں کرے گا۔ رہا ایسی کمزور تنکا بات سن کر قاضی نجد کا دم بخود رہ جانا پتہ نہیں کہاں تک درست ہے اور پھر پتہ نہیں کہ اس بات کی علمیت پر دم بخود ہوا یا کمزور علمی پر کہ دیکھو اتنا بڑا وجیہ بزرگ آدمی کیسی بچگانہ اور کمزور بات کرتا ہے۔ بہر کیف یہ اُس کی ذاتی بات ہے۔ وہ بھی تو سب حُمقا ہی ہیں، وہ کون سے اتنے بڑے علم والے ہیں۔ علم و نجدیت دو متضاد چیزیں ہیں۔ ہم نے تو کاظمی صاحب کی اس دلیل پر گفتگو کرنی ہے۔ اس دلیل میں تو چشم پوشیاں ہیں

۱؎ کاظمی صاحب نے فرمایا کہ چوتھے آسمان پر حضرت عیسٰی کو پہنچایا گیا. یہ بات بھی حتمی یقینی نہیں بلکہ مسلم شریف جلد اوّل ص۹۱ بابُ الاَسرا یعنی معراج شریف کا بیان سطر ۱۲؎ مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی میں ہے کہ دوسرے آسمان پر عیسٰی علیہ السّلام ہیں. بعض لوگوں نے چوتھے آسمان کا ذکر کیا ہے مگر حدیثِ پاک میں تو دوسرا آسمان ہے. علامہ کاظمی صاحب جیسی بزرگ ہستی ایسی غیر یقینی اور غیر مستند بات کو اپنے اتنے بڑے عقیدے کی بنیاد بنائیں حیرانی ہے ۲؎ آیت لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ کا مطلب و مقصد وہ نہیں جو علّامہ نے بیان فرمایا اس سے مراد یہ نہیں کہ شکر کے بدلے مراتب بلند ہوں گے بلکہ معنیٰ ہے کہ جس نعمت پر شکر کرو گے وہ نعمت تم کو اور زیادہ دوں گا ۳؎ علامہ کاظمی صاحب نے یہ تأثر دینے کی کوشش فرمائی ہے کہ آسمانوں پر جانا مراتب کی بلندی ہے حالانکہ یہ بات نہیں ہے. کیونکہ اِس سے لازم آتا ہے کہ بقول علّامہ چوتھے آسمان سے پانچویں اور چھٹے ساتویں اور عرش کا مرتبہ زیادہ ہے اور وہاں جانا مراتب کی مزید بلندی ہے تو جو مخلوق پانچویں چھٹے آسمانوں پر ہے از قسم ملائکہ جمادات نباتات وہ حضرت عیسٰی سے افضل ہو جائیں نیز چوتھے آسمان کی مخلوق بھی حضرت عیسٰی سے افضل ہو جو کہ پہلے سے وہاں ہے ۴؎ آج بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام شکر گزار ہیں یا نہیں؛ اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو آج ہی اُن کو روضہ مبارک میں کیوں نہیں بھیجا جاتا ان کا یہ شکر کیوں ضائع ہو رہا ہے. نیز جب دنیا معلوم کب) حضرت عیسٰیؑ تشریف لائیں گے تو فوراً روضۂ پاک میں نازل نہ ہوں گے بہت مدّت تک آپ عام زمین پر تشریف فرما رہیں گے جو لازماً عرش

اعظم سے افضل نہیں ہے تو یہ زمین پر آنا شکر کا بدلہ کیسا ہوا۔ ر۵ حضرت عیسٰی علیہ السّلام روضۂ پاک میں دور ہٹ کر قبر میں استراحت فرمائیں گے اُن سے زیادہ قریب حضرت صدیق وفاروق ہیں۔ تمام علما فقہا کے مطابق وہ دور کی جگہ عرش سے افضل نہیں بلکہ خاص وہ جگہ جس سے آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جسمِ اقدس لگا ہوا ہے بس فقط وہ جگہ افضل ہے مگر حضرت عیسٰی کو اُس سے دور دفن کیا جائے گا۔ لہٰذا کاظمی صاحب کی بات نامناسب ہوگئی ر۲ کاظمی صاحب کی اِس بات میں مرتبۂ نبوّت کے خلاف بات کی جھلک ہے۔ کاظمی صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ چوتھا آسمان حضرت عیسٰی علیہ السَّلام سے افضل ہے۔ اور وہاں پہنچنے سے حضرت عیسٰی علیہ السَّلام کے مرتبے بڑھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے شکر کا بدلا ملا اور شرافت حاصل ہوئی۔ یہ بات عقیدۂ اسلام کے خلاف ہے اسلامی عقیدہ یہ ہے کہ جسمِ نبوّت تمام کائنات مخلوق سے افضل ہے۔ چوتھے آسمان کی تو حیثیت ہی کیا ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السّلام تو بذاتِ خود عرش وکرسی لوح وقلم سے بھی افضل ہیں، حضرت عیسٰی علیہ السَّلام کو چوتھے آسمان سے فضیلت وشرافت وزیادتیِ مراتب نہ ملی بلکہ جس آسمان پر رہائش تھی اُس آسمان کو حضرت مسیح کے دمُ قدمُ سے شرافت ملی۔ کاظمی صاحب کو اِس نظریہ سے رُجوع کرنا چاہیئے۔ اتنی کمزور باتوں اور قابلِ اعتراض باتوں کا تجزیہ پرچار کرنا نادانی ہے آئندہ کے لیے ایسی غلط باتیں بزرگوں کی طرف منسوب نہ کرنی چاہئیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے نادان دوست سے دانا دشمن اچھا ہے اگر چوتھے آسمان پر لے جانا شکر کا بدلہ ہے تو پھر پہلی رجعت میں ہی حضرت عیسٰی کو عرش

پر کیوں نہ پہنچایا گیا کیا آپ کا زمین پر تینتیس سالہ زندگی کا شکر ناقص تھا، عرش کے لائق نہ تھا۔ آسمانوں پر صرف حضرت مسیح کو پہنچایا گیا ان کے شکر کے بدلے تو باقی انبیاءِ کرام علیہم السلام شکر گزار نہیں یا ان کا شکر ابھی کم ہے آسمانوں پر پہنچنے کے لائق نہیں (معاذ اللہ) ۹؎ کیا صدیق و فاروق کا مرتبہ حضرت مسیح سے بڑھ کر ہے کہ پہلے سے ہی روضے میں قریب تر ہیں۔ مگر حضرت مسیح کئی ہزار سال سے شکر کر رہے ہیں مگر اس جگہ نہیں آئے جس جگہ حضرت صدیق و فاروق ہیں۔ کیا عجیب غیر مدبرانہ فکر ہے۔ خیال رہے کہ وہ جگہ جو آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر سے لگی ہوئی ہے فقط وہ جگہ عرش سے افضل ہے اسی طرح تمام انبیاءِ کرام کے مزارات کی وہ جگہ جو اُن کے اجسام سے مَس ہے اور حضرت عیسٰی علیہم السّلام کے لیے منتخب روضۂ انور کی وہ جگہ جس میں آپ مدفون ہوں گے وہ عرشِ اعظم سے افضل ہیں اور یہ افضلیت انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی وجہ سے جگہ کو ملی نہ کہ جگہ سے انبیاء کو اس کی دلیل وہ آیتِ کریمہ ہے کہ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ یعنی جس مٹی سے تم کو ہم نے پیدا کیا اسی جگہ میں دفن کر کے لوٹا دینگے تو گویا کہ اس مٹی کو جسمِ نبوّت سے شرافت و فضیلت حاصل ہوئی۔ سچ ہے یہ بات کہ اللہ تعالیٰ ہی سچی سمجھ عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے۔

سوال ۲۳: مقالاتِ کاظمی حصہ اوّل بعنوان فوائدِ حدیث میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ جامعہ اسلامیہ بہاولپور میں درسِ حدیث پاک پڑھاتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ایک تابعی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کی۔ اس پر ایک طالب علم نے سوال کیا کہ تابعی وہ ہوتا ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا ہو بلکہ صحابی کو دیکھا، تو تابعی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سے کیسے روایت کر سکتا ہے۔ علامہ کاظمی صاحب مدظلہ نے جواباً فرمایا کہ یہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک حدیث سنی بعد میں وہ العیاذ باللہ مرتد ہو گیا اور اس کے سارے عمل مع صحابیت برباد ہو گئے پھر وہ نبی کریم کے وصال کے بعد مومن بن گیا اور اس نے صحابہ کو دیکھا تو وہ تابعی ہوا اب وہ اس زبانِ اقدس سے سنی ہوئی بات کو روایت کرتا ہے تو اب یہ تابعی کی روایت حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہو گی صحابی سے نہیں سوال یہ ہے کہ کیا صحابہ مرتد ہوتے تھے اور کیا شیعہ لوگوں کا اعتراض صحابہ پر درست ہے۔ کیا یہ جواب درست ہے۔

جواب: یہ جواب مضبوط نہیں۔ یہ جواب نہیں دینا چاہیے تھا۔ اس جواب پر سائل کے خدشے کے علاوہ مزید سوالات بھی وارد ہو سکتے ہیں۔

۱ یہ کہ کیا واقعی وہ راوی اسی قسم کے تابعی تھے اس کا بھی ثبوت ضروری ہے ورنہ شیعہ لوگوں والی بات ہو گی کہ لا یعنی باتوں سے بے پر کی ہانکتے چلے جاؤ اور صحابہ پر بیجا اتہامات لگاتے چلے جاؤ۔

۲ محدثین کرام فرماتے ہیں کہ ہر تابعی کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا بلکہ بے شمار تابعین نے ایسی احادیث روایت فرمائی ہیں جن میں صحابہ کرام کا ذکر نہیں۔ محدثین نے اس روایت کا نام مُرسل حدیث رکھا ہے۔ اکابر محدثین نے تو ان کے علیحدہ باب باندھے ہیں۔ چنانچہ مراسیلِ ابو داؤد تو زمانے میں مشہور رہی جس میں بے شمار احادیث ہیں۔ کیا معاذ اللہ بقول علامہ کاظمی وہ سب اسی قسم کے تابعی تھے۔

۳ : نیز یہ کہنے کے بجائے کہ رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا اتنی دراز اور خطرناک بات کرنے کی کیا ضرورت تھی یہ بات تو دن رات ہم بھی کہتے رہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا جب ہمارا اس طرح کہنا غلط نہیں تو تابعی کے اس طرح کہنے میں اتنی بڑی سختی کیوں، ہاں اگر مختصر سا یہ جواب دیا جاتا کہ تابعی کو اگر اپنی مرویہ روایت کی صحت پر اپنے حافظے کے مطابق پورا بھروسہ ہو تو تابعی بیانِ روایت کے وقت صحابی کا ذکر چھوڑ سکتا ہے۔ یہ جواب بہتر تھا۔ علامہ کاظمی صاحب کا موجودہ فی الکتاب جواب تب درست ہوتا جب تابعی کی قسمیں پوچھی جاتیں۔ بہرحال یہ فی البدیہہ جوابات ہیں جلدی میں ایسے کمزور جواب ہو بھی جاتے ہیں مگر ان کو شائع کرنے چھاپنے کی غلطی نہیں کرنی چاہیئے ورنہ پھر اکابر پر اعتراضات کا سَدِ باب نہ ہو سکے گا۔ یہ تمام باتیں لکھ کر کاظمی صاحب مدظلہٗ کو بھیجی گئی ہیں دیکھو کیا جواب آتا ہے۔

(نوٹ) وفات شریف تک کوئی جواب نہیں آیا حالانکہ یہ تحریر دستی دی گئی تھی۔

سوال نمبر ۲۴ : یہ ایک عرس مبارک کا اشتہار ہے جس میں خواجہ پیر نظیر احمد، سرکار موہڑوی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کا اعلان ہے۔ اس میں خواجہ صاحب کا نام نظیر احمد لکھا گیا ہے۔ حالانکہ مشہور تو نذیر احمد لفظ ہے۔ کیا نظیر احمد نام لکھنا درست ہے۔ اس طرح اُس اشتہار پر چند جگہ یہ نام لکھا ہوا ہے اور اوپر ایک شعر اس طرح ہے۔

حالی وقار حضرت ہاروں رشید کی ؛ اک بے نظیر ہستی ہے موہڑہ شریف میں

یہاں اِس شعر میں بے نظیر کا معنیٰ ہے بے مثل۔ ایک عالم صاحب سے ہم نے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ کسی شخص کا نام نظیر احمد رکھنا گناہ ہے اور اشتہار میں چھاپنا یہ چھاپنے والوں کی کم علمی ہے۔ پھر ہم نے ہارون رشید صاحب مدظلہٗ سے خود پوچھا اور اُن عالم صاحب کا جواب بھی سنایا تو صرف اتنا فرمایا کہ تم لوگ مولویوں کی باتوں میں مت آیا کرو۔ اور خاموش ہو گئے لہٰذا آپ سے عرض ہے کہ آپ اِس کی وضاحت فرمائیں تاکہ ان کو دکھائی جائے۔

جواب:۔ لغت کی کتابوں میں لفظِ نظیر کا ترجمہ ہے ہم مثل، برابر مثیل۔ ہم مرتبہ (المنجد عربی) اس لحاظ سے بے نظیر کا ترجمہ ہوا بے مثل اور نظیر احمد کا ترجمہ ہوا۔ احمد کی مثل، اور مسلمان جب احمد یا محمد نام رکھتے ہیں تو نبی پاک صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نام پاک کی نسبتِ مبارکہ مراد ہوتی ہے۔ ایسا ہی یہاں ہے تو اَب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ شخص جس کا نام نظیر احمد ہے یا رکھا جا رہا ہے وہ احمد کی مثل ہے۔ اور احمد سے مراد آقاءِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہوں تو اندازہ لگاؤ کہ کسی شخص کا یہ نام رکھنا کتنا گناہ ہوا۔ علمِ نحو کی ترکیب میں اس نام کی دو طرح ترکیب ہو سکتی ہے۔ ۱۔ یہ کہ یہ جملہ اسمیہ ہے تب ترجمہ ہوگا کہ احمد نظیر والا ہے۔ یعنی مثل والا ہے بے مثل نہیں اس طرح کے اور بھی بہت سے انسان ہو سکتے ہیں یہ بات بھی گستاخ وہابی کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم کی مثل ہیں (معاذ اللہ) ۲۔ دوسری ترکیب نحوی اس طرح ہے کہ لفظِ نظیر احمد مرکّب اضافی ہو، تب ترجمہ ہوگا احمد کا نظیر یعنی احمد کا مثل مطلب وہیں جا پہنچتا ہے دونوں صورتوں میں سخت گستاخی ہے۔ اسی بات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اُن عالم

صاحب نے اس طرح نام رکھنے کو گناہ فرمایا۔ اُن کا یہ مسئلہ بالکل ٹھیک ہے اور یہی وجہ ہے آج تک کسی بھی شخص نے اپنا یا اپنے بچوں کا نام نظیر احمد نہیں رکھا۔ ہم نے پہلی دفعہ یہ غلط نام سنا ہے۔ عام طور پر نذیر احمد ذال سے نام رکھا جاتا ہے اس کی پہلی ترکیبِ صفاتی مراد ہوتی ہے اور ترجمہ ہوتا ہے احمد ڈرانیوالا۔ اب اس طرح یہ نام رکھنا جائز ہے بہر کیف یقیناً پہلے ان بزرگوں کا نام نذیر احمد ہی ہوگا بعد کے جُہلا نے غلط لکھنا شروع کر دیا۔ رہا ہارون رشید صاحب کا یہ کہنا کہ مولویوں کی باتوں میں مت آؤ یہ جذباتی بات ہوسکتی ہے یہ اُن کی قلبی بات نہیں ہے وہ خود علما کا بہت احترام کرتے ہیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

سوال نمبر ۲۵: مولانا حسن رضا خان حسن بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک شعر ہے کہ۔

عجب کرم ہے کہ خود مجرموں کے حامی ہیں ∴ گناہگاروں کی بخشش کرانے آئے ہیں

کیا یہ شعر درست ہے۔

اس میں مجرم کی حمایت کا ذکر ہے ∴ حالانکہ مجرم کی حمایت بُری چیز ہے

جواب: یہ شعر واقعی نامناسب ہے۔ یہاں اس طرح تبدیلی کی جائے عجب کرم ہے کہ خود مجرموں کے شافعی ہیں ، دوسرا مصرعہ صحیح ہے۔ مجرم کی حمایت گناہ ہے کیونکہ حمایت کا معنیٰ تائید، حوصلہ افزائی مگر شفاعت اور سفارش مجرم کی جائز اور بعض اوقات کارِ ثواب ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھیے کہ۔ ایک شخص کسی مجرم کے متعلق کہتا ہے یہ ٹھیک ہے ٹھیک ہے اِس کو چھوڑ دو۔ ایسا کہنے والا حمایتی ہے دوسرا کہتا ہے اِس کو معاف کر دو یہ شفاعتی ہے تیسرا کہتا ہے اِس کو یہ مرتبہ واپس کر دو آئندہ یہ ایسا

جرم نہ کرے گا۔ یہ سفارشی ہے دنیا میں تو تینوں کام ہوتے ہیں حمایت بھی شفاعت بھی سفارش بھی۔ لیکن آخرت میں صرف ایک ہی کام ہوگا۔ یعنی شفاعت مجرمین۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

سوال نمبر ۲۶ :۔ لاہور سے ایک ماہنامہ رسالہ نعت نکلتا ہے۔ جنوری ۱۹۸۹ء میں اس نے اپنا نمبر "لاکھوں سلام" نکالا ہے یہ ماہنامہ اطہر منزل مسجد سٹریٹ ۵ نیو شالامار کالونی ملتان روڈ لاہور سے نکلتا ہے اس کا ایڈیٹر راجہ رشید محمود ہے۔ اس ماہنامہ کے صفحہ ۳۲ پر علامہ اختر الحامدی کے مضمون میں سطر ۵ سے ۸ تک یہ عبارت لکھی ہے کہ "اس سلام کے ایک ایک شعر میں محبوب مدینہ کی ادائیں الفاظ کے موتیوں سے ایسی جڑی ہیں جسے دیکھ کر عقدِ ثریا بھی خجل ہو جائے۔ ہمیں اس عبارت کا مطلب و معنیٰ مراد سمجھ نہیں آیا عقدِ ثریا سے مصنف کی کیا مراد ہے یہ تعریفی کلمات اعلیٰحضرت بریلوی رح کے سلام "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" کے بارے ہیں :

جواب :۔ عقدِ ثریا کا معنیٰ ہے آسمان کے ستارے اور اُن کی بناوٹ و سجاوٹ ستاروں کی کہکشاں۔ مصنفِ تحریر اختر الحامدی کا مقصدِ بیان یہ ہے کہ اعلیٰحضرت احمد رضا خان بریلوی علیہ الرحمۃ نے اپنے مشہورِ زمانہ سلام میں الفاظ کے موتی اِس شاندار انداز میں جوڑے ہیں کہ آسمان کے ستارے اپنے جُڑنے پر اپنے اپنے مقام پر شرمندہ ہیں خجل فارسی کا لفظ ہے اس کا معنیٰ ہے شرمندہ۔ گویا ستاروں کی لڑیاں (قطاریں) اور اُن کی فٹنگ میں وہ سجاوٹ نہیں جو سجاوٹ اِس سلام کے لفظوں کی فٹنگ میں ہے یہ عبارت سخت ترین گستاخی بلکہ کفریہ ہے۔ اس لیے کہ ستاروں کی سجاوٹ بناوٹ لگاوٹ اور تقرّر فرمانیوالا خود خالق کائنات ربُّ العزت ہے چنانچہ

ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَلَقَدْ زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِمَصَابِیْحَ عقدِ ثریا اسی کی صنعتِ خالقیت ہے۔ یہ مذکورہ علامہ صاحب غالباً ڈاکٹر اقبال صاحب کے صحبت یافتہ ہیں کیونکہ اس طرح کی بے باکیاں نادانیاں اُن ہی کے کلام میں ملتی ہیں مثلاً ہندو نوازی میں گنگا جمنا کی لہروں کی تعریف کرتے ہوئے حوضِ کوثر کی اسی قسم کی توہین کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی سچی ہدایت دینے والا ہے۔ اُن کو آگاہ کردو تاکہ وہ دنیا میں ہی توبہ کرلیں۔

سوال ۲۷ :۔ آج ۱۲ نومبر روزنامہ جنگ لندن کے ص ۲ پر مولانا عبدالستار نیازی صاحب کا بطورِ وزیرِ مملکت برائے بلدیات ایک انٹرویو شائع ہوا ہے۔ اِس میں دو باتیں ذہن کو کھٹکتی ہیں ایک یہ کہ انہوں نے فرمایا کہ حضور اکرم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہٖ وسلم بڑے باحوصلہ اور عظیم المرتبت نبی تھے۔ ”کیا یہ“ تھے ”، کہنا بے ادبی گستاخی اور خلافِ حقیقت جھوٹ نہیں دوم یہ کہ انہوں نے کہا کہ ہم نماز میں اللہ کے ساتھ سرگوشی کرتے ہیں۔ کیا اس طرح کہنا جائز ہے۔

جواب : یہ سب باتیں نادانی اور کم عقلی کی ہیں، مولانا نیازی صاحب کے علمی مقام سے تو میں واقف نہیں البتہ اتنا جانتا ہوں دنیوی تعلیم اچھی بھلی ہے قائداعظم محمد علی جناح کے ساتھیوں تحریکِ پاکستان کے حامیوں میں سے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال صاحب کے عقیدت مندوں میں سے ہیں اِسی لیے اس طرح کی بے باکیاں چشم پوشیاں سرزد ہوتی ہیں۔ لفظ سرگوشی فارسی کا لفظ ہے اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے اس کا خالص اردو ترجمہ ہے کانا پھوسی۔ یعنی ایک دوسرے کے کان میں خفیہ راز داری کی بات کہنا۔ جو کوئی تیسرا نہ سن سکے۔ تو اب اللہ سے سرگوشی کا معنیٰ ہوا کہ اللہ کے کان میں بات کہنا۔ اور اللہ ہمارے

کان میں بات کرے ۔ یہ سراسر غیر مہذب گستاخی ہے اِسی قسم کا ایک شعر اقبالیات میں ہے جو شیطان کا تصور کرتے ہوئے لکھا گیا ہے ۔ یعنی تخیلاً ابلیس کہتا ہے ۔

دلِ یزداں میں کھٹکتا ہوں میں کانٹے کی طرح ۔ تو فقط اللہٗ اَللہٗ اَللہٗ

یزداں سے مراد اللہ تعالیٰ ہے ۔ دل میں کھٹکنے کا اردو محاورہ ہے اس کا معنیٰ یہ ہے کہ فلاں شخص مجھ کو زہر لگتا ہے ، یہ محاورہ اُس وقت بولا جاتا ہے جب کسی پر بس نہ چلے ۔ دشمن کی دشمنی سے مجبور ہو ۔ یہاں اللہ تعالیٰ کو ابلیس کے سامنے مجبور ثابت کیا گیا ۔ اور اس ذات کریم کے لیے جسمانی دِل ثابت کیا گیا ۔ یہ کتنی سخت گستاخی ہے ۔

سوال ۲۸ :- صاحب زادہ شاہ نصیر الدین صاحب گولڑوی کی کتاب نام و نسب کے ص۵۱۹ مطبوعہ گولڑہ شریف حوالہ فتوحاتِ مکیہ لکھا ہے کہ امیر معاویہ نے نمازِ عیدین کے لیے اذان اور تکبیر جاری کیں سنّتِ پاک کی مخالفت میں اور بھی بہت سی بدعات ایجاد کیں جن کو ہم یہاں ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھتے ۔ (اس پر انہوں نے حوالہ محی الدین ابن عربی کا دیا ہے ۔ کیا یہ واقعہ درست ہے ۔

قطعًا غلط حضرت امیر معاویہ خود بھی صحابیِ رسول ہیں اور کئی صحابہ سے بڑے مرتبے والے ہیں ان کی اتّباعِ سنُت تو مشہور ہے ، بھلا ایسا کیسے کر سکتے یہ حوالہ کسی شیعہ تفضیلی غالی تبرائی کی کاتبانہ حرکت ہے ، شاہ نصیر الدین نے اس بات کی تفتیش نہ فرمائی جو اہلِ علم سے حیران کن ہے صحیح واقعہ یہ ہے کہ مروان بن حکم نے یہ کام کیا تھا ۔ چنانچہ ابو داؤد شریف جلد اوّل ص۱۶۲ پر پوری روایت موجود ہے ۔ بلکہ اس کا علیحدہ باب باندھا

ہے۔ اور اذان وتکبیر نہیں بلکہ عید کا خطبہ نماز سے پہلے دیا تھا اس پر اسی وقت بر سرِ عام ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو ٹوکا روکا۔ (تو آئندہ پھر کبھی کسی عید پر ایسا نہ ہوا) میں نے آپ کی بھیجی ہوئی اس کتاب کا جگہ جگہ سے مختصراً مطالعہ کیا اچھا علمی ذخیرہ ہے مگر بعض جگہ بہت ہی سخت شرعی غلطیاں بھی کی گئی ہیں جو قابلِ گرفت ہیں مثلاً ص ۱۶۷ پر لکھتے ہیں۔

بعنوان تعظیمِ سادات کے بارے میں ایک عجیب واقعہ کہ ایک شخص علامہ شبلنجی نے اپنی کتاب نور الابصار میں لکھا کہ ایک شخص نے کسی شیعہ آدمی کے لیے کچھ رقم جو بطورِ عطیہ کسی نے دینے کے لیے اس کو دئے تھے صرف اس لیے اپنے پاس روک لیے کہ وہ شخص سخت تبرائی شیعہ تھا اور صدیق و فاروق کو سبّ وشتم (تبرّے) بولتا تھا اس کو خواب میں حضرت فاطمہ زہرا کی زیارت ہوئی خواب میں دیکھتا ہے کہ قیامت قائم ہے اور لوگ پل صراط پر سے گزر رہے ہیں جب میں گزرنے لگا تو مجھے فوراً سیدہ فاطمہ نے روک لیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے تو میں نے شکایت کی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روکنے کی وجہ پوچھی حضرت سیدۂ عالم نے عرض کی اِس نے میرے ایک بیٹے کا رزق روک رکھا ہے اس پر آنحضرت نے سیدہ فاطمہ سے فرمایا کہ اس نے تیرے بیٹے کو اس لیے رقم نہیں دی کہ یہ جناب ابوبکر و عمر کو گالیاں دیتا ہے یہ سن کر فاطمہ زہرہ نے حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم کی طرف متوجّہ ہو کر فرمایا (ہونا چاہیئے تھا عرض کیا) کیا آپ میرے بیٹے سے

مواخذہ کریں گے تو دونوں حضرات نے فرمایا نہیں بلکہ ہم نے اُسے معاف کیا۔ یہ تھا ایک خواب کا قصہ (معاذ اللہ)، شبلنجی تو پتہ نہیں کون شخص تھا شیعہ تھا کہ سُنی حیرانی اس کتاب کے مصنّف پر ہوتی ہے جنہوں نے اس خواب کی تردید کرنے کی بجائے اِس کِذب بیانی کی تائید وحمایت کر کے اپنی کم ذہنی کے ثبوت کے علاوہ حضرت فاطمہ زہرہ جیسی مقدّس ہستی کو بھی شیعہ نوازی میں ملوّث کر دیا۔ اس کتاب میں بہت سے اُلجھے ہوئے مسائل کو بڑی علمی قابلیت اور خوش اسلوبی سے حل کیا گیا مگر یہاں آ کر ساری علمی فکری قابلیت ایک دم خاموش ہے۔ اس جھوٹے خواب سے خود مصنف کے دین وایمان میں جو انتشار پیدا ہو سکتا ہے۔ اور اپنوں پرایوں کے دل میں جو شکوک وشبہات اُبھریں گے وہ بھی دور نہیں کئے جا سکتے۔

۱۔ فاطمہ زہرا کو کیا قرآنِ مجید کی ایک آیت یاد نہیں تھی کہ نوح علیہ السّلام کا بیٹا کنعان چونکہ کافر تھا اس لیے اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ بن گیا یعنی اگر کوئی بیٹا کافر ہو جائے تو وہ بیٹا اور کوئی رشتے دار نہیں رہتا شیعہ لوگ تو تبرّوں کے علاوہ منکرینِ قرآن بھی ہیں اور جبرئیل اَمین کو بھول کر وحی لانے والا کہتے ہیں علی شیرِ خدا کرّم اللہ وجہہ کو نبی کریم سے افضل قرار دیتے ہیں۔ (معاذ اللہ) کیا ان کفریات کے باوجود وہ پھر بھی بیٹا ہی رہا۔ ۲۔ ادھر تو فاطمہ زہرا نے اس کو روک دیا مگر اس شیعہ سے بھی توبہ کروائی؟ یا اُسے تا عمر تبرّا بولنے کی کھُلی چھٹی دیدی کہ جا بیٹا تجھے عام اجازت ہے کہ تو جسے چاہے کھُلے عام گالیاں دیتا پھر۔ ۳۔ صدیق وفاروق سے معافی دلوا دی مگر شیعہ بیٹے سے بھی توبہ کروائی کہ نہیں معافی تو توبہ کرنے کے بعد ہوتی ہے ۴۔ اِدھر تو

فاطمہ زہرا کو پتہ لگ گیا کہ اس نے پیسے روکے ہیں مگر وہ شیعہ نہ جانے کب سے تبرے بک رہا تھا اُس کا پتہ نہ لگا اور اس سے پیار کرتی رہیں یا کہ اُس کے تبرّا بازی سے راضی تھیں اور جرم سے راضی ہونے والا تو شریک مجرم ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ تو کیا فاطمہ زہرا کو اس تبرّا بازی میں شامل مانو گے (معاذ اللہ)، یہ شیعہ ہونے سے فاطمہ زہرا کا بیٹا ہونا کیسے ثابت ہوا! بیٹا تو صرف سید ہو سکتا ہے جب کہ شیعہ تو بہت سی دوسری قومیں بھی ہیں۔ بلکہ میں نے دیکھا ہے سادات شیعہ تبرّا نہیں کرتے تبرّا بازی تو صرف میراثی وغیرہ نیچ اور جاہل لوگ کرتے ہیں پڑھے لکھے شیعہ لوگ تبرّا بازی سے نفرت کرتے ہیں۔ بہر کیف یہ خواب بالکل جھوٹی ہے صرف شیعہ تحفظ کے لیے بنائی گئی ہے نور الابصار کا مصنف شبلنجی مصر کا ایک غالی تبرائی شیعہ رافضی تھا۔ اکثر لوگ شیعہ اسی کی اس کتاب کا حوالہ دیتے ہیں۔

اہلِ سنّت کو ایسی جھوٹی باتوں سے شیعہ نوازی کرنی حماقت ہے مشکوٰۃ شریف باب التصاویر کی حدیث پاک میں جھوٹی خوابیں بتلانے والوں کی سخت مذمّت کی گئی ہے اور ان کے لیے وعیدِ جہنّم ہے۔

درود تاج شریف پر چند جاہلانہ اعتراض اور ان کے جوابات

سوال نمبر ۲۹: یہ ایک دو ورقی رسالہ ہے جو کسی مولوی جعفر شاہ پھلواروی وہابی صاحب نے لکھا ہے، درود تاج شریف پر کچھ اعتراض کئے ہیں

اور کہتا ہے کہ یہ درود تاج شریف غلط ہے۔ ایک مولانا صاحب کو میں نے دکھایا اور عرض کیا کہ اس کا جواب دیا جائے انہوں پڑھ کر فرمایا یہ کہ کوئی بالکل جاہل انسان ہے اس لیے گستاخ بھی ہے بد تہذیب بھی ایک اور صاحب کو دکھایا تو وہ کہنے لگے کہ یہ وہابی ہے اور ہر وہابی کی طرح یہ بھی جاہل ہے۔ ہم اس کی جہالتوں کا کیا جواب دے سکتے ہیں جوابِ جاہلاں باشد خموشی۔ مگر وہابی اس کو ایک دلیل بنا کر لئے پھرتے ہیں اس لیے اس کا منہ توڑ جواب ضروری ہے۔ ہمیں ایک بہت معتبر شخص نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔

جواب:- لاؤ دکھاؤ کیسا پمفلٹ ہے۔ (چند منٹ میں سارا پڑھنے کے بعد) واقعی یہ اعتراض تو نہایت کمزور ہیں ایسی کمزوری کو تو ایک عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے بہر کیف آپ مجھے ایک ایک اعتراض سناتے جائیں اور جو میں جواب دوں وہ لکھتے جائیں اور جا کر گستاخوں کو دکھائیں۔ بحمدہٖ تعالیٰ درود تاج شریف تو اس وقت عرب و عجم میں پڑھا جا رہا ہے مشہورِ عالم ہے ہر مسلمان اس کا فیض پا رہا ہے۔ اس پر اعتراض کرنا چاند پر تھوکنے کی مثل ہے کہ لوٹ کر اسکے ہی منہ پر پڑتا ہے جو تھوکے۔

سوال نمبر ۱:- پہلا اعتراض صفحہ ۲ پر لکھتا ہے کہ یہ شعر خطائے بزرگاں گرفتن خطاست۔ اصلاً اس طرح ہے کہ۔

خطائے بزرگاں گرفتن خطاست ∴ خطا را خطائے نہ گفتن خطاست
خطا را خطا گر شمردی رواست ∴ چو گفتی خطا را درستی خطاست

جواب:- اگر اسی طرح شعر بنانے ہیں تو پھر ہماری طرف سے یہ شعر شامل کر دیا جائے۔

حماقت بُوَد گر تو گفتی خطا است ∴ کہ جہل است گفتن صحیح را خطا است

سوال نمبر ۳۱، ص۲ پہ ہی آگے لکھتا ہے کہ درود تاج کے بعض مقامات مجھ کو کھٹکتے ہیں علماءِ کرام سے کچھ طالب انعلمانہ استفسار کرنے کی جسارت کر رہا ہوں اپنی بے علمی بے بضاعتی کا مجھے اقرار بھی ہے اور پورا احساس بھی بہر حال وہ شکوک یہ ہیں۔ آگے وہ اپنے شکوک نمبروار درج کرتا ہے

جواب:۔ یہ بات اُس نے سچی لکھی ہے واقعی بے علمی اور بے بضاعتی جہالت کی حد تک ہر ہر سطر سے ظاہر ہے اور علمی عقلی باتیں اس وقت کسی کو کھٹکتی ہیں جب علم نہ ہو مگر علم کا دعویدار یا صاحبِ قلم بننے کی جرأت کرے، جب اِس کو اپنی بے علمی کا اتنا ہی احساس تھا تو یہ شکوک چھاپنے سے پہلے علما کی خدمت میں حاضری دیتا جو وہ فرماتے اس کو بھی چھاپتا اور اُن علما کا نام پتہ بھی شائع کرتا تاکہ اگر کوئی اِس کے حق میں جواب دیتا تو اُس عالِم کی خبر لی جاتی۔ بغیر علما سے پوچھے ہوئے اپنے شکوک شائع کر دینے یہ مزید غلطی در غلطی ہے۔

سوال نمبر ۳۲:۔ اسی ص۲ پر لکھا ہے عربی میں مشفوع اُسے کہتے ہیں جو مجنون ہو یا اُسے نظرِ بد لگی ہو یا وہ طاق جسے جفت کیا گیا ہو۔ یہ سارے معنیٰ یہاں (درود تاج میں) بے محل ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ مُشَفُوعٌ لہٗ ہو لیکن یہاں یہ معنیٰ لینا بھی صحیح نہیں۔ آنحضور تو شافع ہیں، شفیع اور مشفع ہیں یعنی شفاعت کرنے والے اور مقبول الشفاعت تو ہیں مشفوعٌ لہٗ نہیں۔ نعوذ باللہ حضور کی کون شفاعت کر سکتا ہے۔

جواب:۔ یہ بھی قیامت کی نشانی ہے کہ ایسے بے علم جاہل لوگ اہلِ قلم بن گئے۔ خیال رہے کہ کسی بھی اہلِ لغت نے مشفوعٌ کا معنیٰ مجنون نہیں کیا اور نہ ہی نظرِ بد والا کیا۔ بجز المنجد کے۔ اور اُسنے بھی یہ معنیٰ کر کے

علم لغت سے اپنی جہالت کا ثبوت دیا لغت بھی اندھے قدم نہیں اٹھاتی وہ بھی کسی اصول وقانون کے تحت کسی وجہ اور ربط سے ترجمہ کرتی ہے کیونکہ ہر زبان کی لغت اہلِ زبان کی اُن اِصطلاحات و محاوروں سے بنتی ہے جو اُن میں استعمال ہوتے ہوں۔ میں نے بہت سے اہلِ عرب سے مُشَفُوْعٌ کا معنیٰ پوچھا تو انہوں نے اس کے صرف دو معنیٰ بتائے ۱۔ شفاعت کیا ہوا ۲۔ مشفَّعہ کیا ہوا پہلے معنیٰ کا تعلق کسی کی ذات سے ہے کیونکہ اِس سے مراد سفارش کرنا یا کسی کی سفارش ہونا جو سفارش کرے وہ شافِع جس کی کرے وہ مشفوع۔ لیکن شُفعہ کا تعلق اسم اور نام سے ہے۔ خواہ وہ کسی حق سے ہو یا حقیقت سے۔ اگر حقِّ شفعہ مراد لیا جائے تو نسبتِ قُرب ضروری ہے جو صرف پڑوسی کو حاصل ہوتی ہے۔ اگر حقیقی شفعہ مراد لیا جائے تو وہ اسم کی وصلیت سے ہوتا ہے، یعنی ایک کے ساتھ دوسرا جوڑ دیا جائے اور اُس وتر کو شفعہ بنا دیا جائے یہ دو معنیٰ اس لیے کئے گئے ہیں کہ لفظ مَشْفُوْعٌ یا شَفْعٌ سے مشتق ہے یا شُفْعٌ سے شَفَعٌ کا معنیٰ شفارش کرنا، اور شُفْعٌ کے معنیٰ جوڑنا، قریب کرنا شُفعہ بنانا درود تاج شریف کے مرتب علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے۔ اِسْمُہٗ مَشْفُوْعٌ نہ کہ ذَاتُہٗ مَشْفُوْعٌ، کتنی واضح اور صاف بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا اسم پاک مَشْفُوْعٌ ہے اللہ تعالیٰ کے اسم پاک کے ساتھ یہ صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصی شان ہے کہ آپ کا اسم مبارک باری تعالیٰ کے اسم اقدس کے ساتھ مشفوع ہو گیا۔ اذان میں تکبیر میں نماز میں۔ کلمہ طیبہ میں۔ یہ بات کسی اور نبی رسول مرسل کو حاصل نہیں

نہ کسی دین میں اُس نبی کے نام کا کلمہ جاری ہوا علیہم الصلوٰۃ والسلام۔

سوال نمبر ۳۲: مصنّف ایک اعتراض یہ کرتا ہے کہ درودِ تاج میں لکھا ہے کہ مَنْقُوْشٌ فِی اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ۔ مَنْقُوْشٌ فِی اللَّوْحِ ہوتا تو سمجھ میں آتا ہے۔ لیکن منقوش فِی الْقَلَمِ ہونا نرالی سی بات ہے۔ اگر مَنْقُوْشٌ فِی اللَّوْحِ بِالْقَلَمِ ہوتا تو پھر بھی بات واضح ہو جاتی۔

جوابات ۱: یہ سب سوالات اُسی وقت ذھن میں ابھرتے ہیں جب دل سے احترامِ نبوت ختم ہو جاتا ہے اور انسان انبیاءِ کرام علیہم السلام جیسی بے مثل ہستیوں کو اپنے جیسا سمجھنے لگتا ہے جب کسی آدمی میں جہالت کی یہ بیماری پیدا ہو جاتی ہے تو اُس کو انتہائی آسان بات بھی سمجھ نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ان شیطانی بیماریوں سے بچائے معترض بھی اس ابلیسی جال میں پھنسا ہوا ہے اسی لیے وہ سمجھ ہی نہ سکا کہ امام شاذلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس درودِ تاج میں احادیث کے کس مضمون کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ یہ یاد رہے کہ لوحِ محفوظ میں نام لکھا ہونا کوئی خصوصی شان نہیں، وہ تو ہر انسان اچھے برے کا نام نسل اصل فرع کا تذکرہ لکھا ہوا ہے لوحِ محفوظ میں تو ماؤشما کے اعمال نامے بھی لکھے ہوئے ہیں اور برابر روز لکھے جا رہے ہیں، درودِ تاج میں اس کے ذکر کی ضرورت کیا تھی مصنف علام علیہ الرحمۃ نے وَالْقَلَمِ کہہ کر یہ بتایا ہے کہ لوح وقلم میں نام نہیں بلکہ لوح وقلم پر نام ہے، یہاں فِی بمعنیٰ عَلٰی ہے۔ جیسے کہ قرآن مجید کی آیت فِی جُذُوْعِ النَّخْلِ میں فی بمعنیٰ علیٰ ہے اسی طرح یہاں بھی۔ اور کسی چیز پر نام لکھا ہونا اُس کی ملکیت کو ثابت کرتا ہے۔ میرے قلم میری گھڑی، میرے مکان پر میرا ہی نام لکھا ہوگا، تو لوح وقلم جنت

کے اوپر، جنت کے درختوں محلوں مکانوں، عرش و کرسی پر رب نے اپنے پیارے محبوب آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام لکھ کر کائنات عالم کو بتا دیا کہ خالقِ کل نے آپ کو مالکِ کل بنایا۔ اور صاحبِ درود تاج نے علی نہ لکھا کہ دنیا کو معلوم ہو جائے۔ کہ لوح قلم پر آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام علی کی مثل نہیں لکھا۔ بلکہ حق کی طرح گڑھا ہوا لکھا ہے، صرف اوپر اوپر ہی نہیں، اوپر لکھا ہوا مٹایا جا سکتا ہے لیکن کندہ کیا ہوا کھود کر گودہ کر لکھا ہوا ہمیشہ رہتا ہے نہ مٹے نہ مٹایا جا سکے۔

سوال نمبر ۲۲:۔ درود تاج شریف پر تیسرا اعتراض یہ کرتا ہے کہ درود تاج میں ہے۔ سِدْرَۃُ الْمُنْتَہٰی مَقَامُہٗ حالانکہ سدرۃ المنتہٰی حضرت جبرئیل کا مقام ہے۔ جہاں جا کر وہ ٹھہر گئے اور آگے نہ جا سکے آنحضور کی یہ گزر گاہ تھی۔ مقام نہ تھا۔

جواب:۔ بیچارے معترض کو کیا پتہ کہ علم اور علمی تحقیق و معلومات کیا ہوتی ہیں۔ اس بے چارے کو تو یہ بھی پتہ نہیں کہ مقام اور منتہٰی۔ اور راہ گزر میں فرق کیا ہے۔ قرآنِ مجید احادیث پاک سے کہیں ثابت نہیں کہ سدرہ وَ سدرۃُ المنتہٰی جبرئیل کا مقام ہے۔ عربی لغت کے اعتبار سے مقام وہ ہے جہاں سے کسی کی چلنے اور سفر و سیاحت کی ابتدا ہوتی ہے ایک وقت وہ تھا جب آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مقام مکہ مکرمہ تھا، پھر ایک وقت وہ آیا جب آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مقام مدینہ منورہ ہوا۔ امام شاذلی درود تاج میں فرما رہے ہیں۔ ان دونوں سے پہلے آپ کا مقام سدرۃ المنتہٰی تھا جس کا ذکر کنز

نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَآءِ۔ والی حدیثِ مشہورہ مقدسہ میں ہوا۔ معراج میں بھی آپ کا مقام سدرۃ المنتہٰی ہی ہے۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے یہاں تک پہنچنے کو اَسْرٰی فرمایا اَسْفَرَنَہ فرمایا۔ سیر اپنی ملکیت اپنے مقام میں ہوتی ہے۔ اور جب اپنے مقام سے کوئی نکلے تو سفر شروع ہوتا ہے۔ سیرِ معراج مکہ مکرمہ سے مسجدِ اقصیٰ تک اور مسجدِ اقصیٰ سے سدرۃ المنتہٰی تک، یہاں تک تو دیدارِ آیات کرایا گیا۔ سفرِ معراج تو سدرۃ المنتہٰی سے اب شروع ہو رہا ہے۔ گویا کہ سیرِ معراج میں دیدارِ آیات ہوا اور سفرِ معراج میں دیدارِ ذات ہوا۔ سدرہ۔ جبرئیل کا مقام نہیں۔ جبرئیل کا منتہا ہے۔ جہاں جبریل کی قوت طاقت رفتار کی انتہا ہے وہاں سے آقا مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ابتدا ہوتی ہے یہاں تک تو براق کی طاقتِ رفتار تھی۔ مصطفیٰ کی طاقتِ رفتار کی تو ابتدا اَب ہو رہی ہے۔ اُدْنُ مِنِّیْ کی صدائیں تو یہاں سے شروع ہونے والی ہیں۔ مگر یہ بات تو اہلِ علم پر ہی آشکارا ہو سکتی ہے، دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے اسی لیے فرمایا گیا کہ سدرۃ المنتہٰی جو ساری مخلوق اور جبرئیل کا منتہٰی ہے نبی کریم کا مقام ہے سدرہ کے پاس ہی جنت ہے اور جنت تک تو نمازِ کسوف میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ہاتھ بھی پہنچ جاتا ہے۔ اس لیے یہ مقامِ مصطفیٰ ہی ہے۔ نہ کہ مقامِ جبرئیل مقام ہوتا ہی وہ ہے جہاں سے ابتدا ہو۔ یہ راہ گزر نہیں یہاں سے قدمِ مصطفیٰ کی ابتدا ہے۔ ابتدا کو راہگزر کہنا جہالت ہے۔ قرآنِ مجید میں لفظِ مقام سترہ جگہ آیا ہے اور نو معنیٰ میں استعمال ہوا ہے ۱ قدم رکھنے کی جگہ جیسے مقامِ ابراہیم کا پتھر ۲ درجہ مرتبہ ۳ حاضریِ بارگاہ ذیشان

وشوکت کا ٹھکانہ یا رہائش کی عام جگہ کا مصدر میمی ہے یعنی کھڑا ہونا یا بیٹھنے کی جگہ۔ معنیٰ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہاں آکر براق و رفرف سے اتر پڑے یہاں آپ کے قدم لگے اور پیدل معراج حاضریِ بارگاہ شروع ہوئی۔ یہ فرق ہے خلیل اور حبیب میں کہ خلیل کا مقام وہ پتھر ہے حبیب کا مقام سدرۃُ المنتہیٰ ہے۔

سوال نمبر ۲۵: معترض، مولوی پھلپھری تیسرا اعتراض اس طرح لکھتا ہے کہ درود تاج میں آگے لکھا ہے۔ قَابَ قَوْسَيْنِ مَطْلُوْبُهٗ وَ الْمَطْلُوْبُ مَقْصُوْدُهٗ وَ الْمَقْصُوْدُ مَوْجُوْدُهٗ۔ قَابَ قَوْسَيْنِ کو حضور کا مطلوب ومقصود قرار دینا اُس وقت تک محلِ نظر رہے گا جب تک کتابُ اللہ اور سنتِ رسولُ اللہ سے اِس کی تصدیق نہ ہو جائے علاوہ ازیں یہ پوری عبارت ہی عجمی قسم کی عربی عبارت ہے۔ مَوْجُوْدُهٗ کی ترکیبِ اضافی کچھ عجیب سی ہے۔ مقصود اس کا موجود ہے۔ کیا مطلب ہوا؟

جواب: مطلب تو اس کا بہت آسان ہے اگر کسی کو جاہلانہ مخالفانہ ذہنیت سے سمجھ نہ آئے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ قَابَ قَوْسَيْنِ تک پہنچنا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مقصودِ معراج تھا اس کا ثبوت یہ کہ قرآن مجید میں اس کو معراج کی انتہا بنایا گیا آپ اِسی نعمت کی طلب لئے ہوئے قدمِ شوق سے یہاں تک آئے اور جس کی طلب ہوتی ہے وہی مطلوب ہوتا ہے۔ یہ مطلوب تھا اور اسی کا قصد کر کے سفرِ معراج فرمایا تو آپ کا مقصد ہی آپ کا مطلوب کو پا لینا تھا۔ اور آپ اپنے مقصود پانے میں ناکام نہ رہے بلکہ وَالْمَقْصُوْدُ مَوْجُوْدُهٗ۔ آپ کا مقصد مدعا آپ کا پایا ہوا ہوگیا۔ بخلاف حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے جب اُن کی طور پر

تیسری حاضری ہوئی تو اُن کا قصد وارادہ ہوا۔ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ (اعراف آیت ۱۴۳) اے میرے رب مجھ کو اپنا دیدار کرا کہ میں تیری طرف دیکھوں۔ اسی قصد کی طلب لے کر طور پر گئے تو دیدارِ الٰہی آپ کا مطلوب تھا وَالْمَطْلُوْبُ مَقْصُوْدُہٗ اور یہی مطلوب موسیٰ علیہ السلام کا مقصود تھا۔ مگر جب قَالَ لَنْ تَرٰنِیْ کا جواب آیا تم نہیں دیکھ سکتے۔ تو وَالْمَقْصُوْدُ مَوْجُوْدُہٗ نہ ہوا۔ یعنی موسیٰ علیہ السّلام کا مقصود پایا ہوا، نہ ہوا، لفظِ مَوْجُوْدٌ اسم مفعول ہے جس کا ترجمہ ہے۔ پایا ہوا۔ اور ہٗ ضمیر کا مرجع ذاتِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔ اب اس عبارت کا معنیٰ نحوی ترکیب لسانی کے اعتبار سے بالکل صاف ہو گیا کہ قابَ قَوْسَیْنِ تک پہنچنا آپ کا مطلوب تھا اور یہی مطلوب آپ کا مقصود تھا۔ اور آپ کا مقصود آپ کا پایا ہوا ہو گیا۔

سوال ۳۶:۔ یہ وہابی مولوی چوتھا اعتراض درود تاج شریف پر اس طرح کرتا ہے کہ آگے ہے اَنِیْسِ الْغَرِیْبِیْنَ کسی عربی دان کو نہیں معلوم کہ غریب کی جمع غُرَبَاءُ ہے نہ کہ غَرِیْبِیْنَ۔ آگے خود ہی اُس درود کے مصنف نے مُحِبِّ الْفُقَرَآءِ وَالْغُرَبَآءِ وَالْمَسَاکِیْنِ لکھا ہے۔ اس کے علاوہ دونوں جگہ لفظِ غُرَبَا کا مفہوم وہ لیا گیا جو ہماری اُردو زبان میں ہے یعنی محتاج بے مایہ حالانکہ یہ لفظ عربی زبان میں عجیب اور نادر کے لیے آتا ہے یا پردیسی کے معنیٰ میں۔ ہم بولتے ہیں عجیب وغریب یا غریبُ الوطن۔ ہم اُردو میں غریب بمعنیٰ حاجت مند اور امیر بمعنیٰ دولت مند بول سکتے ہیں۔ لیکن عربی زبان میں یہ مفہوم ہی نہیں یہ تھا اس معترض کا چوتھا اعتراض۔

جواب ۱، ہم نے وہابیوں میں بڑے بڑے کم عقل اور نادان دیکھے اور سنے ہیں مگر یہ وہابی صاحب سب سے نمبر زیادہ لے گئے جس بیچارے کو نہ قرآن مجید کا پتہ نہ احادیث کا وہ بھی ان لوگوں میں اہلِ قلم بن بیٹھے ہیں۔ یہ اعتراض دراصل دو اعتراض ہیں ایک لفظ غریب کی جمع پر اور ایک لفظِ غریب کے معنیٰ پر اور دونوں ہی احمقانہ ہیں۔ پہلا تو اس لیے کہ لفظِ غریب کی جمع غَرِیْبِیْنَ جمع مذکر سالم بھی اہلِ عرب میں مستعمل ہے اگرچہ کثرت استعمال نہیں۔ نیز اعتراض تب درست تھا جب کہ اس جمع کی ممانعت ثابت ہوتی یہ معترض پر فرض تھا کہ اس نفرت کو حماقت سے بچانے کے لیے ممانعت کا کوئی قول باحوالہ نقل کرتا۔ بستر میں لیٹے لیٹے ایسے فضول اعتراض کرنا تو بڑا آسان ہے۔ اور پھر تعجب خیز جاہلانہ جرأت تو یہ ہے کہ خود معترض عجمی گنوار ہے اور اعتراض کرتا ہے اہلِ عرب امام شاذلی مصری پر حالانکہ اہلِ زبان کی بات تو دوسروں کے لیے سند و دلیل ہوتی ہے اور جب خود اہلِ عرب کسی بات میں اختلاف کریں تو اُس زبان کے شاعر کا کلام دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا۔ ان دونوں باتوں کے علاوہ اگر کوئی اعتراض کرے تو وہ معترض کے منہ پر مار دیا جاتا ہے، درودِ تاج شریف کی یہ عبارت اَلنَّبِیِّ الْغَرِیْبِیْنَ تو اہلِ عجم کے لیے اس بات کی دلیل ہے کہ غریب کی جمع مذکر سالم بھی ہوتی ہے۔ جیسے کہ عالم کی جمع عُلَمَا بھی ہے عالِمِیْنَ بھی۔ نبی کی اَنْبِیَا بھی نَبِیِّیْنَ بھی۔ وغیرہ وغیرہ ایسے بہت سے صفت مشبّہ الفاظ عربی میں موجود ہیں جن کی جمع تکسیر بھی ہوتی ہے اور جمع سالم بھی تو پھر غریب کی جمع سالم پر اعتراض کیوں! جب

کہیں سے ممانعت بھی ثابت نہ ہو۔ جب کریم رحیم کی جمع کَرِیْمِیْن رَحِیْمِیْن جائز تو غریب کی جمع غَرِیْبِیْن کیوں ناجائز ہو گی۔ خود امام شاذلی کی اس دلیل کے علاوہ مجھ کو ایک صاحب نے غالباً سبعہ معلقہ کا ایک شعر سنایا۔

جَلِیْسُ الْمَرْءِ مِثْلُہٗ فِی الْمَجَالِسْ ∴ زَمِیْلُ الْمُبْخِلِ مِثْلُ الْغَرِیْبِیْنَ۔

ترجمہ: یعنی ہر شخص پر صحبت کا اثر چڑھ جاتا ہے وہ مجلسوں میں اپنے ساتھی کی مثل لگتا ہے۔ بخیل کا ہم نشین غریبوں کی ہی مشابہ لگتا ہے۔

دوسرا اعتراض اس لیے غلط ہے کہ غریب کا اصل اور حقیقی معنیٰ عرب میں محتاج کے لیے ہی استعمال ہوتا۔ مسافر کو مجازاً غریب کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ بحالتِ سفر محتاج و مسکین ہی ہوتا ہے وطن اور دوستوں سے دور۔ بے بس بے کس ہوتا ہے اسی لیے مسافر پر زکوٰۃ لگ جاتی ہے اگرچہ گھر وطن میں کتنا ہی امیر ہو مگر سفر کی محتاجی میں زکوٰۃ لے کر استعمال کر سکتا ہے عجیب اور انوکھی چیز کو بھی مجازاً غریب کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی ہر چیز سے الگ تھلگ ہوتی ہے۔ نیز اس کی جمع غرائب ہوتی ہے نہ کہ غُرَبا۔ اَصلاً لفظِ غریب محتاج و مسکین کے لیے ہی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔ بَدَأَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ کَمَا بَدَأَ غَرِیْبًا فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ۔ ترجمہ دینِ اسلام غریبوں سے شروع ہوا اور عنقریب سب میں پھر پھرا کر لوٹے گا غریبوں میں ہی جیسے کہ شروع ہوا پس غریبوں کو مبارک ہو یہ حدیثِ پاک مسلم شریف کتاب الایمان حدیث ۲۳۲ ترمذی کتاب الایمان۔ ابن ماجہ کتاب الفتن دارمی کتاب الایمان، مسند احمد بن

حنبل جلد اوّل میں حدیث ۱۸۴ اور ۲۹۸ جلد دوم میں حدیث ۱۴۷ اور ۲۲۲ اور جلد چہارم میں حدیث ۴۲۳ منقول ہے یہاں غریب و غُرَبَاء سے مراد محتاج فقرا مسلمان ہیں نہ کہ مسافر لوگ۔ نیز مسند احمد حنبل جلد پنجم حدیث ۲۲۳ ہے کہ وَمَعَکَ اَصحَابٌ لَکَ غُرَبَاءُ ذُوُو حَاجَۃٍ۔ یعنی غُرَبَا سے حاجت والے فقرا لوگ مراد ہوتے ہیں۔ کیا معترض کو یہ حدیثیں نظر نہ آئیں۔ حقیقی اور مجازی معنیٰ میں لفظ استعمال کرنے کا قانون و پہچان یہ ہے کہ حقیقی معنیٰ بولنا ہو تو کسی قید کی یا نسبت و اضافت کی ضرورت نہیں جب کبھی کسی عبارت میں لفظ مطلق لکھا ہوگا تو حقیقی معنیٰ مراد ہوگا۔ جیسا کہ یہاں اس حدیثِ مبارکہ میں۔ قَطُوبیٰ لِلغُرَبَآءِ اور جب کبھی کسی لفظ کا مجازی معنیٰ مراد لیا جائے گا تو اُس کو مقید کر کے لکھنا لازم ہے مثلاً۔ سیف کا حقیقی معنیٰ لوہے کی تلوار۔ اسی طرح لفظِ اَسد کا حقیقی جنگل کا درندہ جانور شیر، جب اس کو مجازی معنیٰ میں استعمال کیا جائے گا تو سیفُ اللہ۔ اسدَ اللہ کہا جائے گا۔ یہ اضافت شرط ہے۔ اسی طرح جب غریب سے مراد مسافر لیا جائے گا، تو غریب الوطن کہا جائے گا نہ کہ فقط، غریب لہٰذا اَنیسِ الغریبینَ میں چونکہ لفظِ غریبین مطلق بغیر اضافت ہے اس لیے یہاں حقیقی معنیٰ یعنی فقیر محتاج لیا جائے گا۔ جاہل معترض کو نہ حدیث کا پتہ نہ علم ادب سے واقفی نہ قانونِ نحو کی معلومات اور چلے ہیں اعتراض کرنے درود تاج مقدس پر۔ میں تو اُن دیگر وہابیوں پر افسوس کرتا ہوں جو صرف نبی دشمنی میں ایسے جُہلاءِ زمانہ کے بھی ہم نوا بن جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو سمجھے۔

سوال نمبر ۳:۔ معترض پھلبھروی پانچواں اعتراض یہ کرتا ہے کہ درود تاج میں آگیا ہے راحتِ العاشقین، محبّت ایک لطیف میلانِ قلب کا نام ہے۔ مگر عشق محض زورِ گندم ہوتا ہے جس کا سارا تعلق حسن و شباب سے ہے۔ مولانا رومی نے صحیح کہا ہے ؎

عشقِ نبُوَد ایں کہ در مردُم بُوَد ؛ ایں خمار از خوردنِ گندم بُوَد

لفظِ عشق اتنا گرا ہوا گھٹیا اور کثیف لفظ ہے کہ قرآن اور احادیثِ صحیحہ نے اِس لفظ کے استعمال سے مکمل احتراز کیا ہے۔ انسان کو اپنے والدین سے بھائی بہن سے دختر و فرزند سے کمال درجے کی محبت تو ہوسکتی ہے اور ہوتی ہے لیکن ان میں سے کسی ایک سے بھی عشق نہ ہوتا ہے نہ ہوسکتا ہے۔ آنحضور کو معشوق کہنا انتہائی بدتمیزی ہے۔ پس جب حضور معشوق نہیں تو راحت العاشقین نہیں۔ محبّت مطلوب ہے عشق مطلوب نہیں، محبّت کو بقا ہوتی ہے عشق فانی ہے۔ عشق اسی وقت تک باقی رہتا ہے جب تک حُسن و شباب کے تقاضے باقی ہیں۔ اُردو فارسی میں تو ہم لفظِ عشق کو کمال محبت لگن اور قوّت محرکہ کے معنوں میں لے سکتے۔ رومی و اقبال نے انہی معنوں میں بے شمار جگہ استعمال کیا ہے۔ لیکن یہ مفہوم صدیوں کے بعد کی عجمی پیداوار ہے۔ عربی زبان میں یہ مفہوم نہیں درود تاج عربی میں ہے عربی میں جس طرح غریب بمعنٰی محتاج نہیں لیئے جا سکتے اسی طرح لفظ عشق کو کمال محبّت کے معنٰی میں نہیں لیا جاسکتا یہ تھا اُس کا پانچواں اعتراض۔

جواب:۔ وہابیوں میں ہمیشہ جُہلا کی کثرت رہی ہے مگر یہ معترض

صاحب سب میں بڑھ گئے۔ اس اعتراض میں چار جہالتیں ہیں۔

پہلی یہ کہ یہ معترض خود اپنے پیش کردہ مثنوی کے شعر کو نہیں سمجھا جس بیچارے کو فارسی زبان سمجھ نہیں آتی وہ اصل عرب کی عربی پر گستاخی و اعتراض کرنے کی جرأت و حماقت کرتا ہے۔

مولانا روم تو عشق کی شان بتا رہے ہیں، اور نفسیاتی شہوانی محبتوں کی ذِلت فرما رہے ہیں۔ مثنوی کے شعر کا معنی یہ ہے کہ اے دنیا کے بَدمعاشوں جھوٹی شہوانی محبتیں کر کے اس کو عشق کا پاکیزہ نام دیتے ہو، عشق نبُود ایں کہ در مردم بُوَد۔ اِن لوگوں میں جو یہ شہوانی محبتیں ہیں وہ عشق نہیں ہے اُس کو عشق نہ کہو۔ ایں خمار اَز خوردنِ گندم بُوَد۔ یہ فحاشی بدمعاشی حسن پرستی وہ وحشیانہ خمار ہے جو روٹیں کھانے سے پیٹ بھری کے کرشمے اور نفس پُری کی خواہش، بُدمعاشوں نے ان بکواس اور جھوٹی محبتوں کا نام عشق رکھ لیا۔ اور بنے پھرتے ہیں مجنون کے نانا یہ تھا شعر کا صحیح معنیٰ، مگر معترض کو عقل ہوتی تو سمجھ آتی۔ معترض کی دوسری جہالت، کہنا ہے کہ عشق اتنا گرا ہوا، گھٹیا اور کثیف لفظ ہے (الخ) وہابیوں کا ایک بہت بڑا استاد، جس نے قرآن مجید کا اُردو ترجمہ بھی لکھا ہے۔ اور اپنے ایک بڑے رشید احمد گنگوہی کی سوانح عمری بھی لکھی ہے۔ اس کا نام ہے۔ عاشقِ الٰہی میرٹھی یعنی وہ اللہ کا عاشق ہے، تم نے اُس پر اعتراض نہ کیا کہ تو نے اللہ کو معشوق بنا دیا ہاں یہاں اعتراض پر یہ قانون ٹوٹ گیا۔ اگر تمہارا گرُو عاشقِ الٰہی ہو سکتا ہے، تو غلامانِ مصطفیٰ، عاشقِ مصطفیٰ بھی ہو سکتے ہیں، اگر عاشقِ الٰہی نام رکھ کر اللہ تعالیٰ کو معشوق نہیں کہا جا سکتا تو عاشقِ رسول ہو کر

بھی نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو معشوق نہیں کہا جا سکتا۔ پہلے اپنے گھر کی خبر لو پھر کسی اور پر اعتراض کرنا۔

معترض کی تیسری جہالت۔ کہتا ہے کہ قرآن وَاَحادیثِ صحیحہ نے اس لفظ کے استعمال سے مکمل احتراز کیا ہے قرآنِ مجید میں تو واقعی صراحتاً یہ لفظ نہیں ہے۔ مگر معنًا یہ لفظ موجود ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ از سورۃ بقرہ آیت ۱۵۶ ترجمہ:۔ اور ایمان والے لوگ اللہ تعالیٰ سے شدید ترین محبت کرتے ہیں۔ اسی شدید محبت کا نام عشق ہے چنانچہ المنجد عربی ص۵۰۲ پر ہے اَلْعِشْقُ۔ اِفْرَاطُ الْحُبِّ۔ یعنی شدید محبت کا نام عشق ہے مشکوٰۃ شریف میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کرنے کا بھی اِسی انداز میں حکم ہے۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے۔ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ یعنی کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ مجھ سے ایسی زیادہ شدید محبت نہ کرے جو اُس کے والد اولاد اور تمام لوگوں سے شدید نہ ہو۔ اسی اِفراطِ محبت کا نام عشقِ الٰہی اور عشقِ رسول ہے از مکاشفۃ القلوب لِامام غزالی معترض نے اس اعتراض میں ڈاکٹر اقبال کا بھی ذکر کیا ہے۔ حالانکہ ڈاکٹر اقبال صاحب تو کہتے ہیں کہ۔

ذرۂ عشقِ نبی اَز حق طلب

عشقِ الٰہی کے لیے تو مومن دعائیں مانگتا ہے۔ چنانچہ دلائل الخیرات شریف حزبِ ثانی روزِ یکشنبہ کے وِرد میں سطر ۶ فَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُحِبِّیْنَ الْمَحْبُوْبِیْنَ الْمُقَرَّبِیْنَ الْعَاشِقِیْنَ لَكَ یَا اَللّٰهُ یَا اَللّٰهُ

(آٹھ دفعہ) یعنی اے اللہ مجھ کو محبین اور محبوبین اور مقربین میں سے بنا اور یا اللہ مجھ کو اپنے عاشقین میں سے بنا۔ پوچھو اس جاہل سے کہ کیا یہ ساری دعائیں آیتیں خمارِ گندم کے پیے ہیں۔ قرآن مجید میں کسی لفظ کا صراحتًا نہ ہونا۔ اُس لفظ کے گھٹیا ہونے کی دلیل نہیں۔ قرآن پاک میں تو بے شمار الفاظ نہیں۔ انبیاء علیہم السّلام کے نام صحابہ کے نام، خود باری تعالٰی کے کروڑوں نام ہیں جو قرآنِ مجید میں نہیں ہاں البتّہ حدیثِ پاک کے متعلق معترض کی یہ بات کہ احادیث نے اس لفظ کے استعمال سے مکمل پرہیز کیا یہ معترض کی انتہائی جہالت ہے کہ وہ احادیث سے بھی ناواقف ہے۔ بجائے بیہودہ قلم اُٹھانے کے ابھی اُس کو پڑھنے کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ اَحادیثِ پاک میں لفظ عشق مستعمل ہے، چنانچہ مشکوٰۃ شریف کتاب فضائلُ القرآن ص۱۹۱ فصل ثالث کی دوسری حدیث مقدسہ میں ہے۔ عَنْ حُذَیفَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم۔ اِقْرَءُوا الْقُرْاٰنَ بِلُحُوْنِ الْعَرَبِ وَاَصْوَاتِہَا۔ وَاِیَّاکُمْ وَلُحُوْنَ اَھْلِ الْعِشْقِ (الخ) ترجمہ، آقاءِ کائنات صَلّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تلاوتِ قرآن کریم عربی لہجوں اور آوازوں میں کیا کرو اور بچو تم عشق والوں کی آواز اور لہجوں سے ۔ ۲ مشکوٰۃ شریف اور ابنِ ماجہ میں ہے۔ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَمْ تُرَ لِلْمُتَحَابَّیْنِ مِثْلَ النِّکَاحِ۔ ترجمہ: آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں شدت کی محبت پیدا کرنے کے لیے نکاح سے زیادہ کوئی چیز نہ دیکھی۔ یہاں باب تفاعلؔ کی شدنے شدت کے

معنیٰ پیدا کیے ۔ اور شدتِ محبت ہی عشق ہے چنانچہ اس کی شرح میں لمعات نے فرمایا۔ اِذَا اَحَبَّ رَجُلٌ وَعَشِقَ بِهَا فَالتَّعْشِيقُ اَكَدُّ وَاَزْيَدُ فِی الْاُلْفَةِ (از مشکوٰۃ ص ۲۲۸ حاشیہ ۲) ترجمہ۔ یعنی نکاح سے زوجین میں محبت اور عشق پیدا ہوتا ہے جو الفت کو لذیذ اور زیادہ کرتا ہے۔ معترض کی چوتھی جہالت۔ لکھتا ہے۔ لفظِ عشق صدیوں کے بعد عجمی پیداوار ہے۔ عربی زبان میں یہ مفہوم نہیں۔ لہٰذا لفظِ عشق کو کمالِ محبت کے معنیٰ نہیں لیا جا سکتا اِس شخص کی جہالت بھی کمال ہے ہم نے اوپر قرآن و حدیث۔ لغت و شرح کے دلائل سے ثابت کر دیا کہ عشق کا معنیٰ کمال اور شدید محبت ہی ہے اب ذرا شعراءِ عرب کا کلام سنیئے۔ از مکاشفۃ القلوب لِامام غزالی عربی ص ۲۲۴۔ شاعر ابنِ بسام ؎

اُفٍّ لِعَشْقِ الدُّنْيَا وَاَيَّامِهَا ٭ فَاِنَّهَا لِلْحُزْنِ مَخْلُوقَةٌ

ترجمہ:۔ اے دنیا اور اُس کے دنوں پر عشق کرنے والے افسوس ہے کیونکہ دنیا تو غم کے لیے پیدا کی گئی ہے

ابن عدی شاعر کہتا ہے۔

اَلَمْ يَكُ اَهْلًا اَنْ يُنَوَّلَ عَاشِقٌ ٭ تَكَلَّفَ اِدْلَاجَ السُّرٰى وَالْوَدَائِقْ

ترجمہ۔ کیا وہ عاشق جس نے (محبوب کی خاطر) راتوں کی تاریکی اور دوپہر کی گرمی میں چل کر مصیبتیں برداشت کیں اِس لائق نہیں تھا کہ اس کو۔ بھی محبت کا انعام دیا جاتا ۳؎ قصیدہ بُردہ شریف کی پہلی فصل کا نام ہے اَلْفَصْلُ۔ فِیْ ذِکْرِ عِشْقِ رَسُوْلِ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اِن تمام دلائل سے ثابت ہوا کہ عشق کمال محبت ہی کا نام ہے اگر ایک جاہل وہابی عجمی اُٹھ کر اہلِ عرب پر اعتراض کرے تو ایسی حماقتوں کو تسلیم نہیں

کیا جا سکتا، یہ اعتراض صرف اس بلا پے میں ہیں کہ درود تاج میں آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف و نعت خوانی کیوں کر دی، ورنہ عاشقِ الٰہی پر کوئی اعتراض نہیں کسی کو، درد نہیں اٹھتا۔ مگر نعتِ مصطفیٰ سے گھٹ گھٹ کے مرے جلتے ہیں۔

سوال نمبر ۳۸: معترض پھلبھروی وہابی چھٹا اعتراض کرتا ہے کہ آگے ہے محبوبِ ربِّ المشرقین۔ لفظ محبوب لغتاً تو برا نہیں مگر نبی کریم کے لیے صحابہ نے استعمال نہ کیا۔ خلیلی و حبیبی تو کہتے تھے لیکن محبوبی شاید کبھی نہ کہا۔

جواب ۱: یہ بھی معترض کی جہالت اور احادیث سے ناواقفی ہے۔ ورنہ احادیث اور صحابہ کی زبان پاک سے یہ ثابت ہے۔ محبوب کا معنیٰ ہے محبت کیا ہوا۔ یعنی جس سے محبت کی جائے اور جس کی محبت ایمان کے لیے فرض ہو۔ ابھی ہم نے پہلے مشکوٰۃ شریف سے حدیثِ مقدسہ پیش کی کہ وہ شخص مومن ہی نہیں ہو سکتا جو نبی کریم سے شدید محبت نہ کرے ساری مخلوق سے زیادہ۔ اس حدیث پاک سے بھی ثابت ہوا کہ نبی کریم ہر مومن کے محبوب ہیں۔ اگر اس معترض یا کسی بھی وہابی کی طرح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو، کوئی بدبخت انسان محبوب نہیں رکھتا تو مومن نہیں ہے۔ ۲: حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار میں ہے۔

فَاَصْبَحَ مَحْبُوْبًا اِلَی اللّٰہِ رَاجِعًا ÷ یُبَکِّیْہِ حَقُّ الْمُرْسَلَاتِ وَیَحْمَدُ
یَا اَیُّھَا الْمَحْبُوْبُ الْکَرِیْمُ ÷ حُبُّکَ بَیْنَ الْحَشَاءِ مُقِیْمٌ
یَا دَافِعَ النَّوْمِ عَنْ حَفْوِیْ ÷ اَنْتَ بِمَا مَرَّ بِیْ عَلِیْمٌ

(بعض نے کہا یہ شعر حضرت شبلی رض کا ہے)

ترجمہ ۔ ت۱ محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں ۔ اس پر ملائکہ حق روتے ہیں اور وہ محبوب ہر طرف کائنات میں تعریف کیا جا رہا ہے ت۲ اے محبوب کریم آپ کی محبت سینوں میں مقیم ہے ۔ ت۳ اے وہ ذاتِ کریم جس کی جدائی میری پلکوں سے نیند اڑانے والی ہے ۔ جو کچھ مجھ پر گزرا آپ اس کو جاننے والے ہیں ت۲ مشکوٰۃ شریف کی شرح مرقات حاشیہ مشکوٰۃ ص۵۱۳ پر ہے ۔ لہ قَوْلُهٗ وَاَنَا حَبِيْبُ اللّٰهِ ۔ اَیْ مُحِبُّهٗ وَمَحْبُوْبُهٗ ۔ وَالْحَبِيْبُ فَعِيْلٌ بِمَعْنَى الْفَاعِلِ وَالْمَفْعُوْلِ فَهُوَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مُحِبٌّ وَمَحْبُوْبٌ، وَالْاَظْهَرُ فِی الْاِسْتِدْلَالِ عَلٰى اَنَّ مَرْتَبَةَ مَحْبُوْبِيَّتِهٖ فِیْ دَرَجَةِ الْكَمَالِ (مرقات) ترجمہ ۔ آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان کہ میں حبیب اللہ ہوں ۔ اس کا معنیٰ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا مُحِب بھی ہوں اور محبوب بھی ہوں ۔ کیونکہ حبیب بروزنِ فعیل ہے اور فعیل کا وزن فاعل کے معنیٰ میں بھی ہوتا ہے اور مفعول کے معنیٰ میں بھی، تو ثابت ہوا کہ آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مُحِب بھی ہیں اور محبوب بھی ۔ اور بہت بڑی ظاہر دلیل ہو گئی یہ بات اس چیز پر کہ آپ کا مرتبۂ محبوبیت درجۂ کمال میں ہے ۔ (از مرقات) ت۳ معترض کے ایک پیر وحید الزمان صاحب ۔ وہابی اور دیگر دیوبندیوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معشوق اور محبوب لکھا، ذرا ۔ دیکھو وحید الزمان کی شرح بخاری جلد دوم ص۱۹۵ ۔ کیا معترض ان سب وہابیوں کو انتہائی بدتمیز لکھے گا !

سوال نمبر ۳۹: معترض وہابی ساتواں اعتراض اس طرح کرتا ہے کہ اس درود میں آنحضرت کے ۲۵ یا ۲۶ اوصاف وشرف بیان کئے گئے (در اصل ان بدبخت وہابیوں کو یہی تو جلاپا ہے یہی نعت خوانیِ آقا ہی تو ان کو مارے ڈالے ہے)، جس کے آخر میں یہ صفات ہیں ۱۔ نبی الحرمین ۲۔ امام القبلتین ۳۔ وسیلتنا فی الدارین ۴۔ صاحب قاب قوسین ۵۔ محبوب المشرقین والمغربین (سبحان اللہ کیا پیاری نعت خوانی ہے عشاقِ رسول کے تو اس درود تاج مقدس سے دل ٹھنڈے ایمان روشن ہوجاتے ہیں۔ مگر وہابیوں کے جل جل کر کڑھ کڑھ کر دل سیاہ ہو رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں جلتے مرتے رہو۔ میرے آقا حضور کی شان تو اس سے بھی اعلیٰ وارفع ہے) اس کے بعد معترض لکھتا ہے۔ اس کے بعد کے الفاظ یوں ہیں۔ جدِّ الحسن والحسین۔ رسم دنیا کے مطابق چھوٹا شخص اپنے بڑوں کے لیے اس وقت باعثِ فخر ہو سکتا ہے جب وہ چھوٹا اپنے بزرگوں کی شان میں آگے نکل جائے اور وہ وصف اس کے بڑوں میں نہ ہو، اور اس خصوصی شان ہی کی وجہ سے بڑے کو چھوٹے کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے نواسۂ رسول حسینؓ وحسنؓ میں ایسی کوئی خصوصیت نہیں جس کی وجہ وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے برتر ہو کر نبی کریم کے لیئے باعثِ فخر وشرف ہوجائیں۔ لہٰذا درود تاج میں یہ نسبت لکھنے والے کا اہلِ سنت سے کوئی تعلق نہیں۔ اس اعتراض میں اور بھی بہت سی خرافات اور اوٹ پٹانگ باتیں ماری ہیں۔ جو وہابیانہ بکواسیات کے سوا کچھ نہیں۔

جواب: معترض کی جہالت دیکھیئے کہ اس کے حاشیہ میں لکھتا ہے ۱ یہاں فَآبَ کو مَرفوع پڑھنا چاہیئے ۲ یہاں۔ قَآبَ کو مضاف الیہ مجرور پڑھنا چاہیئے۔ پوچھو اس جاہل سے کہ۔ قَآبَ، فعل ماضی ہے کبھی ماضی کو بھی رَفع یا جَر آسکتا ہے۔ ماضی تو ہمیشہ مبنی اصل ہوتا ہے اگر معترض کی اپنی ذاتی اس عبارت میں۔ قَآبَ قَوْسَیْنِ۔ مضاف الیہ بن گیا۔ تو پورا جملہ مضاف الیہ بنے گا۔ یعنی قَآبَ قَوْسَیْنِ نہ کہ فقط قَآبَ نیز جہاں کہیں اعراب تقدیری ہو وہاں کسی بھی حالت میں اعراب نہیں بدلتا۔ مثلاً جَآءَ مُوْسٰی میں مُوْسٰیٌ نہ پڑھا جائے گا۔ ایسا عِلم ابتدائی سے جاہل انسان قلم پکڑ کر بیٹھ گیا اور لگا اعتراضِ جہالت داغنے۔ مگر بیچارہ معترض بھی کیا کرے۔ وہابیت دیوبندیت نام ہی جہالت کا ہے۔ اگلے اعتراض کا جواب اس طرح ہے کہ جَدِّ الْحَسَنِ وَ الْحُسَیْنِ کی نسبت میں نواسۂ رسول کی کسی خصوصی شان یا امتیازی نشان یا کارکردگی کا اظہار مقصود نہیں بلکہ یہ جَدِ الحسن وَالحسین ہونے کا لقب بھی پیارے آقا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہی خصوصی امتیازی شان ہے۔ اور آپ کے مختارِ کُل ہونے کا ثبوت ہے۔ یہ امتیازی شان و خصوصیت کسی بھی شخصیت کو از آدم علیہ السلام تا ایندم کسی نبی ولی، صحابی، مہاجر انصار، چھوٹے بڑے، امیر، وزیر، بادشاہ کو نہ ملی نہ مل سکے۔ وہ اس طرح کہ ہر شخص اپنی بیٹی کی اولاد کا نانا ہوتا ہے نہ کہ دادا، عربی لغت میں دادا کو جَد کہتے ہیں نانا کو جَدٌ فاسدٌ کہتے ہیں، ہر شخص کی نسل بیٹے کی اولاد سے چلتی ہے۔ اور وہ بیٹے کی اولاد کا دادا یعنی جَدٌ ہوتا

ہے، یہ رب تعالیٰ کا قانونِ کلیہ تامہ ہے۔ تمام عالَمِ انسانیت کے لیے یہ قانونِ الٰہی ہے۔ رب تعالیٰ کے کچھ قانون ہیں اور کچھ قدرتیں۔ رب تعالیٰ بعض موقعوں پر اپنے پیاروں کے لیے اپنے قانون توڑ کر اپنی قدرتوں کا اظہار فرماتا ہے۔ مثلاً قانون ہے کہ والدہ اور والد کے ذریعے اولاد جنم لیتی ہے مگر آدم علیہ السّلام کے لیے یہ قانون توڑ کر قدرت کا اظہار فرمایا کہ بن والد والدہ پیدا ہو گئے۔ حضرتِ حوا بھی ایک پسلی سے بن گئیں اور مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کے لیے قانون توڑ کر اپنی قدرت کا اظہار فرمایا کہ بغیر باپ کے آناً فاناً چند لمحوں میں نطفہ مضغہ علقہ کے بغیر ہی حضرت عیسیٰ کی ولادت ہوئی اسی طرح قانون ہے کہ بیٹے سے دادا کی نسل چلتی ہے نہ کہ بیٹی سے نانا کی۔ مگر رب تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اپنا یہ قانون توڑ دیا۔ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اولادِ فاطمہ کے بجائے نانا بننے کے جَدِ الحَسَنِ وَالحُسَینْ ہو گئے۔ آدم اور حوا اور عیسیٰ علیہمُ السّلام کی اُس قانون شکنی اور ظہورِ قدرت کا کہیں نشان نہیں صرف کتابی تاریخی تفسیری تذکرہ ہے۔ مگر پیارے محبوب کے لیے جو شانِ قدرت فرمایا وہ تا قیامت دنیاءِ انسانیت میں ہر جگہ پائندہ و تابندہ ہے۔ یہ ساداتِ کرام کا وجود شانِ محبوبیت اور قدرتِ الٰہی کا ہی ظہور ہے پھر اس قدرت کا اظہار رب تعالیٰ نے خود محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اپنی زبان سے کرایا تاکہ محبوب کے مختارِ کل ہونے کا چرچہ ہوتا رہے۔ تو جدالحسن والحسین ہونا عظیم قدرتِ الٰہی ہونے کے ساتھ ساتھ شاندار خصوصی نعتِ

مصطفائی بھی ہے۔ بدعقل معترض کو یہ بات سمجھ ہی نہ آئی۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ؎ قرصۂ آفتاب را چہ گناہ

سوال نمبر ۴:- معترض درودِ تاج پر آٹھواں اور آخری اعتراض کرتا ہے لکھتا ہے کہ، پھر آگے ہے یَا اَیُّھَا الْمُشْتَاقُوْنَ بِنُوْرِ جَمَالِہٖ۔ کسی مبتدی طالبِ علم کو یہ نہیں معلوم کہ مشتاق کا صلہ اِلٰی ہوتا ہے بَ نہیں ہوتی۔ اتنی بھونڈی سی غلطیاں کوئی اہلِ علم نہیں کرسکتا۔ ع۔ کردنِ عیب را ہنر باید۔

جواب:- یہاں معترض نے کچھ موشگافی کی تو ہے، مگر بقول شخصے اندھے کی بات بھی اندھی ہی ہوتی ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اپنی اس بات پر کوئی با حوالہ دلیل پیش کرتا۔ مگر بے چارے کو دلیل ملتی کہاں سے جب کہ قانون ہی اَدھورا ہے کیونکہ اہلِ عرب کے نظم و نثر میں اکثر جگہ، شوق اور اشتیاق کے مشتقات میں بَ جارّہ آجاتی ہے۔ اور کبھی صرف اسم ظاہر یا ضمیر آجاتی ہے۔ اِلٰی جارّہ بھی آتا ہے مگر ہمیشہ نہیں بلکہ الیٰ جارّہ وہاں اُن مشتقات میں آتا ہے، جن میں ابتدائیت یا انتہائیت لفظی معنوی یا حُکمی ہوتی ہے۔ مثلاً آنا جانا، چلنا، پھرنا، بیچنا خریدنا، پیمائشی اشیا کیونکہ شوق و اشتیاق کے صیغوں کا استعمال تین طرح سے ہے۔ گویا کہ یہاں بھی معترض نے اپنی بے تدبُّری کا ثبوت دیا۔ خیال رہے کہ شوق کا معنٰی ہے محبت محبّت تین قسم کی ہوتی ہے۔ ایک محبّتِ حصولی دوم محبّتِ وصولی سوم محبّتِ اُلوُفی یعنی قلبی لگاؤ۔ اشتیاقِ حصولی میں، مُشتاق بِہٖ کو حاصل کرنے کی خواہش ہوتی ہے اس لیے اس کے ساتھ باءِ تعدیہ یعنی مفعولیت کی بَ

لائی جاتی ہے۔ درود تاج میں یَآ اَیُّھَا الْمُشْتَاقُوْنَ میں اشتیاقِ حصول ہے۔ یعنی اے وہ بندو جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے نورِ جمال کو اپنے سینوں میں حاصل کرنے کے لیے خواہش مند ہو۔ مَنگوا عشق و لگن سے درود شریف پڑھتے رہا کرو۔ اس وجہ سے یہاں بِشُورِ جَمالِہٖ کہنا ہی درست ہے کلام عرب میں اس کی اور بھی بہت مثالیں ہیں جو ابھی آگے بیان کی جائیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اشتیاقِ اُلوفی میں نہ حصول کی خواہش ہوتی ہے نہ وصل کی صرف اس چیز سے پیار ہوتا ہے تو وہاں صیغے کے بعد نہ بَ کی ضرورت نہ اِلیٰ کی۔ اور اشتیاقِ وصولی ہیں، مشتاق الیہ کی طرف پہنچنے یا مشتاق الیہ کے اس مشتاق تک پہنچنے کی خواہش ہوتی ہے اس لیے وہاں غایت اور مُغَیَّا ہوتا ہے لہٰذا وہاں بعد میں اِلیٰ ہوتا ہے، دنیا میں ہر نیک و بد کو یہ تین قسم کی خواہش اور اشتیاق ہی ہوتا ہے مثلاً ہر مسلمان کو بارگاہِ نبوت تک پہنچنے کی خواہش ہوتی ہے یہ اشتیاقِ وصولی ہوا۔ اور دین و ایمان و ہدایت و نور کے پا لینے کی خواہش ہوتی ہے، یہ اشتیاقِ حصولی ہوا۔ اور ہر مومن مسلمان کو ہر مومن مسلمان سے پیار ہوتا ہے اگرچہ اجنبی ہو۔ یہ اشتیاقِ اُلوفی (الفت والا) ہوا۔ اشتیاقِ حصولِ کی مثال: احمر شاعر کہتا ہے۔

لَنَا صَاحِبٌ شَائِقٌ بِالْخِلَافِ ⁂ كَثِيْرُ الْخَطَاءِ قَلِيْلُ الصَّوَابِ

ترجمہ۔ ہمارا ساتھی خلاف ورزیوں کا مشتاق ہے، خرابیاں زیادہ اور اچھائیاں کم ہیں۔ یہاں شائق جو شوق کا اسم فاعل ہے اس کا صِلہ بَ سے ہوا۔ فرزدق شاعر کا شعر ہے

لَا تَشُوْقَنَّ بِلَیْلٍ طَابَ اَوَّلُهٗ ÷ فَرُبَّ آخِرِ لَیْلٍ اَجَّجَ نَارًا

ترجمہ: ایسی رات کی خواہش نہ کر جس کا ابتدائی حصّہ اچھا ہو، کیونکہ بہت دفعہ آخری حصّے میں بھی آگ بھڑک سکتی ہے۔ بلکہ ایسی رات کی دعا اور خواہش کر جو پوری عافیت والی ہو۔ اشتیاقِ وصولی کی مثال حدیث پاک میں ہے۔ اِنَّ الْجَنَّةَ تَشْتَاقُ اِلٰی ثَلٰثَةٍ۔ رَوَاهُ التِّرمِذِیُّ مشکوٰۃ شریف، کتاب المناقب ص۵۷۸۔ ترجمہ: جنت مشتاق ہے تین بندوں کی۔ یعنی خواہش رکھتی ہے کہ وہ تینوں جنت میں پہنچیں، چونکہ اس اشتیاق میں ابتدا اور غایت مُغَیّا کا فعل ہے اس لیے یہاں اِلٰی جارّہ لایا جائے گا اشتیاقِ اَلوُفِی کی مثال، بخاری شریف جلد اوّل کتاب الادب باب ۲۷ فَظَنَّ اَنَّا اشْتَقْنَا اَھْلَنَا۔ ترجمہ۔ تو گمان کیا اُس نے کہ بے شک ہم نے خواہش کی اپنے اہل کی۔ یہاں چونکہ نہ حصول ہے نہ وصول محض محبّت کا ذکر ہے۔ اس لیے نہ بؔ صلہ بنایا گیا نہ اِلیٰ۔ اب بتائیے۔ کہ معترض کے اعتراض بھونڈے ہیں یا درودِ تاج مقدّس کی عبارت، اگر اتنی فصیحانہ مقفّٰی مسجّع عبارت پر بھی کوئی عجمی گنوار اعتراض جڑ دے تو اُس کی عقل کو کیا کہا جا سکتا ہے۔ انسان کی عقل ماری جائے تب تو وہ قرآن مجید پر بھی اعتراض کرنے سے کہیں نہیں رُکتا بعض محقّقین نے فرمایا کہ لفظِ اشتیاق جب اپنے معنیٰ میں ہو تو صِلہ الیٰ ہوتا ہے جب غیر کے معنیٰ میں ہو تو صِلہ بؔ سے ہوتا ہے معترض اس اعتراض کے ضمن میں اپنے اعتراض کی وجہ ظاہر کرنے میں کھُل کر سامنے آ گیا کہ لکھا ہے کہ اس درود اور کئی دیگر وظائف میں شرک بھرا ہوا ہے۔ اور اِن درودوں وظیفوں کے بنانے کا مقصد قرآن و حدیث کے وظیفوں

سے مسلمانوں کو روکتا ہے۔ بس پتہ لگ گیا کہ اصل دکھ اور جلن کیا ہے۔ یعنی چونکہ ان مؤلفہ مرتبہ وظائف میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت خوانی بھی ہے۔ پس بے چارے جلے مرے جاتے ہیں، ورنہ آپنے دیکھ ہی لیا کہ کوئی بات اعتراض والی ہی نہیں ہے۔ اس معترض کو درود لکھی اور دعاءِ گنج العرش پر بھی اعتراض ہے میں ان ظالموں گستاخوں جلوٹوں سے پوچھتا ہوں کہ قرآن وحدیث میں تو طبِ قرآنی اور طبِ نبوی بھی ہے پھر بھی تم اپنی بیماریوں میں مسلم غیرمسلم ہر قسم کے ڈاکٹر حکیم کے پاس جاتے ہو۔ تو کیا تم اپنے اس کردار اور مشوروں سے مسلمانوں کو طبِ قرآنی کی آیتوں اور طبِ نبوی کی روایتوں سے دور کرنا چاہتے ہو تمہارے پاس اپنی اس بدخصلتی کا کیا جواب ہے!۔

سوال ۴۱: جنابِ عالی گزارش ہے کہ ایک شخص محمد عارف صاحب نے ایک مختصر سی کتاب چھاپی ہے جس کا نام کرنیں رکھا ہے اس کے ٹائٹل سرورق پر ایک شعر لکھا ہے۔

ہیں کرنیں ایک ہی مشعل کی ⁂ بوبکر و عمر، عثمان و علی
ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی ⁂ کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

کیا یہ شعر صحیح ہے۔

جواب: یہ بالکل غلط ہے، اور احادیث کے خلاف یہ ظفر علی خان کا شعر ہے۔

محمد عارف صاحب مؤلف کتاب ھذا نے احادیث پر غور نہ فرمایا۔ بخاری شریف کے حوالے سے مشکوٰۃ شریف ص۵۵۵ پر ہے عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْحَنَفِیَّۃِ۔ قَالَتْ لِاَبِیْ اَیُّ النَّاسِ خَیْرٌ بَعْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ قَالَ اَبُوْ بَکْرٍ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ۔ قَالَ عُمَرُ وَخَشِیْتُ اَنْ یَقُوْلَ عُثْمَانُ۔ قُلْتُ ثُمَّ اَنْتَ۔ قَالَ مَا اَنَا اِلَّا رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ۔ دوسری حدیث پاک میں ہے عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ کُنَّا فِیْ زَمَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا نَعْدِلُ بِاَبِیْ بَکْرٍ اَحَدًا ثُمَّ عُمَرَ ثُمَّ عُثْمَانَ ثُمَّ نَتْرُکُ اَصْحَابَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا نُفَاضِلُ بَیْنَھُمْ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ۔ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِاَبِیْ دَاوٗدَ قَالَ کُنَّا نَقُوْلُ وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَیٌّ اَفْضَلُ اُمَّۃِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَہٗ اَبُوْبَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عُثْمَانُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ۔ اتنے واضح کلام کے ہوتے ہوئے پھر بھی یہ کہے جانا کہ کچھ فرق نہیں ان چاروں میں۔ ضد یا جہالت ہی ہے۔

سوال ۲۲، تفسیر روح البیان جلد ششم ص۱۲ سورۂ حج میں حضرت انس بن مالک کے حوالے سے ایک روایت لکھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ایک یہودی مسجد نبوی میں آیا۔ اور اُسنے وہاں موجود صحابہ سے کہا کہ اَیْنَ وَصِیُّ مُحَمَّدٍ (رسولِ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) یعنی نبی پاک کا وصی کہاں ہے، سب موجودہ لوگوں نے حضرت ابو بکر کی طرف اشارہ کیا کہ یہ ہیں۔ یہ سن کر یہودی نے کہا کہ میں ان چند چیزوں کے متعلق سوال کرتا ہوں جن کا جواب سوائے نبی یا نبی کے وَصِیؐ کے کوئی نہیں جان سکتا، ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا پوچھ جو تیرے سوال ہیں۔ یہودی بولا وہ کونسی چیز ہے جو اللہ نہیں جانتا۔ اور وہ کونسی چیز ہے جو اللہ کے لیے نہیں ہے اور وہ کونسی چیز ہے جو اللہ کے پاس نہیں ہے ابو بکرؓ

نے کہا یہ کلام زندیقوں کا ہے اور قوم نے اس یہودی کے ساتھ برے سلوک کا ارادہ کیا اور برا بھلا کہا، ابن عباس نے فرمایا تم نے اس شخص سے انصاف نہیں کیا اگر تمہارے پاس اس کا جواب ہے تو دو ورنہ اُس کے پاس جاؤ جس کے پاس اس کا جواب ہے میں نے سنا ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ فرماتے تھے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے۔ اے اللہ اس کے دل کی تائید فرما اور اس کی زبان کو ثابت رکھ، یہ سن کر ابوبکر اور تمام حضرات کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ حضرت علی کے پاس آ گئے اور ان کے سامنے بیان کیا تو علی نے فرمایا کہ پہلی بات کہ وہ کونسی چیز ہے جو اللہ نہیں جانتا تو اے یہودیو وہ چیز تمہارے یہ قول ہے کہ عزیر اللہ کے بیٹے اور اللہ نہیں جانتا کہ اس کے اولاد ہے۔ اور دوسری یہ چیز جو کہ اللہ کے لیے نہیں ہے وہ یہ ہے اللہ کے لیے شریک نہیں ہے۔ تیسری وہ چیز جو اللہ کے پاس نہیں ہے وہ یہ کہ اللہ کے پاس ظلم اور عجز نہیں ہے یہ جواب سن کر یہودی نے کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ تو مسلمان خوش ہو گئے۔ پوچھنا یہ ہے کہ یہ روایت کسی کتاب احادیث میں ہے۔ اور اس کی سچائی کے متعلق آپ کا کیا فرمان ہے۔

جواب:۔ اس بیہودہ اور غلط قابلِ تردید روایت کی غلطیاں ہی بتا رہی ہیں کہ یہ روایت کسی بہت ہی جاہل شیعہ نے بنائی ہے، اور تفسیر روح البیان کے مصنف نے اندھا بن کر اس کو نقل کر دیا اور تفسیر روح میں اس طرح کی جھوٹی روایتیں اور جاہلانہ باتوں کی بھرمار ہے، محدثِ پاکستان لائلپوری فرمایا کرتے تھے کہ تفسیر روح البیان کی باتوں کی تصدیق جب

تک دوسری کتبِ معتبرہ سے نہ ہو جائے۔ اس کی بات ماننے کے قابل نہیں ہوتیں اہلِ علم حضرات فرماتے ہیں چار حضرات کی باتیں قابلِ تحقیق ہیں اکثر غلط ثابت ہوتی ہیں ۱۔ شاہ ولی اللہ صاحب ۲۔ شاہ عبدالعزیز صاحب ۳۔ خواجہ حسن نظامی ۴۔ تفسیر روح البیان۔ یہ کبھی وہابیوں کی تائید میں کبھی شیعوں کی تائید میں کبھی اہلِ سنّت کے ساتھ۔ اس روایت میں سات غلطیاں ہیں۔ پہلی یہ کہ یہودی کہتا ہے کہ میرے اِن تین سوالوں کا جواب صرف وہ جانتا ہے جو نبی ہو یا نبی کا وصی ہو۔ یہ قاعدہ قانون اُس نے کہاں سے لیا، دوم غلطی یہ کہ ان اپنے سوالوں کا جواب وہ خود جانتا تھا یا نہیں، اگر جانتا تھا تو کیا وہ نبی تھا یا وصیِ نبی تھا تو۔ لازماً وہ نہ نبی تھا نہ وصیِ نبی تو اِس کا یہ قاعدہ تو یہیں ٹوٹ گیا اور اگر وہ اپنے سوالوں کے جواب نہ جانتا تھا تو وہ مولیٰ علی کے جواب کی تائید و تصدیق کیسے کر رہا ہے۔ کسی جواب کی تائید وہی کر سکتا ہے جو خود پہلے سے جواب جانتا ہے۔ نیز وہ اب تو مولیٰ علی سے جواب سن کر پڑھ کر تائید کر رہا ہے۔ اَب سے پہلے وہ مسلمان کیوں نہ ہوا۔ تیسری غلطی۔ یہ جواب اتنے آسان ہیں کہ اگر آپ مجھ کو یہ روایت سنانے سے پہلے مجھے ہی یہ تینوں سوال کرتے تو میں بھی دوسرے دو سوالوں کا جواب تھوڑے سے غور کے بعد دے سکتا تھا۔ ہم دن رات لَا شَرِیکَ لَہٗ، پڑھتے ہیں، اور کون مسلمان قرآن مجید کی آیت سے ناواقف ہے کہ اَنَّہٗ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ۔ صدیق اکبر کی تو بڑی شان ہے۔ عام مسلمان کا بھی عقیدہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں ظلم نہیں عدل و کرم ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہاں عجز بھی نہیں ہے۔ چوتھی غلطی کہ جب یہودی نے پوچھا کہ وصیِ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) کہاں ہے تو صحابہ نے

صدیق اکبر کی طرف اشارہ کیا۔ حالانکہ یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے۔ جو صحابہ نے کبھی نہ بولا کسی صحابی کے منہ پر صدیق اکبر کے لیے وَصِیّ رسول اللہ کا لفظ کبھی نہ آیا نہ کسی کتاب سے ثابت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصی تو کوئی بھی نہیں آپ نے کسی کو اپنا وَصِی نہ بنایا۔ اگر صحابہ کی نظر یا خیال میں ابوبکر صدیق وصیِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوتے تو آپ کو انتخاب اور چناؤ کے ووٹوں سے خلیفہ نہ بنایا جاتا۔ وَصِیّ کا لفظ تو شیعوں کا بناوٹی لفظ ہے جو انہوں نے اپنی جہالت سے مولیٰ علی کیلئے بنا کر اپنی اذان و کلمے میں داخل کر لیا۔ پانچویں غلطی۔ یہ تین جواب جو شیعہ نادان دوستوں نے مولیٰ علی رضؓ کی طرف منسوب کئے ہیں یہ تینوں جواب غلط ہیں۔ پہلا تو اس لیے کہ یہ جواب اللہ تعالیٰ کی شان میں کفریہ گستاخی ہے، کیونکہ کسی باپ کا اپنی اولاد کے بارے میں بے علم ہونا، اولاد کی نفی نہیں کرتا ایک لمبے سفر میں رہنے والے شخص سے پوچھا جائے کہ کیا تیری اولاد ہے، تو وہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے علم نہیں حالانکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں سفر پر جانے کے بعد اس کی بیوی نے اس کے بیٹے یا بیٹی کو جنم دیا ہو۔ پہلے زمانوں کے ایسے بہت سے واقعات مشہور ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو کسی بھی چیز سے بے علم یا بے خبر کہنا یا سمجھنا کفر ہے۔ اولاد کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ بے علم نہیں، وہ جانتا ہے کہ یہود نے عزیر ابن اللہ کہا اور یقیناً یہ یہودیوں کا کذب و کفر ہے اس کذب و کفر سے رب بے خبر نہیں اُس کسی علی کا یہ کہنا کہ اللہ کو عزیر کے ابن اللہ ہونے کا علم نہیں ہے یہ اُس علی کا کذب و کفر ہے۔ ہمارے مولیٰ علی رضؓ ایسا نہیں کہہ سکتے یہ کفریہ عقیدہ اور قول تو معتزلہ فرقہ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ اللہ کو بہت باتوں کا

پہلے علم نہیں ہوتا، جب کام ہو جاتا ہے تب اُس کو علم ہوتا ہے۔ (معاذ اللہ) یہودی کا یہ کہنا کہ لَا یَعْلَمُ اللّٰہُ واقعی زندیقی بات ہے اور اس کا یہ جواب کہ وَاللّٰہُ لَا یَعْلَمُ اَنَّ لَہٗ وَلَدٌ"۔ اس سے بھی بڑا کفر ہے دوسرے اور تیسرے جواب کی غلطی یہ کہ یہ جواب ناقص ہیں، کیونکہ اللہ کے لیے نہ کوئی شریک نہ مددگار نہ نوکر نہ خادم اس ذاتِ قدیر کو کسی کی ضرورت نہیں تو صرف شریک کی نفی کرنا جواب ناقص ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے پاس نہ ظلم ہے نہ عجز ہے نہ نیند نہ بھولنا نہ وعدہ خلافی تو صرف یہ کہنا کہ اُس کے پاس ظلم اور عجز نہیں یہ جواب ناقص ہے چھٹی غلطی۔ حضرت ابن عباس کا یہ کہنا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دعا دی تھی کہ اُن کا دل تائیدِ ربانی میں رہے اور زبان ثابت رہے اس دعا سے نہ وصی ہونے کا ثبوت ہوتا ہے نہ اس کا تعلق صحیح جواب دینے سے صحیح جواب تو علمی لیاقت سے ہوتا ہے اور علمی لیاقت وکثرت کی خبر زبانِ نبوت نے حضرت صدیقِ اکبر کے لیے بھی سنائی ہے جیسا کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے مولیٰ علی کو علم کا باب فرمایا گیا، دروازہ تو خزانہ نکلنے کی گزرگاہ ہوتا ہے ساتویں غلطی۔ یہودی نے یہ جوابات سن کر مسلمان ہوتے ہوئے کلمہ ایسا پڑھا۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّکَ وَصِیُّ رَسُوْلِ اللّٰہِ اور اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ چھوڑ گیا۔ یہی کلمہ شیعوں نے بنا لیا ہے کہ وصی رسول اللہ بلا فصل۔ وہ لوگ اذان و کلمے میں محمد رسول اللہ تو صرف لوگوں سے ڈر کر کہدیتے ہیں ورنہ ان کا دل نہیں چاہتا۔ بتائیے اس چھوٹی سی روایت میں اتنی غلطیاں ہیں تو انِ شیعوں کی بڑی عبارتوں میں کیا کچھ غلطیاں حماقتیں جہالتیں نہ ہوں گی، مجھے افسوس تو مصنفِ

تفسیر پہ ہے کہ بجائے اس روایت کی تردید کرنے کے مزید شیعہ نوازی کرتے ہوئے صدیق اکبر و صحابہ کرام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ لکھا، حضرت ابن عباس کے لیے رضی اللہ عنہما اور مولیٰ علی کے لیے رضی اللہ لکھ دیا، یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مقدس کے ساتھ بھی درود پاک نہیں لکھا۔ اس کو کاتب کی غلطی کہا جائے یا ناشر کی یا مصنف کی۔ وَاللہُ اَعْلَمُ

سوال ۴۳۔ عالیجاہ یہ روزنامہ جنگ میں ایک بیان آیا ہے۔ بروز منگل ۲۵ نومبر ۱۹۹۷ء ۲۵ رجب ۱۴۱۸ھ، دوسرے صفحہ پر مختصر خبروں کے کالم میں۔ امام کعبہ شیخ محمد بن عبداللہ السبیل نے لکھنؤ ہندوستان ایک سیمینار میں تقریر کرتے ہوئے مسلمانوں کو مشورہ دیا ہے کہ اگر بابری مسجد کی جگہ مندر بنایا گیا تو مسلمان مسجد بنانے پر زور نہ دیں اس ہندوانہ بیان پر مسلمانوں کو بڑا دکھ ہوا۔ اور ہندوستان کو خوشی ہوئی غمناک حیرت و افسوس اس بات پر ہے کہ امام کعبہ نے یہ ہندو نوازی کیوں کی۔ جس مسجد کی خاطر ہزاروں مسلمان شہید ہوگئے۔ اور ہندوؤں کی ہائی کورٹ سپریم کورٹ نے فیصلہ دیدیا کہ یہاں رام مندر نہیں تھا نہ یہ رام کی جنم بھومی ہے۔ اور انڈیا حکومت نے بھی تاریخی اعتبار سے تسلیم کرتے ہوئے وعدہ کیا کہ ہم دوبارہ وہاں مسجد تعمیر کریں گے آج امام کعبہ مسلمانوں کی تمام قربانیوں پر پانی پھیر کر مندر کی حمایت اور مسجد کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اور مسلمانوں کو مشورہ دے رہے ہیں کہ وہاں مسجد بنانے کی ضد نہ کریں مندر بننے دیں۔ اسی خبر کے بعد ایک اور غمناک خبر ہے کہ راجندر سنگھ نے اسی لکھنؤ میں اُسی دن یہ بیان دیا کہ متھرا اور کاشی کی مسجدوں پر قبضہ بھی ہماری ترجیحات میں ہے یہ مسجدیں بابری

مسجد سے بھی زیادہ اہم ہیں۔ یہاں بھی مندر بنانا ہمارے ایجنڈے میں شامل ہے۔ کافروں کے یہ ارادے اور امام کعبہ کا یہ بیان ہندوکیوں نہ دلبر ہوں صرف ھندؤوں کی مہمانی کی خوشی میں یہ اِسلام دشمنی مجھے حیرت ہے۔

جواب:۔ آپ کو تو امامِ کعبہ کے اِس بیان پر حیرت ہے مگر مجھ کو نہیں ہے۔ اس لیے کہ خود اِن نجدیوں نے اپنی حکومت میں ہزار ہا مسجدیں شہید کر دیں کسی کو کھنڈر بنا دیا کسی جگہ سے مسجد گرا کر اپنے مکانات یا ہوٹل بنا لیئے خود مکہ مکرمہ کی تمام تاریخی مسجدیں گرا دی گئی ہیں۔ دیکھو مسجد بلال وغیرہ ہاں اگر حفاظت کی جا رہی ہے تو کعب بن اشرف یہودی کے گھر کی اس کو آثارِ قدیمہ میں شامل کیا گیا ہے، مسلمان ان نجدیوں کے زخموں سے خون کے آنسو رو رہے ہیں

سوال ۴۲:۔ ڈاکٹر پروفیسر طاہر قادری کی ڈائری سے چند اقتباسات اور ان پر تنقیدی تبصرہ

عالی جاہ میرے ایک ساتھی نے مجھ کو یہ ایک رسالہ دیا ہے۔ اس کا سرورق تو نہیں ہے البتہ موجودہ اوراق میں پہلے صفحہ پر ایک نظم لکھی ہے "چراغ گھر گھر جلاؤ لوگو" کے عنوان سے، اس کے صفحہ ۳ طاہر القادری صاحب کی ایک ڈائری کے کچھ اقتباسات شائع کیئے گئے ہیں۔ یہ ڈائری، اکتوبر ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۳ء تک ہے یہ ایک سوالاً جواباً انٹرویو کی شکل میں ہے۔ اس میں چند باتیں مجھ کو اسلام اور قرآن مجید کے خلاف نظر آئیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ قوم میں فحاشی اور آوارگی آزاد خیالی کے لیے یہ کافی ہیں۔ صرف یہ چند باتیں ہی مجھ کو غلط نظر آئیں جن کے متعلق آپ سے استفسار ہے، باقی

باتیں مسلکِ اہل سنت کے مطابق ہیں، استفسار طلب باتوں میں پہلی بات ص۹ پر۔ اُن سے سوال کیا گیا کہ تصویر کی شرعی حیثیت کیا ہے کیمرہ ویڈیو سے بنی ہوئی تصاویر کا حکم کیا ہے پروفیسر اس کا جواب دیتے ہیں کہ تصویر کے بارے میں علما کے دو موقف ہیں۔ بعض علما اس کو مطلقاً ناجائز سمجھتے ہیں۔ جب کہ بعض کے نزدیک دھات سے بنی ہوئی تصاویر تو ناجائز ہیں البتہ کیمرے سے بنی ہوئی تصاویر مباح ہیں، پروفیسر کی یہ بات کیا درست ہے۔

جواب: قطعاً غلط ہے کسی تصویر کے بارے میں کسی عالم کا کبھی بھی کوئی کسی قسم کا اختلاف ثابت نہیں نہ کسی کتابِ فقہ میں اس قسم کا اختلاف منقول ہے۔ پروفیسر صاحب کی یہ سراسر غلط بیانی ہے ائمہ اربعہ اور تمام فقہائے اُمت کا ہر قسم کی تصویر کے بارے میں ایک ہی موقف ہے کہ ہر قسم کی تصویر بنانا بنوانا حرام ہے۔ دھات، پتھر لکڑی مٹی کی مورتی پر ہو یا کاغذ کپڑے پر، قلم سے ہو یا کیمرے سے علمائے حق کے دو سو [illegible] حوالہ کتب معتبرہ سے ثابت کئے جائیں۔ آج ان چھوٹے چھوٹے مولویوں کا یہ بھی ایک جان بچانے والا فیشنی تکیہ کلام بن گیا ہے کہ "اس مسئلے میں اختلاف ہے"۔ پروفیسر صاحب نے یہ عامیانہ بات یا اس لیے کردی کہ ان کو احادیث کا مطالعہ نہیں ہے یا اس لیئے کی احادیث کی سمجھ نہیں۔ اور یا اس لیے یہ مسئلہ بنالیا کہ دنیا دار اُن سے خوش رہیں ان کو چندے دیتے رہیں، حق پرست انسان ایسے بیہودہ مسئلے نہیں بنا سکتا ایسے خوش کن مسائل تو یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ثَمَنًا قَلِیْلًا کا یہودیانہ مظاہرہ ہے۔ ہم نے اپنے فتاوی العلما حصہ دوم اور حصہ چہارم میں حرمت

تصویر کا پورا مدلل فتویٰ لکھ دیا ہے اور ممانعت کی تقریباً تمام احادیث مقدسات نقل کر دی ہیں۔ اور موجودہ دور کے مفکرین اور فیشنی پیر و خطیب اُن احادیث کے معانی ہیں جو جو شیطانی تاویلیں کرتے ہیں اُن سب کے جوابات دیدیئے گئے ہیں وہاں مطالعہ کیا جائے۔ مولیٰ تعالیٰ ابلیس کے چکروں سے ہر مسلمان کو بچائے یہ ہر بھیس میں آکر ورغلاتا ہے کتنی عجیب جہالت ہے کہ کیمرے کی تصویر کو عکس کہتے ہیں حالانکہ عکس تو آئینے میں ہوتا ہے۔ عکس اور تصویر کا فرق یہ بھی ہے کہ عکس کو بقا نہیں تصویر کو بقا ہے۔ عکس کے سامنے نماز جائز ہے۔ تصویر کے سامنے حرام ہے کیا کوئی مسلمان یا پروفیسر صاحب کیمرے سے بنی تصویر کے سامنے نماز پڑھیں گے سجدہ کریں گے؟ ہرگز نہ پڑھیں گے بلکہ منع کریں گے تو یہ ممانعت کہاں سے ثابت کریں گے۔ بہر کیف میں تو یہی عرض کروں گا کہ ابھی پروفیسر صاحب کو اپنا دینی علم مکمل کرنا چاہیئے تاکہ بے علمی کی باتوں سے قوم خراب نہ ہو۔

سوال ۴۵:۔ ملا پر سوال کیا گیا کہ پردے کا شرعی حکم کیا ہے۔ اور اس کی حدود کیا ہیں۔ اس کا جواب پروفیسر قادری نے یہ دیا کہ پردے کے احکامات میں تین درجات ہیں، فرض، واجب اور مباح۔ فرض پردہ جو ہر خاتون کے لیے لازم اور جس کا ترک حرام وہ یہ ہے کہ چہرہ ہاتھ اور پاؤں کو چھوڑ کر سر اور سارا جسم ڈھکا ہوا ہو اس کو شرعی پردہ کہتے ہیں۔ اس کے لیے کسی خاص طرز کا برقعہ یا لباس ضروری نہیں ہے پروفیسر کی یہ بات کیا درست ہے۔

جواب:۔ یہ مسئلہ بالکل غلط اور خلافِ قرآن و حدیث ہے۔ ایسے ہی

اقوال و مضامین تو معاشرے میں بے پردگی بے غیرتی بے راہ روی آوارگی پھیلا رہے ہیں پردے کا مقصد ہی فوت ہو گیا۔ اصل پردہ ہی چہرے کا ہے، جب چہرہ ہی کھول دیا تو پھر صرف بال چھپانے کا کیا مقصد۔ بال تو جانوروں کے بھی ہوتے ہیں یہ مسلمان عورت ہے اس کو نا محرم کی نگاہوں سے بچانا ہے کوئی سردی سے نہیں بچانا۔ تمام فقہا فرماتے ہیں کہ پردۂ نسواں کی علتِ غائی یہ ہے کہ مسلمان عورت کو شہوت کی نگاہوں سے بچایا جائے کہ نہ مرد عورت کو دیکھے نہ عورت اجنبی مرد کو، اور چونکہ شہوت عورت کے تمام جسم کو دیکھنے سے آتی ہے۔ جسم میں چہرہ زیادہ اہم ہے۔ اسی لیے عورت کے تمام جسم کو ہر طرح سے چھپانا فرض ہے خاص کر چہرہ، دیکھو تمام حیوانات ننگے پھرتے ہیں ان کو پردہ نہیں کرایا جاتا کیونکہ ان کا ننگیز دیکھنے سے انسان کو شہوت نہیں آتی۔ پردے کے بارے میں شرعی قاعدہ کلیہ یہ ہوا کہ جس چیز کو دیکھ کر شہوت آئے اُس کا پردہ فرض۔ جس کو دیکھ کر شہوات نہ آئے اس کا پردہ ضروری نہیں پروفیسر صاحب اپنے پر قیاس نہ کریں وہ تو متقی ہیں لیکن ہر ایک تو متقی نہیں ہوتا، اور پھر شرعی پردے کے بیلے پروفیسر صاحب اپنی رائے زنی کیوں کرتے ہیں قرآن مجید سے کیوں نہیں پوچھتے۔ قرآنِ مجید تو صاف صاف چہرے کے چھپانے کا حکم فرماتا ہے۔ چنانچہ سورۃ نور آیت ۳۱ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ۔ ترجمہ، تمام مسلمان عورتوں پر لازم ہے کہ اپنے دوپٹوں کو اپنے گلوں گردنوں پر کھینچ کر رکھیں اور اپنی زینت خوب صورتی اور فیشن ظاہر نہ ہونے دیں دوسری

جگہ سورۃِ احزاب پارہ بائیسؐ آیت ۵۹ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ۔ ترجمہ، اے محبوب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فرما دیجئے اپنی ازواج کو اور اپنی بیٹوں کو اور تمام مومنین کی بیویوں کو۔ کہ نیچے لٹکایا کریں اپنے پر اپنی چادریں، اسی کو اُردو میں گھونگھٹ نکالنا کہتے ہیں۔ اور گھونگھٹ سے چہرہ ہی چھپایا جاتا ہے اسی کا قرآنِ مجید کی ان آیات میں حکم دیا جا رہا ہے کیا پروفیسر صاحب کو اِن آیات کی سمجھ نہیں آئی یا یہ آیتیں نظر ہی نہیں آئیں پردے کے لیے گھونگٹ اور گھونگھٹ کے لیے برقعہ بہت ہی شاندار چیز ہے اور فیشنی برقعے سے زیادہ حجاب اور پردہ۔ پردوں کی بے توجہی دیسی برقعے میں ہے کہ اس میں جوان عورت بھی بوڑھی تصور کی جاتی ہے جب کہ فیشنی برقعے میں بوڑھی عورت پر بھی جوان عورت کا گمان ہوتا ہے، پروفیسر صاحب نے نامعلوم کسی مفاد پرستی کی بنا پر بُرقعے اور باپردہ مخصوص لباس کی نفی کر کے مسلم قوم کی بہو بیٹیوں کو بے پردہ کر کے بازاروں میں لانے کی کوشش کرنی شروع۔ کیا جگہ جگہ منہاج کے ادارے قائم کرنے کا مقصد عورتوں مردوں میں بھی آوارگی آزاد خیالی پھیلانا ہے۔ یہ تو شیطان کو خوش کرنے اور خوش رکھنے والی بات ہوئی۔ یہ اسلام و قرآن کی خدمت تو نہیں۔ اللہ تعالیٰ سمجھی عقل فرمائے۔ قانونِ شریعت کے مطابق پردہ اور حجاب پانچ قسم کا ہے۔ ۱۔ حجابِ صلوٰۃ ۲۔ حجابِ مُطلقہ ۳۔ حجابِ عامّہ ۴۔ حجابِ رویت ۵۔ حجابِ تہذیب نماز کا

پردہ عورتوں کے لیے سارا جسم ڈھکا ہو سر بھی ڈھکا ہو، چہرہ، ہاتھ، پاؤں ڈھکنا ضروری نہیں اکیلے تنہائی میں نماز پڑھے تب بھی یہ پورا پردہ فرض اور سر کا پردہ واجب ہے، اگر عورت کا سر نماز میں کھل گیا تو نماز ٹوٹ جائے گی مرد کے لیے تہذیب یہ کہ تمام جسم اور سر نماز میں ڈھکنا لازم ہے اگر مرد کا سر نماز میں کھلا رہا اور بغیر ڈھکے کوئی مرد کوئی نماز پڑھے فرض واجب سنت نفل تو نماز مکروہ تحریمی واجبُ الاِعَادَہ ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں زینت سے مراد مکمل مہذب مروج لباس ہے۔ حجابِ مطلقہ یعنی ہر وقت کا گھریلو لباس، عورت بالغہ اپنا سارا جسم کندھوں سے ٹخنوں تک گھر میں اپنے محرم کے سامنے یا تنہائی میں لباس سے ڈھکے رکھے سر، چہرہ، ہاتھ، پاؤں ڈھکنے کی ضرورت نہیں۔ اور مرد پر ناف سے گھٹنوں کے نیچے تک لباس فرض ہے۔ لباسِ عامہ۔ یعنی وہ لباس جو باہر غیروں میں جانے کے لیے، عورت پر فرض ہے کہ اپنا سارا جسم سر کے بال، چہرہ، اچھی طرح حجاب کے اندر ڈھکے، صرف ہاتھ کے پنجے اور پیروں کے پنجے کھلے رکھ سکتی ہے۔ اور اگر وہ بھی بلاضرورت نہ کھولے تو تقویٰ اور ثواب زیادہ ہے۔ مرد اپنے حجابِ مطلقہ میں باہر گلی محلے بازار میں نکل سکتا ہے۔ حجابِ رویت عورت پر نابینا مرد سے بھی پردہ فرض ہے۔ کھلے چہرے سے نابینا مرد غیر محرم کے پاس نہیں آسکتی چہرے پر گھونگھٹ ڈال کر آئے۔ نگاہیں نیچی کرکے بات کرے، تاکہ شرم و حیا کا مظاہرہ ہو کیونکہ جس طرح مرد پر واجب ہے کہ اجنبی عورت کو نہ دیکھے اسی طرح

عورت پر بھی واجب ہے کہ بلا ضرورت اجنبی مرد کو اونچی نگاہوں سے نہ دیکھے۔ چنانچہ ابوداؤد شریف ص ۲۱۲ مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی باب الحجاب میں ہے۔ وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كُنْتُ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهٗ مَيْمُوْنَةَ فَاَقْبَلَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ وَذَالِكَ بَعْدَ اَنْ اُمِرْنَا بِالْحِجَابِ۔ فَقَالَ اِحْتَجِبَا مِنْهُ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَيْسَ اَعْمٰى لَا يُبْصِرُنَا وَلَا يَعْرِفُنَا۔ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَعَمْيَاوَانِ اَنْتُمَا تُبْصِرَانِهٖ۔ ترجمہ: روایت ہے حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے کہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حاضر تھی اور میمونہ رض بھی وہیں تھیں کہ اچانک ابن ام مکتوم آ گئے اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب ہم عورتیں پردے کا حکم دیدی گئیں تھیں، تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم دونوں ان سے پردہ کرو۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ نابینا نہیں ہیں نہ ہم کو دیکھتے ہیں نہ پہچانتے ہیں۔ تب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا پس کیا وہ تو نابینا ہیں تو کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو تم تو نابینا نہیں ہو، حجاب مہذب یہ ہے کہ مسلمان عورت اور مرد اکثر اوقات ایسا لباس پہنے رہے جو پاک نیک شریف اور تہذیب و تعلیم یافتہ لوگوں کا معاشرے کا مروج لباس ہو۔ تاکہ معاشرے میں بد تہذیب نہ شمار ہو۔ جن میں سے عورت و مرد کو سر ڈھانپنا بھی شامل ننگے سر رہنا ہر معاشرے میں بدتمیزی شمار ہوتی ہے اس لیے ہر قوم کی وردی میں ٹوپی شامل ننگے سر پھرنا شیطانی خصلت ہے۔ جیسا کہ مؤطا امام مالک میں حدیث

مقدس ہے۔ بہرکیف اسلام نے عورت پر پردے کی سخت پابندی لگائی مرد پر صرف نظریں نیچی رکھنے کی پابندی ہے۔

سوال ن۴۶ ۔ ص۱۰ پر ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ میری ایک کتاب بنام "فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے" آپ ضرور اس کا مطالعہ کیجئے گا۔ افسوس یہ میری وہ کتاب ہے جس کی وجہ سے مجھ پر سب سے زیادہ فتوے لگائے گئے۔ بس یہی وجہ ہے کہ بعض علما امت کا درد رکھتے ہیں لیکن فتووں کے خوف سے بات منہ سے نکالتے ہوئے ڈرتے ہیں۔

جواب: یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ افسوس اپنے پر کیا جا رہا ہے کہ کیوں ایسی قابل گرفت و محاسبہ غلطی کی یا کہ فتویٰ لگانے والوں پر۔ میں نے سرسری طور پر اس کتاب کے غالباً پہلے ایڈیشن کا مطالعہ کیا ہے چند اوراق پڑھ کر ہی تمام کتاب کا لبِ لباب اور اصل ذہنی مقصد سمجھ آجاتا ہے۔ اور یہ اندازہ مشکل نہیں رہتا کہ شرعی گرفت کا فتویٰ لگانے والے حق بجانب ہیں۔ سنا گیا ہے کہ دوسرے یا تیسرے ایڈیشن میں کتابوں کو کچھ ردوبدل کیا ہے۔ اور قابلِ گرفت عبارات کو معذرت خواہانہ طریقے پر یکسر منعت کر دیا گیا ہے یہ کہتے ہوئے کہ میرا مطلب فلاں عبارت سے یہ نہیں تھا بلکہ یہ تھا۔ فلاں بات کا معنیٰ یہ نہیں تھا بلکہ یہ تھا۔ فلاں لفظ سے میری مراد یہ تھی یہ نہ تھی۔ وغیرہ وغیرہ میں کہتا ہوں کہ انسان کو پہلے ہی محتاط قلم و قدم اٹھانا چاہئے۔ پہلے زورِ تعالمی دکھاتے چلے جانا اور بعد میں معذرتیں کرتے پھرنا یہ کوئی علمی تدبر و تفکر یا امت کا درد نہیں، چرا کارے کند عاقل کہ

باز آبد پشیمانی ۔ پہلے ہی بندہ ایسے کام نہ کرے کہ اُس پر شریعت کا فتویٰ لگے، غلطیاں کر کر کے رجوع کرتے جانا کوئی علمی و تحقیقی منصب نہیں میری نظر سے وہ چند خطوط بھی گزرے جو پروفیسر صاحب نے گرفت کرنے والے علماءِ محققین کے نام بطورِ معذرت و بیانِ صفائی کے بھیش اور شائع کئے اس کتاب میں کچھ اس قسم کے نظریات اور فارمولے پیش کئے گئے جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کی نگاہ میں حق و باطل ایک درجہ کا ہے، اور دونوں کا اتحاد ضروری ہے خواہ اس کے لیے کوئی بھی جائز یا ناجائز راستہ اختیار کرنا پڑتے ہیں اس کتابِ اتحاد کے لیئے ایسی لچک پیدا کی گئی ہے کہ کچھ حق کی مانو کچھ باطل کی ۔ مثلاً اگر حق کہتا ہے کہ تین اور تین چھ ہوتے ہیں ۔ اور باطل کہتا ہے کہ نہیں، تین اور تین چار ہوتے ہیں، تو دونوں کو لڑنے سے بچانے کے لیے، حق کو تھوڑا نیچا اُتارو اور باطل کو تھوڑا اوپر چڑھاؤ ۔ اور اتحادی نعرہ اس طرح لگاؤ کہ تین اور تین ساڑھے پانچ ہوتے ہیں ۔

باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی، احراریوں کی طرح ۔ کہ یا مسلماں اَللہ اَللہ یا برہمن رام رام، دوسری بات اس کتاب میں یہ سمجھائی جا رہی ہے کہ اتحاد قائم کرنے کے لیے کسی کو برا نہ کہو ۔ مثلاً اگر چور اور پولیس کی لڑائی ہو رہی ہو تو کسی کو برا نہ کہو ۔ یا پھر دونوں لڑنے والوں کو برا کہو ۔ اور یہ کہ کافر ہونے والے پر کفر کے مشرک ہونیوالے پر شرک کے شرعی حکم نہ لگاؤ ۔ بے شک کوئی اسلام سے خارج ہوتا رہے مگر اُس کو خارج از اسلام نہ سمجھو، لیکن مصنف کے یہ تمام فارمولے اور اتحاد کے طریقے تعلیم قرآن وحدیث اور عملِ صحابہ و اہلِ بیت کے

سراسر خلاف ہے چنانچہ سورۃ تحریم آیت ۹ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے یٰۤاَیُّھَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ۔ ترجمہ اے نبی کریم جہاد فرماتے رہئے کفّار سے اور منافقین سے اور سختی کیجئے ان پر۔ یہاں منافقین کا بھی ذکر ہے، منافقین سے تلوار کا جہاد نہیں ہے بلکہ قلبی نفرت زبان اور قلم سے بُرا سمجھنا ثابت ہوا کہ ہر ایک کو اچھا سمجھنا بناتِ خود برا ہے اور بروں کی برائی سختی اور درشتی سے ہر جگہ ہر زمان ہر مکان میں کرنا مسلمانوں کو بچانا ہی ایمان اور خدمتِ اسلام ہے اُن سے اِتحاد نہ ہوسکتا ہے نہ کرنا چاہئے۔ حدیث پاک میں عبداللہ ابن عمرو سے مروی کہ نبی کریم آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا؛ وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّسَبْعِیْنَ مِلَّۃً۔ کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَّاحِدَۃً قَالُوْا مَنْ ھِیَ یَارَسُوْلَ اللہِ قَالَ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ۔ رَوَاہُ التِّرْمِذِیْ۔ (المشکوٰۃ ص۳ ترجمہ:۔ اور میری اُمّت تہتّر فرقے ہو جائے گی تمام فرقے جہنمی سوائے ایک کے عرض کیا صحابہ نے وہ ایک کونسا ہے فرمایا وہ گروہ وہ ہے، جس پر میں اور میرے صحابی ہیں۔ یہ سب اچھے کا نعرہ حدیث کے فرمان وصحابہ کے کردار کے خلاف ہے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم نے تو فرما دیا کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا وَاحِدَۃً یہ کیسا صلح کُلی اِتحاد ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان سب کی برائی فرمائے اور یہ آج کا اِتحاد پسند خطیب کہے کہ سب اچھے۔ گویا آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقابلہ کرتا ہے اگر سب اچھے کا نظریہ درست ہوتا تو میدانِ کربلا نہ لگتا، جنگ یمامہ نہ ہوتی، واقعۂ قابیل ونارِ نمرود نہ بھڑکتی بہرکیف پرفیسر

صاحب کی یہ کتاب نہایت نقصان دہ ہے خدا تعالیٰ مسلمانوں کو ایسی کتابوں ایسے اتحادوں سے بچائے جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی ہو چکی ہے تو یہ فرقہ بازی ضرور ہوگی یہ تقدیر ازلی کا فیصلہ ہے کسی مٹائے نہیں مٹ سکتا، نہ ختم ہو سکتا ہے لہٰذا اتحاد کی فضول کوشش میں اپنا ایمان برباد مت کرو بلکہ قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَ اَھْلِیْکُمْ نَارًا۔ خود کو اور اہلِ عقیدت کو اِن ناریوں سے بچاؤ۔ اور عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ۔ کا لباسِ عزت پہن لو دونوں جہان کی کرامت پالو۔ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ کی تعلیم یہی ہے کہ اِن باطل فرقوں کو اتنا جلاؤ تڑپاؤ ستاؤ، کہ غیظ میں جل جائیں بے دینوں کے دل جس چیز سے یہ چڑتے ہیں اُس کو خوب کرو۔ اگر نعرۂ رسالت سے جلتے ہیں۔

تو جس جگہ ہوں وہاں اُٹھتے بیٹھتے یَارَسُوْلَ اللہ کی کثرت کیجئے

پروفیسر صاحب کی یہی وہ دوغلی پالیسی ہے جس کی بنا پر اُن پر فتوے لگے کہ لباس سنیت کا اور پرچار وہابیت کی چندے سنیوں سے تعریفیں وہابیوں کی، جب جواب نہ بن پڑا تو لگے معذرت کرتے ہوئے کہنے کہ میری مراد اِتحاد سے اتحادِ حنفی شافعی حنبلی مالکی اور چشتی قادری نقشبندی سہروردی ہے۔ اللہ کے بندو اِن میں اختلاف ہے ہی کب جو تم کو اتحاد کی حاجت پڑے یہ تو پہلے ہی سب ایک مسلکِ حق اہل سنت کی قطار میں وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ یہی معذرتی بیان یہاں اس ڈائری میں بھی دہرا رہے ہیں اور اختلافِ مسالک کے جواب میں۔ مافی الضمیر کو چھوڑ کر حنفی شافعی

کا ذکر سے بیٹھے۔ حالانکہ کتاب کے پہلے ایڈیشن میں وہابی، شیعہ، غیر مقلد فرقِ باطلہ کے اتحاد کی حمایت میں سب اچھے کی نعرہ بلندی فرما رہے ہیں بلکہ عملی صلح کلیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر باطل کے پیچھے نماز برباد کرتے پھر رہے ہیں میں کہتا ہوں کہ ہر مسلمان کو سوچنا چاہیئے کہ میری نماز و سجدہ اتنا بے قیمتی اور معمولی نہیں کہ ہر ایک کے پیچھے پڑھ کر برباد کرتے پھریں۔

سوال ۴۷، صفحہ ۲۲ پر سوال کیا گیا کہ آپ کا پسندیدہ ادیب کون ہے جواب میں پروفیسر کہتے ہیں کہ ابو الکلام آزاد۔ ہم نے تو بزرگوں سے سنا ہے کہ ابو الکلام آزاد صاحب بہت گمراہ قسم کے آزاد خیال انسان تھے۔ نہ اسلامی طرزِ تکلم، نہ کاملِ اتباعِ نبوت نہ مشرع چہرہ، اگر یہ صحیح ہے تو کیا پروفیسر صاحب جو اہلِ سنت اور قادری ہونے کے دعویدار ہیں، ان کی عقیدت ابو الکلام سے حیران کن نہیں ہے۔

جواب: ابو الکلام آزاد صاحب کا جتنا میں نے مطالعہ کیا اس سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ ابو الکلام احمد صاحب صرف تخلصاً ہی آزاد نہیں عقیدتاً بھی آزاد ہیں۔ مثلاً، اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں وہ کہیں کہیں ایسی بات کرجاتے ہیں جو صراحتِ قرآنی کے سراسر خلاف ہوتی ہے ۱ اصحابِ کہف کی زندگیِ غار کے سخت انکاری ہیں ۲ قریبِ قیامت یا جوج ماجوج کے وجود و خروج کے بھی منکر ۳ ایران میں آتش پرستی کے موجدِ ثانی زرتشت کو دبے لفظوں میں نبی تسلیم کرنے پر مصر ہیں۔ حالانکہ اس کی تعلیم میں آگ کو بڑی اہمیت حاصل ہے آگ کو معبود تو نہیں مگر مظہرِ معبود اور قوت کا سرچشمہ قرار دیا گیا ہے۔ زرتشت نے اپنی ایک مذہبی کتاب بھی بنائی جس کا نام اوستا رکھا زرتشت کی تعلیم میں رسالت کا

بالکل کوئی ذکر نہیں حالانکہ دینِ الٰہی توحید و رسالت پر ایمان لانے کا نام ہے نہ کہ فقط توحید، یعنی آدم علیہ السّلام سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک ہر نبی علیہ السلام نے اپنی اپنی اُمّت کو تمام انبیاء پر ایمان لانے کا درسِ ایمانی دیا ہے۔ ابوالکلام صاحب گوتم بدھ کو بھی نبی منوانے پر مُصر ہیں اور لکھتے ہیں کہ ذی الکفل اصل میں ذی الکپل تھا اِس کا معنیٰ ہے تخت والا اور یہ لقب تھا گوتم بدھ کا قرآنِ مجید میں ذی الکفل سے مراد گوتم بدھ ہے (معاذ اللہ) حالانکہ نہ گوتم بدھ کی تعلیم میں توحید کا ذکر ہے نہ زرتشت کی اور رسالت کا ذکر تو اشارۃً بھی نہیں ملتا، پروفیسر صاحب ابوالکلام کی ادبیت سے نامعلوم کیوں متاثر ہیں ادبیت کا اصطلاحی ترجمہ تو لفاظی ہے۔ بہرحال یہ اُن کی ذاتی پسند ہے ہمیں اِس سے کوئی سروکار نہیں، اگر نمرود شدّاد فرعون ہامان، سامری کے بھی عقیدت مند بن جائیں تو ہم انھیں کیسے روک سکتے ہیں، زیادہ خطرناک تو اِن کا وہ اقدام ہے جس میں وہ پردہ وغیرہ شعائرِ اللہ اسلامی سے قوم کو روگرداں کرا رہے ہیں۔ ویسے ہم نے سنا ہے کہ پروفیسر صاحب اپنے نظریات میں ضدی نہیں اگر دلائل سے سمجھایا جائے تو مان جاتے ہیں۔ لہٰذا چاہیئے کہ ایسے محنتی آدمی کی محنت کو بربادی سے بچانے کے لیے بذاتِ خود مل کر ان کو سمجھایا جائے مجھے یقین ہے کہ اِن غلط نظریات سے رجوع کر لیں گے آخر علم والے تو ہیں ہی اور غلطی کر جانا تو انسانی فطرت ہے

سوال ۴۸: میں نے پروفیسر صاحب کی ایک وڈیو کیسٹ دیکھی ہے جس میں وہ شرعی چار انگل داڑھی کی مخالفت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چار انگل داڑھی مسلمانوں کو کچھ ضروری نہیں، دو انگل بھی درست ہے کیا ان کی

یہ بات ٹھیک ہے !

جواب:- ان کے حوالے میں اُس وقت تک اِس مسئلے پر کوئی بات نہیں کروں گا جب تک میں خود ان کی وہ تقریر نہ سنوں جس میں انہوں نے داڑھی کے متعلق یہ غلط بات کی دراصل یہ بات ان کی بیان کردہ نہیں ہے بلکہ یہ بات ہمارے دَور کے ایک اور گمراہ مصنّف نے اپنی ایک شرح میں لکھی ہے اور ہم نے اُن کی اِن لغویات کا مکمل جواب اپنے فتاویٰ الاعطایا جلد چہارم میں دیدیا ہے۔

سوال ۴۹:- پانچ جنوری بروز پیر ۱۹۹۸ء جنگ لندن ص۲ میں رمضان مبارک کے متعلق ایک سروے رپورٹ شائع ہوئی جس میں لکھا ہے کہ سعودی حکومت رمضان اور عیدین کے چاند کا فیصلہ اُس وقت کر دیتے ہیں جب کہ ابھی چاند کی رویت تو درکنار رویت کا امکان بھی نہیں ہوتا، یہ سروے رپورٹ دراصل دوسرے معنوں میں سعودی عرب حکومت کی حمایت میں ہے اور درپردہ ان کی چمچہ گیری کرتے ہوئے تمام مسلمانوں کو اُن کی خودساختہ ضدی طبیعت کی پیروی کرنے کا مشورہ دے رہی ہے۔

مضمون نگار اپنے اِس مضمون میں چند وضاحتیں کرتا ہے پہلے دو فہرستیں لکھتا ہے کہ جنوری ۱۹۹۸ء کے رمضان میں کِن ممالک نے ۳۰ دسمبر ۱۹۹۷ء کو پہلا روزہ رکھا یہ ۲۲ ممالک ہیں جن میں اکثریت ممالک اور کچھ ممالک نے عرب ممالک کی دیکھا دیکھی بغیر آغازِ رمضان آخری شعبان کو رمضان کا نام دے کر روزہ رکھ لیا، اور تقریبًا دنیا کے چودہ ممالک نے اکتیس ۳۱ دسمبر ۱۹۹۷ء کو پہلا روزہ رکھا، ہندوستان اور بنگلہ دیش نے یکم جنوری کو پہلا روزہ رکھا، آگے لکھتا ہے کہ چند مولوی اپنی ضد بازی اور انا

کی خاطر اسی بات پر بضد ہیں کہ سعودی عرب نے غلط روزہ رکھوایا کیونکہ بیس۲۰ دسمبر کو چاند ہو ہی نہیں سکتا۔ مضمون نگار کہتا ہے کہ برطانیہ کے مسلمانوں کو چاہیئے کہ دیگر ممالک کی رویتِ ہلال کا انتظار نہ کرو بلکہ اپنے کمپیوٹر سے چاند کا پتہ لگا کر چاند مان لو۔ آسمان پر چاند اگرچہ نظر نہ آئے مگر تم مان کر روزہ عید کرو۔ سعودیہ پر اعتراض مت کرو تمہارے اعتراض سے انہیں کیا فرق پڑتا ہے ان کی اصلاح کی فکر مت کرو اپنی اصلاح کرو۔ تاکہ برطانیہ کی نئی نسلیں برباد نہ ہوں۔

جواب:۔ خدا جب دین لیتا ہے تو عقل بھی چھین لیتا ہے اِن چچہ گیری ذہنیت کی عقل کس طرح ماری گئی ہے کہ صحیح کام اور مطابقِ شریعت کرنے والوں کو اصلاح کا مشورہ دیا جا رہا ہے۔ لیکن غلط کار لوگوں کی حمایت میں کہا جا رہا ہے کہ انہیں کیا فرق پڑتا ہے۔ ارے آج دنیا میں تو واقعی کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ شاہی ڈنڈے کے زور پر روزہ، عیدین اور حج تباہ و خراب کئے جا رہے ہیں، شعبان میں رمضان، اور رمضان میں عید الفطر منائی جا رہی ہے۔ مگر کل قیامت میں یہ شاہی زور تو نہیں چلے گا۔ وہاں کی سزاءِ عذاب سے کیسے بچیں گے۔ خیال رہے کہ آج کل ثبوتِ چاند کے لیے تین طریقے اختیار کئے جا رہے ہیں ایک کا نام نیومون یعنی نیا چاند رکھا گیا ہے۔ دوم، امکانِ رویت کا نام رکھا گیا ہے، تیسرے طریقے کا نام رویتِ بصری ہے۔ قرآن و حدیث میں صرف رویتِ بصری کا اعتبار ہے، اور آنکھوں دیکھے چاند سے ہی مہینہ شروع ہوگا۔ خواہ دنیا کے کسی حصے میں نظر آجائے پوری دنیا میں نیا مہینہ شروع ہو جائے گا، اگرچہ بارہ گھنٹے کا فرق ہو۔ اور اوقاتِ شب و روز میں بارہ گھنٹے سے

زیادہ فرق کہیں بھی نہیں ہے یہ فرق زیادہ سے زیادہ بارہ گھنٹے تک ہے جیسے امریکہ اور پاکستان کا کہ جب پاکستان میں دن کے بارہ بجتے ہیں تو امریکہ میں رات کے بارہ بجتے ہیں، پوری تاریخ یعنی چوبیس گھنٹے کا فرق دنیا کے کسی حصے میں نہیں، اسی لیے پوری دنیا میں شمسی تاریخیں ایک جیسی رہتی ہیں، کبھی ایسا نہیں ہوا کہ پاکستان میں پہلی جنوری ہو اور امریکہ میں دو جنوری، یہی حال قمری تاریخوں کا ہے یعنی زیادہ سے زیادہ بارہ گھنٹے کا فرق پڑے گا، کیونکہ آسمان پر چاند بھی ایک ہے اور سورج بھی تو جب سورج کی تاریخوں میں بارہ گھنٹے سے زیادہ تعجیل و تاخیر نہیں ہو سکتی تو چاند کی تاریخوں بارہ گھنٹے سے زیادہ جلدی اور دیر کیسے ہو سکتی ہے، تو پھر یہ کیا شرارت ہے کہ سعودیہ میں چاند دیکھنے کی سنتِ نبوی اور حکمِ قرآنی پر عمل نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ وہاں اکثر مطلع صاف رہتا ہے۔ بلکہ سنا گیا ہے کہ وہاں چاند کو تلاش کر کے رویتِ بصری سے مہینہ شروع کرنا ممنوع ہے۔ بتایئے اس جبر و تشدد کو کیا جائے بہرکیف شریعتِ اسلام میں نیو مون اور امکانِ رویت کا کوئی اعتبار نہیں یہ سب مشینی اور شیطانی تخریب کاریاں ہیں اس کا مقصد صرف مسلمانوں کی عبادت کو خراب کرنا ہے۔ چاند وہی معتبر ہے جو مطلعِ فلک پر رویتِ بصری کی حدود میں آ جائے خیال رہے کہ چاند کا عروج جانبِ مغرب سے سورج کی روشنی چاند پر پڑنے سے ہوتا ہے۔ اور چاند کا زوال جانبِ مشرق سے روشنی پڑنے سے ہوتا ہے۔ جب جانبِ مغرب چاند سورج کے مدار میں اتنا قریب آ جائے کہ ایک ڈگری چاند پر سورج کی روشنی پڑے تو وہ پہلی کا چاند بن کر رویت کے قابل ہوتا ہے۔ اگر صرف مدارِ آفتاب میں آگیا لیکن ابھی آفتاب کی روشنی چاند پر نہ پڑ سکے تو وہ نیو مون ہے اس سے تاریخ

قمری نہ بدلے گی۔ اور اگر چاند کی قربت اور زائد ہو گئی مگر ایک ڈگری سے کم تو امکانِ روایت ہے یقینِ رویت نہیں۔ اس سے بھی نیا مہینہ شروع نہ ہوگا کبھی نظر آ بھی سکتا ہے مگر اکثر نہیں، اس لیے شریعت میں اس کا بھی اعتبار نہیں ہے۔ خلاصہ یہ کہ صرف مدارِ آفتاب میں آ جانے کا نام نیو مون رکھ لیا گیا ہے اور قربِ مدار کا نام امکانِ رویت رکھ لیا گیا۔ یہ صرف دل بہلاوا ہے نہ اس سے چاند کا ثبوت نہ قمری ماہ کی ابتداء۔ اور یہ کہنا کہ اکثر ممالک نے ۳۰ دسمبر کو یکم رمضان منایا، اسلام میں اس اکثریت کا بھی اعتبار نہیں ہے دینِ الٰہی اور اسلام اکثریت کے ساتھ لگنے کا حکم نہیں دیتا بلکہ حقانیت کا ساتھ دینے کا حکم دیتا ہے اکثر نہ دیکھو حقانیت دیکھو۔ واقعاتِ نمرود و خلیل، فرعون وکلیم، یزید و شہید یہی سبق دے رہے ہیں۔ چند سالوں سے یہ مذکورہ پروفیسر صاحب نامعلوم کیوں سعودیہ کی اندھی تقلید کرتے ہوئے اپنے پیروکاروں کے روزے وعیدین خراب کرا رہے ہیں اور سنّی ہو کر سنیوں کا کھا کر تقلید وہابیوں کی کرنے لگ گئے ہیں کیا یہ محنت یہ جگہ جگہ ادارہ سازی، چندہ گیری کی مہم کا مقصد صرف یہی ہے کہ معاشرے میں بے پردگی، عوام میں تصویر سازی اور مسلمانوں میں سعودیت پھیلائی جائے، اسلام تو بنیاد پرستی چاہتا ہے کیونکہ یہی حق پرستی ہے۔ آزادگی اور آوارگی پھیلانا خدمتِ اسلام نہیں یہ کیسا دردِ اُمّت ہے کہ مسلمان عورتوں کو پردے سے مسلمان نوجوانوں کو داڑھی اور شکلِ مصطفوی سے عوام کو شریعت کی ممنوعات و محرمات سے آزاد کر دیا جائے۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ منہاج قرآن والے امام مساجد کی داڑھیاں حدِّ شرع سے کم ہو رہی ہیں۔ اور لوگوں کی نمازیں ایسے اماموں کے پیچھے خراب ہو رہی ہیں۔ اور یہ سب کچھ پروفیسر صاحب

کے حکم سے ہو رہا ہے۔ لہٰذا ان تمام نمازوں روزوں عیدوں کا بوجھ کس کے سر پر بنتا جا رہا ہے کیا پروفیسر صاحب بروزِ قیامت یہ سب بوجھ برداشت کر سکیں گے۔ ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں خود سوچ لیں۔ عورتوں کی بے پردگی فوٹو سازی، آزاد خیالی، عبادت، بربادی کے اِن بے لذت گناہوں سے انہیں کیا فائدہ پہنچ رہا ہے، خود تو پاکستان میں بیٹھ کر صحیح اسلامی روزہ و نماز کر رہے ہیں مگر برطانیہ، ناروے پیرس، سویڈن میں اپنے پیروکاروں سے سعودی روزے وعیدین کروا رہے ہیں، بروزِ حشر وَهُمْ فِيْ جُنْدٌ مُحْضَرُوْنَ۔ میں شمولیت کر سکیں گے۔

سوال ن۵: ایک شخص نے مجھ کو بتایا کہ بذلُ المجہود شرح ابو داؤد میں لکھا ہے نمازِ عید الفطر کی قضا دوسرے دن جائز ہے۔ آپ کا مسلک کیا ہے؟

جواب: اس غلط نظریے کا جواب ہم نے اپنے فتاویٰ العطایا جلد دوم میں تفصیل سے دیدیا ہے وہاں دیکھئے یہاں بس اتنا سمجھ لو کہ عید الفطر کی قضا ہرگز جائز نہیں ہے ہاں اَلبتہ عیدُ الاضحیٰ کی قضا دوسرے دن جائز ہے اس لیے کہ عید کی نماز، اور روزہ دو متضاد چیزیں ہیں، جب عید ہو تو روزہ رکھنا حرام و ممنوع اور جب روزہ رکھنا جائز ہو تو عید ممنوع ہے عید الفطر کے دوسرے دن روزہ جائز ہو گیا اس لیے عید منع ہو گئی عیدُ الاضحیٰ کے دوسرے دن بھی روزہ ممنوع ہے اس لیے عید کی قضا جائز ہے۔

احادیث پاک میں عید الفطر کی قضا کہیں ثابت نہیں، بذلُ المجہود کا قضاءِ عیدُ الفطر جائز کہنا سَراسر جہالت ہے۔

سوال ۵۱: کبھی کبھی ریڈیو میں ایک نعت آتی ہے جس کا ایک مصرعہ مجھ کو کھٹکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ؎

قرآنِ پاک کی عظمت ہیرے رسول سے ہے، کبھی اس طرح پڑھا جاتا ہے، قرآنِ پاک کی عظمت رسولِ پاک سے ہے کیا شرعاً یہ پڑھنا جائز ہے۔

جواب: گناہ ہے، اس لیے کہ قرآن مجید کلامِ الٰہی اور صفتِ باری تعالیٰ ہے اس کی عظمت قدیمی ذاتی ہے اکثر شعرا جاہل ہوتے ہیں ایسے غیر شرعِ نظمیات وہی جاہل لوگ بنا دیتے ہیں پڑھنے والے نعت خوان بھی بیچارے اَن پڑھ بے علم ہوتے ہیں اس مصرعے کو اگر اس طرح تبدیل کر دیا جائے تو درست ہو جائے گا، اور شرعاً جائز بھی ؎

قرآنِ پاک کی شہرت رسولِ پاک سے ہے

سوال ۵۲: شیعوں کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت علی شیرِ خدا مولودِ کعبہ ہیں یعنی حضرت علی کعبے کے اندر پیدا ہوئے تھے۔ اس طرح کہ آپ کی والدہ طواف کر رہی تھیں کہ اُن کو دردِ زِہ شروع ہوا تو کعبے کی دیوار پھٹی اور آپ اندر چلی گئیں وہاں حضرت علی مولود ہوئے۔ اس کی دلیل میں ایک شعر لکھا ہے جس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ خواجہ اجمیری کا ہے ؎

کسے را میسر نہ شد ایں سعادت ⁂ بکعبہ ولادت بمسجد شہادت

اِن کُتبِ شیعہ سے پڑھ پڑھ کر ہمارے بعض حنفی سنی بریلوی، خُطبَا بھی اپنی تقریروں میں یہی بیان کرتے ہیں مگر پچھلے سال میں مکہ مکرمہ حج کرنے گیا تو مجھ کو زیارت کرانے والے ایک عربی معلّم نے بتایا کہ یہ گھر ہے جس میں مولیٰ علی کی ولادت ہوئی تھی۔ وہ گھر صفا مروہ کے پچھلی طرف تھا، میں نے اس سے کہا کہ فِی الْکِتَابِ مَشْهُوْرٌ اَنَّ الْعَلِیَّ وُلِدَ فِی الْکَعْبَۃِ۔ تو اُس نے کہا کہ غَلَطٌ وَّلَا مُمْکِنٌ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ میں یہ سن کر خاموش ہو گیا اس لیے اب میں آپ سے پوچھنے حاضر ہوا ہوں

کہ یہ بات کہاں تک درست ہے یا کہ ویسے ہی یہ بات بنا ڈلی مشہور کر دی گئی ہے۔ اور ہمارے جاہل خطیبوں نے قبول کر لی۔

جواب: معترض کا کہنا بالکل درست ہے۔ واقعی وہ گھر ہی مولد مولا علی ہے بہت حجاج نے اس کی زیارت کی ہے۔ کعبہ میں ولادت ہونا ناممکن ہے کیونکہ اولاً تو کعبے کا فرش زمین سے اتنا اونچا ہے کہ کسی طواف کرنے والے کا طواف کرتے ہوئے بغیر سیڑھی کعبے میں جانا بہت دشوار۔ دوم یہ کہ کعبہ معظمہ پر غلاف چڑھا ہوتا ہے اگر دیوار پھٹی بھی تو چھپی رہی کسی کو کیسے پتہ لگا کہ کہاں سے دیوار پھٹی ہے یہ تو تب معلوم ہوتا جب غلاف بھی اس جگہ سے پھٹ جاتا، سوم یہ کہ طواف میں بہت سے لوگ ہوتے اگر دیوار پھٹتی تو بہت سے لوگ دیکھتے اور تاریخ و حدیث میں یہ واقعہ ضرور مذکور ہوتا۔ چہارم یہ کہ وہ پھٹن کتنی تھی کتنی اونچی تھی اور پتہ کیسے لگا۔ ایک وہ عورت جس کو شدت کا دردِ زہ ہو رہا ہے۔ چند منٹ بعد اس کے حمل کی ولادت ہونے والی ہے چھوٹے قد کی بی بی صاحبہ بغیر سیڑھی کعبے میں کس طرح پہنچیں غلافِ کعبہ اور فرشِ کعبہ و دروازۂ کعبہ کا اونچا ہونا یہ دونوں چیزیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھیں احادیثِ مقدسہ میں ان کا ذکر آتا ہے۔ پنجم یہ کہ کون سیڑھی لایا پھر کس نے بعد میں سوراخ اینٹ پتھر کو سیمنٹ یا گارے سے جوڑ کر بند کیا، پھر وہ سوراخ کتنا بڑا تھا جس میں سے فاطمہ بنت اسد اُمِ علی گزر گئیں۔ ششم یہ کہ ولادت میں کراہنے کے علاوہ رحم سے کافی گندی اشیا بھی خارج ہوتی ہیں۔ اُس سے کعبہ کا فرش خراب ہوا ہو گا وہ کس نے صاف کیا۔ ہفتم یہ کہ کعبے کا دروازہ اُس زمانے میں صرف رات

کو بند ہوتا تھا اور دن میں سارا دن کھلا رہتا تھا۔ دن میں تین وقت مشرکین اُن بتوں کی پوجا کرتے تھے صبح دوپہر شام، شام کی پوجا کے بعد کعبہ مقفل کر دیا جاتا، لوگوں کی پوجا تین طرح ہوتی تھی کچھ لوگ کعبے کی چوکھٹ پر ماتھا لگاتے کچھ لوگ باہر کھڑے بتوں کو دیکھتے اور اُن کو سلام کرتے اُن کو کلام کرتے اُن کی طرف ہاتھ پھیلا کر دعا مانگتے۔ کچھ لوگ کعبے باہر والے بتوں کی پوجا کرتے۔ کچھ لوگ صفا اور مروہ کے بتوں کی پوجا کرتے۔ مولیٰ علی شیرِ خدا کی ولادت بوقتِ اشراق ہوئی ہے۔ اب سوچو کہ اتنی بھیڑ۔ اور لوگوں کی موجودگی میں دروازہ کھلے میں سب کے سامنے ولادت ہونی کیا یہ بات درست ہو سکتی ہے۔ نیز کعبہ میں اُس وقت ہر طرف بتوں کی رِحسیبت خود فاطمہ بنتِ اسد اُس وقت بحالتِ کفر بت پرست آپ کے خاوند حضرت ابو طالب بھی غیر مسلم اِن آٹھ سوالات کا جواب اُن شیعہ لوگوں اور سنّی خطیبوں کے پاس کیا ہے۔ بہر کیف جُہلا تو ایسی باتیں بنا اور کر سکتے ہیں مگر اہلِ علم اِس کو کبھی نہیں مان سکتے۔ رہا وہ شعر جو خواجہ اجمیری کی طرف منسوب وہ ہم نے سنا ہے مگر یہ ایک ہی شعر ہے اس کے ساتھ کوئی دوسرا شعر کسی کو معلوم نہیں۔ اگر یہ خواجہ صاحب کا ہی ہو۔ تو پھر اس سے مولودِ کعبہ ہونے کی دلیل لینا بالکل حماقت ہے اس میں تو ظاہر طور نفی ہے۔ یعنی شاعر فرما رہا ہے کہ کسی شخص کو بھی میسّر نہیں ہے یہ سعادت کہ اُس کی ولادت کعبے میں ہوئی ہو۔ اور وفات کے وقت مسجد میں شہادت ہوئی ہو یہ دونوں سعادتیں کسی ایک شخص میں جمع نہیں ہوئیں نہ مولیٰ علی کو میسّر نہ کسی اور کو۔ بلکہ مولیٰ علی کو تو مسجد کے اندر شہادت بھی نہ ملی کیونکہ مسجد کے دروازے پر آپ کی شہادت

ہوئی تھی۔ صحابہ کرام میں صرف فاروقِ اعظم کی شہادت محرابِ مسجدِ نبوی شریف میں نمازِ فجر کی پہلی رکعت میں آپ کی شہادت ہوئی۔ شیعہ لوگ اکثر ایسی ہی احمقانہ غلط باتیں بنا لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ سعادت ہے حالانکہ مولیٰ علی کی شان سے تو زمین بھری پڑی۔ تو کیا ضرورت ہے ایسی بنا دیں کر تیکی رستی بھی دیوانے ہوئے پھرتے ہیں، ذرا عقل سے کام نہیں لیتے۔ مولیٰ علی کی ولادت کا مختصراً واقعہ اس طرح ہے کہ آپ کی والدہ فاطمہ بنتِ اسد اپنی پانچ سہیلیوں کے ساتھ طوافِ کعبہ کر رہی تھیں تیسرے چکر میں تھیں کہ آپ کو دردِ زہ شروع ہوا تو آپ طواف چھوڑ کر گھر تشریف لے آئیں اور وہیں گھر میں ولادتِ مولیٰ علی ہوئی۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

سوال ۵۲:۔ ایک ماہنامہ رسالے میں پڑھا ہے کہ ایک دفعہ فاروقِ اعظم بیتُ اللہ کا طواف کرنے گئے تو دیکھا کہ ایک بندہ حرم شریف میں بیٹھا یہ دعا عرض کر رہا ہے کہ یا اللہ مجھے اپنے تھوڑے بندوں میں شامل فرما۔ بار بار یہی دعا مانگ رہا ہے۔ فاروقِ اعظم نے اُس سے پوچھا کہ اے بندے یہ کیسی دعا تو مانگ رہا ہے اُس نے کہا یا امیر المومنین کیا آپ کو قرآنِ مجید کا علم نہیں آتا۔ کیا آپنے وہ آیت نہیں پڑھی۔ وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ۔ اس کا ترجمہ ہے اور میرے شکر گزار بندے تھوڑے ہیں، یہ سُن کر عمر خاموش ہوئے اور پھر بولے واقعی تیرا علم عمر سے زیادہ ہے۔ کیا یہ واقعہ درست ہے؟

جواب:۔ جواب قطعًا غلط کسی روایت سے ثابت نہیں کسی خبیث شیعہ رافضی نے محض فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گستاخی کرتے ہیے لیے

یہ بتایا ہے۔ فاروقِ کا علم و عمل تو آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہے اور آیتِ پاک کا یہ مفہوم اور مطلب لینا تو اس دعا مانگنے والے کی جہالت ظاہر کر رہا ہے۔ کیونکہ اِس آیتِ پاک میں شُکُوْر مصدر ہے بروزنِ فُعُول عُدُوْلُ اور اِس شکور مصدر کا تعلق عِبَادِیُ سے نہیں بلکہ قَلِیْل سے ہے اور آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ میرے بندوں سے شکرگزاری تھوڑی ہے یعنی شکر گزار بندے تا عمر کتنا ہی شکر کریں ان کا شکر کرنا میری نعمتوں کے مقابل بہت تھوڑا ہے۔ یہ معنیٰ نہیں ہے کہ شکر کرنیوالے بندے تھوڑے ہیں بلکہ معنیٰ یہ ہے میرے بندوں کا شکر تھوڑا ہے۔ اگر بندوں کی قِلّت مراد ہوتی تو مِنْ عِبَادِیُ نہ ہوتا بلکہ عِبَادِیَ الشُّکُوْرُ ہوتا جس کا معنیٰ ہے میرے بندوں میں شکر کرنے والے تھوڑے ہیں۔ لفظِ شکور مصدر بھی ہے۔ اسم فاعل بھی یہ نیک بندوں کا لقب بھی اور اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام بھی جب بندوں کا لقب مراد ہو تو معنیٰ ہوگا شکر کرنیوالے جب رب تعالیٰ کا نامِ پاک مراد ہو تو معنیٰ ہوگا بندوں کا شکر قبول کرنیوالا۔ اور جب مصدر مراد ہو تو معنیٰ ہوگا، شکر کرنا شکر گزار ہونا سورۃِ سبا کی اِس آیت ۱۳ کے علاوہ سورۃِ فرقان کی آیت ۶۲ میں بھی لفظِ شُکُوْر مصدر ارشاد ہوا ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّکَّرَ اَوْ اَرَادَ شُکُوْرًا۔ (۶۲)۔ ترجمہ جس نے گے ارادہ کیا یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے یا ارادہ کیا شکر کرنے کا اس کے لیے رب تعالیٰ نے رات اور دن کو خلیفہ بنایا۔

سوال ۵۴ ، مودودی صاحب اپنی کتاب تفہیم القرآن جلد سوم کے ص۲۰ پر لکھتے ہیں،، لہٰذا قابلِ ترجیح وہی روایت ہے جو ہم نے پہلے نقل کی ہے

اگرچہ اُس کی سند ضعیف ہے مگر قرآن سے مطابقت اس کے ضعف کو دور کر دیتی ہے اور یہ دوسری روایات گو سنداً قوی تر ہیں لیکن قرآن کے ظاہر بیان سے عدمِ مطابقت اِن کو ضعیف کر دیتی ہے۔ یہاں بھی مودودی صاحب صحیح سند والی احادیث کے منکر نظر آتے ہیں، پھر آگے چل کر صـ۲۴۱ پر سورۃ نجم میں۔ تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى۔ والے واقعے کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اگر اس قِصّے کو پرکھ کر دیکھا جائے تو یہ ناقابلِ قبول قرار پاتا ہے۔ چاہے اِس کی سند کتنی ہی قوی ہو۔ یا قوی ہوتی، اس عبارت میں بھی صحیح الاسناد احادیثِ مقدسہ کا انکار ظاہر جھلکتا ہے۔ کیا مودودی صاحب کی یہ عبارتیں جو اُن کا صحیح عقیدہ بھی معلوم ہوتا ہے درست ہیں

جواب۔ تِلْكَ الْغَرَانِيْقِ والی روایت کو تو ہم سب مسلمان اور علماء فقہاء محدثین غلط کہتے ہیں مگر تردید کرنے کے لیے عقل اور ادب تہذیب چاہیئے۔ یہ بات درست نہیں کہ جو کلام سمجھ نہ آئے یا اپنی بے عقلی سے مطابقت نہ بن سکے تو اُس کا انکار کر دیا جائے۔ مودودی صاحب کی ان دونوں تفہیم کے صـ۲ اور صـ۲۴۲ والی عبارتوں سے چار باتیں سمجھ آتی ہیں۔ ۱۔ یا تو مودودی صاحب خود بھی منکرِ حدیث ہیں کیونکہ منکرینِ حدیث اِسی قسم کی ناسمجھیوں بدعقلی کی بنیاد پر احادیث کی حقانیت کا انکار کرتے چلے جاتے ہیں ۲۔ یا پھر مودودی صاحب منکرینِ احادیث سے شکست خوردہ ہیں ۳۔ یا پھر منکرینِ حدیث کے لیے انکارِ حدیث کا مزید راہ ہموار کر رہے ہیں ۴۔ یا پھر مودودی علم اصولِ حدیث سے بالکل کورے اور صفر ہیں، ورنہ کبھی ایسی عامیانہ بات اور گستاخیِ حدیث نہ کرتے، واضح رہے کہ سنداً قوی حدیثِ مقدس روایتاً و درایتاً متناً و سنداً ثقہ حدیث کو

کہتے ہیں اور ثقہ حدیث یا متواتر ہوتی ہے یا مشہور، متواتر حدیث کا انکار اُسی طرح کفر ہے جیسے آیتِ قرآنی کا انکار، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا فرمان ہونا ثابت اور جب قول ہونا ثابت تو بحکمِ قرآنی ، وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی دالخ) وہ قول وحیِ الٰہی ہے اور وحیِ الٰہی کا انکار کفر ہے اپنی سمجھ میں آئے یا نہ آئے ماننا لازم ہے ، نہ ماننا کفر ہے ۔ جیسے کہ آیتِ قرآنی کہ سمجھ آئے یا نہ آئے ماننا ایمان لانا ضروری نہ ماننا کفر مودودی صاحب نے صفحہ ن۲۰ پر ایسی گستاخی کی ہے کہ اگر توبہ نہ کی ہو گی تو ایمان کا خطرہ ہے۔ انکارِ حدیث کے لیے پہلے خود ہی ایک بیہودہ قاعدہ بناتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ یہ حدیث اِس قاعدے کے تحت قرآنِ مجید کے مطابق نہیں لہٰذا اگرچہ سنداً قوی ہے مگر ہم نہیں مانتے (یعنی ظالم انسان رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمانِ اقدس کو صرف اپنے لغو بناوٹی قاعدے پر پورا نہ اُترنے کی وجہ سے نہیں مانتا ہے مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے اور پھر ایک اور دوسری ضعیف روایت کو حدیثِ رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقابل ترجیح اور یہ مانتے ہوئے بھی کہ جس روایت کو میں مان رہا ہوں وہ غلط اور ضعیف ہے اور جس کا انکار کر رہا ہوں وہ صحیح اور قوی ہے ، صرف اس لیے کہ میرے منہ سے جو قاعدہ نکل گیا ہے کسی طرح وہ بچ جائے ، بھلے سے آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے فرمانِ اقدس کا انکار ہو جائے اسی لیے ہر فرقے کے علماءِ زمانہ نے کہا ہے کہ مودودی صاحب اور ان کی یہ تصنیف گمراہ کرنے والی ہے ایسی کتابوں سے مسلمانوں کو بچنا چاہیئے اگر اسی طرح جہلاءِ زمانہ اپنی عقلی مطابقت پر اپنا ایمان وعقیدہ بنائے

پھریں لگے تو پھر تو کل کو جو آیتِ پاک بھی اپنی عقل و فہم میں نہ آئے اُس کا بھی انکار کر دینا، اور سیدھا جہنم میں جانا، حقیقت یہ ہے کہ ایک بھی سنداً قوی اور ثقہ حدیث ایسی نہیں جس کی آیتِ قرآنی سے واقعتاً مطابقت نہ ہو سکے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی کی مودودی صاحب جیسی عقل مطابقت نہ جان سکے مطابقتِ قرآن و حدیث کے لیے کثیر علم اور فراستِ ایمانی و نورِ بصیرت ضروری ہے اور منکرینِ حدیث انہی سے خالی ہیں۔ ہمارے اساتذہ فرماتے تھے کہ ایک آیت کریمہ یا حدیثِ مقدسہ کو سمجھنا اور مطابق کرنے کے لیے تقریباً چالیس علوم کی ضرورت ہے۔ قرآن و حدیث سمجھنا کوئی آسان کام نہیں کہ اخباروں رسالوں سے نکل کر سجادۂ تفہیم پر بیٹھ جائیں اور لگیں اندھے کی لاٹھی کی طرح اوندھے سیدھے مَن مرضی کے قلم چلانے۔ میں اپنے احباب کو ایسی تفہیموں سے منع کرتا ہوں کیونکہ گمراہی اِن سے کچھ دور نہیں۔ اس کی تفصیل تفسیر نعیمی پارہ ۱۷ میں دیکھئے۔

سوال نمبر ۵۵ : اس کی کیا وجہ ہے کہ چند دن پیشتر ایک ہی معاملے میں آپ نے تین فتوے جاری فرمائے مگر تینوں کی نوعیت اور حکم آپ نے مختلف لکھا، ہمارے چند احباب آپ کے ان تینوں فتووں کو دیکھ کر حیران ہیں۔ مثلاً ایک سُنّی خاوند نے اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں۔ اس خاوند بیوی نے۔ عدت گزارنے کے بعد ایک غیر مقلد وہابی مولوی سے ذکر کیا تو اُس نے دونوں کا نکاح کر دیا۔ اُس کے خلاف آپ نے فتویٰ دیا کہ نکاح غلط ہے اس لیے خاوند بیوی کو فوراً علیحدہ کر دیا جائے۔ آپ کا دوسرا فتویٰ اس طرح ہے۔ ایک سنی خاوند نے اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دیں۔ تو ہمارے سنی امام

صاحب نے عدت کے بعد ان دونوں خاوند بیوی کا نکاح کر دیا۔ آپ نے فتوٰی دیا کہ نکاح غلط ہے۔ امام مسجد گنہگار ہوگیا اور اس پر تعزیری کفارہ لازم ہے اور دونوں خاوند بیوی کو علیحدہ کر دیا جائے۔ آپ کا تیسرا فتوٰی اس طرح ہے کہ ایک سنّی امام مسجد نے تین طلاقوں والی بیوی کا نکاح اسی طلاق دینے والے خاوند سے بغیر حلالہ کر دیا۔ تو آپ نے فتوٰی دیا، کہ امام مسجد مرتد ہوگیا، اس کو دوبارہ کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا جائے اور اگر وہ شادی شدہ ہے، تو کلمہ پڑھا کر نکاح بھی دوبارہ کیا جائے اور دونوں خاوند۔ بیوی کو علیحدہ کر دیا جائے۔ کیونکہ نکاح غلط کیا گیا آپ کے یہ تینوں فتوے حکم میں مختلف کیوں ہیں جب کہ تینوں اماموں کا کام ایک جیسا ہے۔

جواب :۔ اس کی وجہ یہ کہ پہلے وہابی غیر مقلد امام نے اپنے مذہب کے مطابق عمل کیا۔ اگرچہ وہ غلط ہے۔ مگر چونکہ وہ ان کا مذہب ہے اگرچہ غلط ہے مگر وہ وہابی امام اس نکاح پڑھانے سے نہ مرتد ہوگا اور نہ اس پر کفارہ لازم ہوگا دوسرے سنّی امام نے اپنے اس غلط کام پر یہ وجہ بیان کی کہ میں اس تین طلاقوں کو تاکیدی طلاق سمجھا۔ اس لیے میں نے اس کو ایک طلاق سمجھ کر عدت کے بعد نکاح کر دیا۔ تو چونکہ اس سنّی امام کی یہ سوچ جاہلانہ تھی توہین شریعت اس نے نہ کی صرف کسی عالم دین سے مسئلہ پوچھے بغیر نکاح پڑھا دیا۔ لہٰذا وہ شرعی مجرم ہوا تو اس پر تعزیری کفارے کی سزا لازم ہوگئی۔ تیسرے سُنّی امام نے مسئلہ جانتے ہوئے محض دنیوی لالچ میں پیسوں کی خاطر نکاح پڑھا شریعت سے بے پرواہی کر کے تو چونکہ اس سے شریعت کی توہین اور قرآن وحدیث

کی گستاخی ہوئی اور اسلام کی توہین کرنا کفر ہے۔ اس لیے وہ امام مرتد ہو گیا جس سے نکاح بھی ٹوٹ گیا۔ یہ وجہ تھی کہ تینوں معاملات کی نوعتیں بدل گئیں لہٰذا شرعی فتویٰ بھی بدل گیا۔ یہی فرمان عرب و عجم کے مقتدا اعلیٰحضرت بریلوی کا ہے کہ نہ کسی کو کافر کہنا آسان ہے، نہ کسی شرعی مجرم کو معاف کرنا جائز ہے، نہ کسی مرتد کو مسلمان سمجھنا جائز ہے ہمارے یہ فتاویٰ ہر مقدمے میں مکمل بیانات لینے کے بعد جاری ہوئے ہر فیصلے میں مدعی مدعیٰ علیہ اور گواہان کے بیان لیے گئے تھے۔

سوال ۵۶۔ اکثر وہابی اور دیوبندی لوگ اللہ تعالیٰ کو اللہ صاحب کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو آپ جناب کر کے۔ جمع حاضر اور جمع غائب کے صیغے اور الفاظ سے بولتے اور پکارتے ہیں اور اسی طرح کتابوں میں لکھتے ہیں۔ مگر اہلِ سنت والجماعت حضرات اللہ تعالیٰ کو اللہ صاحب بھی نہیں کہتے اور آپ جناب یا جمع حاضر و غائب کے لفظوں سے بھی نہ لکھتے ہیں نہ پکارتے ہیں بلکہ واحد حاضر و غائب کے صیغوں سے لکھتے اور پکارتے ہیں اور بجائے اللہ صاحب کہنے کے اللہ تعالیٰ کہتے اور لکھتے ہیں یہ اتنا عام ہے کہ گویا یہ ہر گروہ کا اپنا اپنا نشان بن چکا ہے۔ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ ان دونوں طریقوں میں کونسا درست ہے یعنی کونسا جائز اور کونسا ناجائز ہے۔

جواب۔ وضاحت کے لیے اولاً یہ یاد رکھو کہ شیعہ حضرات کی طرح وہابی دیوبندی لوگوں نے بھی اپنے تمام اعمال و افعال، الفاظ مسلمانوں سے جدا کر لیے ہیں، یہاں تک کہ اذان، تلاوت، نعرے وغیرہ بھی اس

طرح جدا کر لیے کہ سنتے ہی وہابی سُنّی کا فرق معلوم ہو جاتا ہے اور یہ سب کچھ وہابیوں دیوبندیوں نے خود اپنی من مرضی سے کیا ہے۔ جب وہابی اذان دے گا، تو بغیر اَعُوْذُ بِاللّٰہ اور بِسْمِ اللّٰہ پڑھے لیکن جب سُنّی اذان دیتا ہے تو حضرت بلال کے طریقے کے مطابق اَعُوْذُ بِاللّٰہ اور بِسْمِ اللّٰہ بلکہ درود شریف بھی پڑھ کر اذان شروع کرتا ہے۔ وہابی دیوبندی جب تلاوت ختم کرتا ہے۔ تو صرف صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ۔ پڑھتا ہے۔ لیکن جب سُنّی قاری تلاوت ختم کرتا ہے تو صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ پڑھنے کے بعد وَ بَلَّغَنَا رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ۔ بھی پڑھتا ہے۔

سُنّی اپنی مسجد میں یا اللہ یا رسولَ اللہ لکھتا ہے۔ وہابی دیوبندی اپنی مسجد میں اللہ محمد لکھتا ہے۔ سُنّی اپنے نعروں میں تاجدارِ ختمِ نبوت زندہ باد کہتا ہے لیکن دیوبندی وہابی تاج و تختِ ختمِ نبوت زندہ باد کہتا ہے یعنی اہلسنّت تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ سمجھتے ہیں اور وہابی صرف تاج تخت کو۔ یہ ہیں دیوبندی کی فاسدانہ اور جعلی کی باتیں۔ اِسی بنیاد پر وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا یار دوست اور با اَدب سمجھتے ہوئے ایسے الفاظ بولتے ہیں جو حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی بے ادبی اور گستاخی بن جاتی ہے۔

شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ کوئی لفظ کتنا ہی ادب، تعظیم والا اور اعلیٰ و بالا اونچا ہو مگر وہ لفظ عام انسانوں کے لیے استعمال ہوتا ہو تو وہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال کرنا جائز نہیں۔ اس قانون کے مطابق اللہ تعالیٰ کو آپ جناب کہنا۔ جمع حاضر غائب کے صیغے سے پکارنا اللہ صاحب کہنا۔ اللہ سائیں کہنا۔ اللہ تعالیٰ کو آقا یا سخی کہنا وغیرہ تمام اَلفاظ گناہ ہیں۔ کیونکہ یہ الفاظ اِنسانوں کے لیے

ر اللہ تعالیٰ کے لیے صرف وہ الفاظ بولنا چاہئیے جن میں اللہ تعالیٰ کی ہی توحید نظر آئے اور وہ الفاظ جو کسی بھی انسان کے لیے استعمال نہ کیے جا سکتے ہوں۔ جیسے۔ تعالیٰ، سبحان۔ جَلَّ۔ وَعَلیٰ۔ وَ مَجْدُہٗ وغیرہ۔ ایک دفعہ پیر کرم شاہ صاحب گجرات میں تشریف لائے تو اپنی گفتگو میں اللہ تعالیٰ کے لیے اسی قسم کے وہابیانہ جمع کے الفاظ استعمال کرنے لگے مثلاً اللہ فرماتے ہیں۔ اے اللہ آپ بڑے اچھے ہیں آپ سبحان ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ اس طرح کیوں بولتے ہیں تو فرمانے لگے کہ اس میں ادب ہے تو میں نے عرض کیا کہ اس طرح کے ادب کا کبھی کوئی کہیں دلیل یا ثبوت قرآن و حدیث میں موجود ہے یا کبھی اس قسم کا ادب انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی دعاؤں اور کلاموں عرضوں لفظوں میں نظر آتا ہے وہاں تو ہر جگہ اَنْتَ۔ اِنَّکَ، وغیرہ ہی نظر آتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کو تُو کہہ کر پکارنا بے ادبی ہے تو کیا انبیاءِ کرام علیہم السّلام بے ادب تھے۔ (معاذ اللہ) نیز آپ کی کتابوں میں بھی بہت جگہ اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ تُو استعمال ہوا ہے۔ تو کیا وہ آپ سے بھی بے ادبی ہوئی ہے، اس پر پیر صاحب مسکرا کر لاجواب ہو گئے اور فرمانے لگے کہ آپ کی یہ بات واقعی بہت وزنی ہے اور پھر اس طرح کہ الفاظ استعمال نہ فرمائے بلکہ الفاظِ توحیدی ہی بولتے رہے۔

سوال ۷۵ :۔ ہم نے ایک غیر مقلّد وہابی کی کتاب میں دیکھا ہے، وہ لکھتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ نمازی کے آگے سے نکلنے کی ممانعت صرف اس کے سجدے کی جگہ تک ہے، اور اُس کی اگلی صف میں نمازی کے

آگے سے گزرنا جائز ہے۔ اور دلیل میں یہ روایت پیش کرتا ہے کہ حدیث پاک ہے کہ نماز پڑھنے والے کو چاہیئے کہ جب کوئی اس کے آگے سے نکلنے لگے تو اپنے ہاتھ سے اُسے روک دے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اتنے فاصلے سے گزرنا منع ہے جہاں تک نمازی کا ہاتھ پہنچ سکے ورنہ ہاتھ سے روکنے کا کیوں حکم دیا جاتا وہی وہابی آگے لکھتا ہے کہ نمازی کے آگے سے گزرنے سے ممانعت بھی صرف اس لیے کی گئی ہے۔ تاکہ نمازی کے سجدے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ گویا کہ ہر نمازی صرف اپنی اُس جگہ کا مالک اور حق دار ہوجاتا ہے، جہاں تک اُس نے سجدہ کرتا ہے نمازی کا حق اپنے سر سجدے سے آگے بالکل نہیں ہے۔ تو چونکہ نمازی کا حق صرف ایک صف کے برابر ہے، اور اسی میں اس کے حق کی حفاظت ہے، اس لیے اگلی دوسری اور تیسری صف سے گزر جانا بالکل جائز ہے یہی بات چند دن بیشتر ریڈیو پاکستان اسلام آباد کے نشریاتی پروگرام حیَ علیٰ الفلاح کے تیسرے حصے آپ نے پوچھا ہے ہیں ایک مولوی صاحب نے بیان کی، غالبًا وہ بھی کوئی وہابی مولوی ہی تھے، اس لیے کہ اس حصے کے اکثر مسائل عام مشہور اور مروّج مسائل کے خلاف اور غلط ہی ہوتے ہیں، آپ فرمائیں کے نمازی کے آگے سے گزرنے کا شرعی حکم کیا ہے۔

جواب:۔ میں حیران ہوں کہ پہلے تو دیوبندی وہابی لوگوں کے عقائد میں ضلالت ہوتی تھی۔ اور اب موجودہ دیوبندی وہابی مولوی کے مسائل میں بھی جہالت ہوگئی ہے، یہ مسئلہ قطعًا غلط لکھا اور بیان کیا گیا ہے۔ اصل شرعی مسئلہ اس طرح ہے کہ مسجد یا کوئی بھی نماز گاہ چھوٹی

ہو یا بڑی ہر نمازی کے آگے سے گزرنا اُس حد تک گزرنا منع ہے۔ جہاں تک کھڑا یا بیٹھا نمازی اپنی پیشانی کی جگہ پر نظر رکھتے ہوئے آگے تک دیکھ سکے، وہ تقریباً سجدے گاہ سے دو صف آگے تک ہے۔ یعنی نہ نمازی والی صف سے آگے گزر سکتا ہے، نہ اس سے اگلی نہ اُس سے اگلی، ہاں البتہ نمازی کے آگے چوتھی صف سے گزر سکتا ہے، اسی لیے حدیثِ پاک میں پہلی صف سے گزرنے والے کو ہاتھ سے روکنے کا حکم ہے اور دوسری و تیسری صف سے گزرنے کے لیے ایک شرعی گز اونچا لمبا سُترہ رکھنے کا حکم ہے۔ تاکہ آگے سے گزرنا جائز ہو جائے یہی وجہ ہے کہ سُترہ پہلی صف کے آگے لگانا چاہیئے، تیسری صف کے آگے لگانا جائز نہیں، کیونکہ چوتھی صف سے گزرنا تو شرعاً ویسے ہی جائز ہے۔ اگر دوسری اور تیسری صف سے بھی گزرنا جائز ہوتا تو پھر سُترہ لگانے کی ضرورت کیا تھی۔ اگر مسجد چھوٹی ہے تو پیچھے سے گزرے یا سلام پھیرنے کا انتظار کرے نمازی کو بھی ہر جگہ نماز سے بچنا چاہیئے۔

سوال ۵۸: آج کل ہر جھوٹا فرقہ بھی اپنے آپ کو اہلِ سنّت کہتا ہے، ہمیں بتایا جائے کہ جھوٹے سُنّی اور سچے سُنّی میں فرق کیا ہے پہلے تو تفضیلی شیعہ اپنے آپ کو سُنّی کہتے تھے اب تبرائی شیعوں نے بھی خود کو سُنّی کہنا شروع کر دیا۔

جواب: بے شمار فرق ہیں۔ اس کی وضاحت ہمارے فتوٰی العطایا جلد جلد دوم میں دیکھئے۔ یہاں اتنا سمجھ لو سچے اہلِ سنّت جبریلی سنّی ہیں اور جھوٹے اہلِ سنّت ابلیسی عزازیلی سنّی ہیں۔ شیعہ کوئی بھی سنّی نہیں تفضیلی ہو یا تبرائی یہ سب رافضی ہیں۔ ان کا سرغنہ عبداللہ ابن صبا یہودی

تو مسلم ہے۔

سوال نمبر ۵۹ :۔ امام الوہابیان اشرف علی تھانوی کے چند خطوط میں ہم نے پڑھا ہے کہ تھانوی صاحب اپنے کسی پیر و مرشد کو اپنے خط میں لکھتے ہیں۔ جناب قبلہ وکعبہ میاں صاحب وغیرہ وغیرہ ایک شخص نے ہمیں بتایا کہ کسی انسان کو قبلہ وکعبہ کہنا یا لکھنا گناہ ہے۔ آپ سے عرض ہے کہ کیا واقعی ایسا لکھنا یا کہنا شرعاً گناہ ہے یا نہیں، ہمارے محلوں میں اکثر بزرگوں اور والدین کو قبلہ وکعبہ کہہ دیا جاتا ہے۔ ہم کو شرعی حکم سے آگاہ فرمایا جائے۔

جواب :۔ قانونِ شریعت کے مطابق کسی بزرگ کو قبلہ کہنا جائز ہے مگر کعبہ کہنا گناہ اور جہالت ہے اس لیے کہ لفظ قبلہ صفاتی نام ہے اور لفظِ کعبہ بیت اللہ شریف کا ذاتی نام ہے لہٰذا کسی بھی شخص کو کعبہ کہنا غلط اور جہالت ہے، تھانوی صاحب کا قبلہ وکعبہ لکھنا ان کی جہالتوں میں سے ایک جہالت ہے۔ عام لوگوں کا اس طرح کی غلطی کرنا اتنا حیران کن نہیں جتنا کہ تھانوی صاحب جیسے علامہ کہلانے والوں کا اس طرح جہالت دکھانا، عوام میں تو بعض بیوقوف لوگ اپنے بزرگوں کو قبلہ وکعبہ مکہ مدینہ منورہ بھی کہہ دیتے ہیں، مگر یہ سب احمقانہ جہالتیں ہیں۔

سوال نمبر ۶۰ :۔ ہم نے ایک وہابی کی کتاب میں دیکھا ہے کہ اگر بیوی کے ساتھ خاوند کی خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی ہو یا خاوند نے اپنی بیوی سے صحبت نہ کی ہو یعنی رخصتی بالکل نہ ہوئی ہو اور اگر خاوند بیوی کو طلاق دے دے تو وہ صرف طلاقِ بائنہ ہی ہو سکتی ہے۔ ایسی بیوی کے لیے

تین طلاقوں کی گنجائش نہیں نہ تین طلاقیں پڑ سکتی ہیں نہ طلاق رجعی یہی مسئلہ کل ریڈیو پاکستان اسلام آباد کے نشریاتی پروگرام، حیّ علی الفلاح کے حصّے سے آپنے پوچھا ہے۔ یہیں بھی ایک وہابی مولوی یہی مسئلہ اسی طرح بیان کر رہا تھا۔ مگر ہمارے امام صاحب نے یہ سن کر فرمایا کہ یہ مسئلہ غلط اور جاہلانہ ہے۔ مگر انہوں نے غلط ہونے کی وضاحت نہ فرمائی، آپ اس مسئلے کو واضح فرمائیں۔

جواب:۔ وہابی صاحب کی کتاب اور ریڈیو کا یہ مسئلہ واقعی غلط ہے، شرعاً صحیح مسئلہ اس طرح ہے کہ جس بیوی کی رخصتی نہ ہوئی ہو۔ اُس کو شریعت میں غیر مدخولہ بیوی کہتے ہیں۔ ایسی بیوی پر عدت نہیں ہوتی لہٰذا ایسی بیوی کو اگر خاوند ایک یا دو طلاق دے دے ایک دم تو وہ ایک یا دو توں طلاقیں رجعی ہوں گی۔ اور ہر طلاقِ رجعی عدت کے بعد بائنہ بن جاتی ہے۔ یہاں چونکہ اس بیوی پر عدت ہی نہیں لہٰذا یہ طلاق رجعی فوراً بائنہ بن جائے گی اور طلاق دینے والا خاوند رجوع نہیں کر سکتا اگر چاہے تو باہمی رضامندی سے اُسی دن دوبارہ نکاح کر سکتا ہے۔ ایسے ہی وہ بیوی اُسی دن دوسرے شخص سے بھی نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن اگر خاوند نے اپنی غیر مدخولہ بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں اور کہہ دیا کہ تجھے تین طلاقیں تو تینوں پڑ جائیں گی۔ اور بغیر حلالہ یہی خاوند اسی بیوی سے نکاح نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر ایسی ہی بیوی کو متفرق کر کے اُس کا خاوند طلاقیں دیتا ہے تو صرف پہلی پڑے گی، دوسری اور تیسری نہ پڑے گی۔ اس لیے کہ دوسری تیسری طلاق عدت میں پڑ سکتی ہے۔ عدت کے بعد نہیں پڑ

سکتی خواہ ایک لمحہ کا وقفہ کرے یا ایک مہینے کا ایسی بیوی کی چونکہ عدت ہی نہیں لہٰذا دوسری تیسری بیکار۔

سوال نمبر ۱۶ :۔ ایک وہابی دیوبندی خطیب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ یہ بات بالکل غلط ہے کہ شاہ دولہ کی کرامت سے چوہے کی شکل جیسے بچے پیدا ہوتے ہیں یہ بات صرف جھوٹ ہی نہیں بلکہ ایک ولی اللہ کی توہین اور گستاخی بھی ہے کہ اس کی کرامت سے ایسی بیکار بگڑی شکل والا منحوس بچہ ہو۔ کرامت ہمیشہ اچھی چیز کی ہوتی ہے بری چیز کی نہیں ہوتی یہ چھوٹی سری کا بچہ پیدا نہیں ہوتا بلکہ جھوٹی کرامت چمکانے کے لیے یہ مکر کھیلا جاتا ہے کہ نومولود بچے کے سر پر لوہے کا کڑا چڑھا دیا جاتا ہے۔ بچہ بڑھتا رہتا ہے مگر اس کا سر کڑے کی وجہ سے نہیں بڑھتا سر چھوٹا رہ جاتا ہے۔ اسی کو شاہ دولہ کی کرامت کہہ کر مشہور کیا ہوا ہے۔ وہابیوں کی اس بات کا کیا جواب ہے۔

جواب :۔ یہ وہابی ابوجہلی ٹولہ آج سے نہیں بلکہ اپنے ابوجہل کے زمانے سے ہی اسی طرح کی اندھی عقل سے باتیں کرتے چلے آرہے ہیں، انہی انہی خرافات سے صرف کراماتِ اولیاء اللہ کا ہی نہیں انبیاء کرام علیہم السّلام کے معجزات کا بھی انکار کرتے چلے آرہے۔ چنانچہ معجزات ردِ شمس، شقِ قمر، انگلی کے چشمے، آبِ زمزم کا ایڑی کی رگڑ سے جاری ہونا، اشارے سے بادل برسانا وغیرہ ہزاروں معجزوں کے منکر ہیں۔ ان عقل کے اندھوں سے یہاں تین باتیں پوچھو۔ پہلی یہ کہ اگر کڑا چڑھا کر سر چھوٹا کیا جاتا ہے تو پھر سارا جسم کیوں چھوٹا ہوتا ہے۔ شاہ دولہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مزار پر جو اس شکل کے بچے ہم نے

دیکھے ہیں وہ پنگھوڑے سے لے کر بڑی عمر تک عجیب وغریب شخصیت ، کیفیت، حالت اور شکل وصورت والے ہوتے ہیں، سر چھوٹا، قد بھی چھوٹا، زبان توتلی رال ٹپکتی، آلۂ تناسل نہیں ہوتا، مذکر کا صرف ایک دانہ سا بنا ہوتا ہے مؤنث کا صرف گول سوراخ چھوٹا سا ہوتا ہے داڑھی مونچھ بھی نہیں نکلتی۔ بہکی بہکی چند ایک بات کر سکتے ہیں عقل بھی بے معلومی۔ غرض کہ پوری طرح مفلوک الحال مغلوب العقل، اور مجذوبُ الفکر ہوتے ہیں۔ بھلا صرف ایک کڑا چڑھا دینے سے اتنا کچھ کیسے ہو سکتا ہے پھر کڑے سے تو صرف کڑے کی جگہ چھوٹی رہنی چاہیئے نہ کہ پورا سر اور پورا جسم ! نیز کڑے کا اثر تو جوانی میں جا کر ظاہر ہونا چاہیئے۔ جب کہ یہاں ہر شخص کا مشاہدہ ہے کہ شیر خوار بچے بھی چھوٹے سر والے چڑھاوا چڑھائے جاتے ہیں۔ اور خود والدین چھوڑ کر جاتے ہیں۔ ذرا غور کرو کہ کبھی والدین بھی اپنے اچھے خاصے منتوں مرادوں والے بچے کو اس طرح لاوارث کر کے غیروں کے حوالے کر سکتے ہیں دوسری بات یہ کہ اس طرح کے بچے اور شاہدولہ کے چوہے کڑا چڑھا کر بنائے جاتے ہیں اور اس طرح کی کرامت چمکائی جاتی ہے تو پھر دنیا میں لاکھوں مزارات ہیں وہاں مجاور و سجادہ نشین ہیں وہ کیوں اس طرح کرامت نہیں چمکاتے، خود اس وہابی خطیب کو چاہیئے کہ یہ بھی اس طرح کی فیکٹری کھول لے یا اس طرح کی خرافات لکھنے سے پہلے خود اپنی اولاد پر اس طرح کا تجربہ کرتا۔ یا اب اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے اس طرح کا تجربہ کر کے پیش کرے۔ تیسری بات یہ ہے۔ اگر بدصورت بچے کی ولادت سے ایک ولی اللہ کی کرامت

ثابت نہیں ہو سکتی بلکہ ولی اللہ کی توہین و گستاخی ہے تو پھر دنیا میں بہت سی بدصورت مخلوق موجود ہے، اس کے متعلق بھی کہہ دو کہ ان کا خالق رب تعالیٰ نہیں وہ اللہ تعالیٰ ایسی بدصورت مخلوق پیدا نہیں کرتا ایسی بری گندی بدصورت مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا اللہ تعالیٰ کی توہین و گستاخی ہے، کردو انکار اس کی خالقیت کا اور بن جاؤ جہنمی، ارے خدا کے بندو عقل کے اندھے مت بنو۔ مخلوق کسی بھی حیثیت کی ہو سب کا خالق وہی رب تعالیٰ ہے، خواہ کسی کرامتِ ولی کے وسیلے سے یا دعاءِ نبی کے وسیلے سے یہ کرامتِ شاہ دولہ کے بچے بھی رب تعالیٰ کے ہی پیدا کردہ ہیں۔ جب ان کی خلقت سے رب تعالیٰ کی توہین نہیں تو صرف وسیلۂ کرامتِ ولی اللہ کی توہین کیوں ہوگی، اور پھر رب تعالیٰ کے ہر کام میں لاکھوں حکمتیں ہیں نامعلوم شاہ دولہ صاحب علیہ الرحمۃ کی اس کرامت کے ظہور میں اللہ تعالیٰ کی کیا اور کتنی حکمتیں ہیں، ظاہراً تو وہ مجذوب فقیر ولی اللہ مقبول الدعا، بددعا معلوم ہوتے ہیں جس کا بہت دفعہ تجربہ کیا گیا ہے، مولیٰ تعالیٰ ان وہابیوں کو کچھ سمجھ عقل کی ہدایت نصیب ہو۔

سوال ۶۲: روزانہ صبح ریڈیو پاکستان میں حیَّ علَی الفَلَاح پروگرام لگتا ہے اس میں زیادہ تر وہابی لوگوں کا ہی پروگرام ہوتا ہے یہ اندازہ ہم نے اس طرح لگایا کہ وہابی نظریات کی پرچار زیادہ ہوتی ہے، دوم یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کو جمع کے لفظ سے یاد کرتے ہیں، مثلاً، فرمایئے۔ سنیئے۔ بچا یئے، بخشئے، یہ الفاظ توحیدِ ربانی کے خلاف وہابیوں کی ہی ذاتی ایجاد ہے سوم اس طرح کہ شرک بدعت کا تکیہ کلام بار بار استعمال کرتے۔ اور

تلاوت بھی زیادہ تر ایک وہابی قاری صبیدالرحمٰن کی لگاتے ہیں جس کو سن کر بچے ڈر جاتے ہیں بڑے گھبرا جاتے ہیں۔ یہ عجیب قاری ہیں کہ صحیح الفاظ بھی ادا نہیں کر سکتے غالباً منہ میں دانت نہیں ہیں یا مصنوعی ہیں الفاظ چبا چبا کر نکالتے ہیں۔ ہم اس وقت ریڈیو ہی بند کر دیتے ہیں کیا یہ لوگ ایسے قاریوں کو ریٹائر نہیں کر سکتے۔ چند دن ہوئے ایک وہابی امام شاہ بلیغ الدین صاحب نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہم لوگ جو نماز میں۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ۔ پڑھتے ہیں یہ معراج کی یادگار مناتے ہیں۔ میں نے ایک دیوبندی شخص سے اس بات کا ذکر کیا تو اس نے کسی وہابی کی لکھی ہوئی ایک چھوٹی سی کتابچی پڑھنے کو دیتے ہوئے مجھ سے کہا کہ اس کو پڑھو تمہاری ساری الجھن دور ہو جائے گی۔ میں نے اس کتابچی کو اسی وقت اس کے سامنے ہی پڑھ لیا مگر کوئی الجھن دور نہیں ہوئی وہ لکھتا ہے کہ جب نبی محمد سدرہ پر پہنچے تو اللہ کی طرف سے آواز آئی۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ۔ ہم نماز میں اسی کی نقل کرتے ہیں۔ یہ سلام کرنا نہیں نہ اس طرح نبی کو سلام کرنا جائز ہے۔ اس کے علاوہ اس کتابچی میں اور بھی بہت سی وہابیانہ باتیں لکھی ہیں۔ مگر کسی بھی بات کی نہ کوئی دلیل نہ ثبوت نہ قرآن و حدیث کا حوالہ۔ میں نے سب کتابچی پڑھ کر اس وہابی شخص سے اسی وقت کہا کہ میری تو کچھ بھی الجھن دور نہیں ہوئی کیونکہ کسی بھی بات پر کوئی دلیل و ثبوت نہیں دیا گیا۔ یہ تو لکھا ہے کہ یہ سلام اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو کیا مگر اس کا کوئی حوالہ نہیں لکھا نہ آیت سے نہ حدیث سے۔ بغیر حوالہ بات کرنا تو کذب بیانی بھی ہو

سکتی ہے۔ اور کذب بیانی جاہلوں کا کام ہے۔ اس طرح کے جھوٹ بنا لینے تو بہت آسان ہیں اگر تم لوگ سچے ہو تو اپنے دینی عقائد پر حوالے اور دلائل کے ثبوت پیش کرو۔ اس پر وہ تو شرمندہ ہو کر چپ ہو گیا۔ مگر ہم اپنی معلومات کے لیے آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہابیوں کی یہ بات درست ہے یا غلط، دوسری بات یہ پوچھنی ہے کہ وہابیوں کے مولوی اور خطیب لوگ کہتے ہیں کہ بریلوی لوگ درود ابراہیمی نہیں پڑھتے اور اپنے مختلف درود بنالئے ہیں حالانکہ ہر وقت صرف درودِ ابراہیمی ہی پڑھنا چاہیئے۔ حدیث پاک میں صرف درودِ ابراہیمی کا حکم ہے۔ سوال یہ ہے کہ بریلوی کون لوگ ہیں اور کیا ہر وقت صرف درود ابراہیمی ہی پڑھنا چاہیئے۔ دوسرا کوئی درود شریف پڑھنا چاہیئے یا نہیں۔

جواب ۱۔ ریڈیو کی غلطیوں کمزوریوں کے لیے آپ معتبر اور کثیر ذرائع سے ریڈیو والوں کو لکھیں اور ان سے رابطہ قائم کرو۔ شاید تم لوگ ریڈیو پاکستان سے وہابیت کی جہالتیں ختم کرا سکو۔ ہاں البتہ دوسری تینوں باتوں کا جواب اس طرح ہے کہ وہابی جہلا کا یہ کہنا کہ نماز میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کہنا۔ صرف معراج کی یادگار ہے اصل سلام عرض کرنا نہیں یہ جاہلانہ عقیدہ رکھنا تین وجہ سے قطعًا غلط ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ اس بات کا کہیں بھی ثبوت نہیں کہ رب تعالیٰ نے معراج میں اس طرح سلام کیا ہو نہ قرآن کریم میں نہ احادیث مبارکہ میں نہ عبارۃً نہ اشارۃً نہ کنایۃً نہ دلالۃً ان حمقا نے یہ بات اپنے غلط عقیدے کو بچانے کے لیے خود ہی بنا ڈالی، خود ہی پہلے یہ گمراہی وجہالت کا عقیدہ بنایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر و ناظر مت مانو جب کہیں بھی اس غلط عقیدے

کا کوئی ثبوت نہ ملا بلکہ حاضر و ناظر ہونے کے بہت سے ثبوت موجود ہیں جن میں ایک یہ تشہد کا سلام بھی ہے۔ تب سٹ پٹائے اور من گھڑت باتیں تراشیں ہیں ان کا بس چلتا تو شاید یہ سلام ہی نکال دیتے مگر اس صلوٰۃ وسلام کا محافظ تو اللہ تعالیٰ ہے۔ حیرانی یہ ہے کہ یہ ظالم ابلیس اور شیطان کو حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ جلا یہ ہے تو صرف ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے۔ نیز معراج کے بارے میں تو دیگر بہت سے گمراہوں نے کئی طرح کی باتیں بنالیں کوئی گمراہ کہتا ہے معراج جسمانی ہوئی ہی نہیں، صرف روحانی یعنی خواب کی معراج ہوئی تھی۔ کوئی جاہل کہتا ہے کہ معراج صرف سدرۃ المنتہیٰ تک ہوئی لامکان تک نہ ہوئی حالانکہ قرآن مجید سے لامکان تک معراج ثابت ہے، کوئی بدنصیب کہتا ہے کہ معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لامکان پر نہ چڑھ سکے تو غوثِ اعظم کی روح نے کندھا دیا اور چڑھایا، اور وہابی گستاخ بکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے معراج میں نبی کریم سے فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ، ہم اَلتحیات میں اسی سلام کی نقل اور یادگار مناتے ہیں کیا حماقت ہے۔ گویا کہ یہ لوگ نماز میں خدا بن بیٹھتے ہیں اور خدا کی نقل کرتے ہیں۔ کسی گمراہ نے یہ بات بناڈالی کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم لامکان پر پہنچے تو غیب سے آواز آئی قِفْ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ رَبَّکَ یُصَلِّیْ ٹھہر جاؤ اے محمد آپ کا رب نماز پڑھتا ہے معاذ اللہ معاذ اللہ اور پھر ان میں سے کسی بات کا نہ کوئی ثبوت نہ حوالہ صرف شیطانی خیالی پلاؤ، دوسری وجہ یہ کہ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ۔ اور تمام سلام دعائیہ جملے ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کسی کو دعا دینے سے پاک و برتر

ہے اِن وہابی جہلا کو اتنی سمجھ بھی نہیں کہ سلام کرنا دعا ہے اور دعا وہ ہے جو کسی سے دلوائی جائے۔ رب تعالیٰ دلوانے والا نہیں وہ تو دینے والا ہے دلوانے والا سفارشی و شفاعتی ہوتا ہے نیز دلوانے والا چھوٹا ہوتا ہے، ہمارے لئے رب تعالیٰ نہ ہے نہ دلوانے والا نہ سفارشی۔ بعض ان پڑھ لوگ اپنی بے علمی سے کہدیتے ہیں مجھے اللہ کی دعا چاہیئے یہ کہنا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ دعائیں دینے والا نہیں دعائیں دینا بندوں کا کام ہے لہٰذا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ۔ نہ کبھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہ فرماتا اس کی شانِ تعالیٰ کے لائق۔ یہ تو ہم تمام نمازی مسلمانوں کو تعلیم ہے کہ ہم ہر نماز میں اپنے آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے قریب حاضر وناظر سمجھ کر عقیدۂ ایمانی و اسلامی رکھ کر اسی طرح سلام کریں۔ اور آپ خود ہمارا سلام سُن کر ہم کو مشفقانہ دعاؤں والا جواب سلام عطا فرمائیں تیسری وجہ یہ کہ اِن گمراہوں بے دینوں کے پاس تو اپنے کسی بھی عمل وعقیدے پر کوئی دلیل نہیں نہ عقلی نہ نقلی نہ حوالہ نہ ثبوت، مگر بحمدہٖ تعالیٰ ہم اہلِ سنت کے پاس اپنے ہر عمل وعقیدے کی طرح اِس تعلیمی سلام کرنے پر دلائل ثبوت ہیں۔ چنانچہ مسلم شریف جلدِ اوّل کتابُ الصَّلٰوۃ۔ بَابُ الصَّلٰوۃِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ التَّشَھُّدِ ص۱۷۵ طبع کراچی عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ اَتَانَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَہٗ بَشِیْرُ بْنُ سَعْدٍ اَمَرَنَا اللّٰہُ اَنْ نُّصَلِّیَ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَکَیْفَ نُصَلِّیْ عَلَیْکَ قَالَ فَسَکَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (الخ) ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وَسَلَّمَ قُوْلُوْا اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ (الخ) اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ وَالسَّلَامُ

كَمَا عُلِّمْتُمْ۔ ترجمہ: صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آپ پر درود شریف پڑھنے کا حکم دیا تو ہم کیسے درود شریف پڑھیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس طرح درودِ ابراہیمی پڑھو۔ اور سلام کرنے کا طریقہ تو تم سکھا دیے گئے ہو۔ ثابت ہوا کہ آیت پاک میں چونکہ دو حکم تھے درود شریف کا بھی سلام کرنے کا بھی صحابہ نے صرف درود شریف کے متعلق پوچھا کیونکہ سلام کا طریقہ ان کو اللہ تعالیٰ نے سکھا دیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی درود ابراہیمی کا حکم دے کر ساتھ ہی فرما دیا کہ یہ درودِ ابراہیمی سلام کے بغیر اس لیے ہے کہ سلام ابھی پہلے اِسی تشہد میں آگیا اور سلام کرنے کا طریقہ تم سکھا دئے گئے ہو۔ کس نے سکھایا؟ اسی اللہ تعالیٰ نے جس نے پوری نماز تلاوت، تسبیح، تکبیر اور تشہد سکھائی، اور ابن ماجہ شریف کتاب الاقامت ص۲۹۳ پر ہے۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیْ قَالَ قُلْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هٰذَا السَّلَامُ عَلَیْكَ قَدْ عَرَفْنَاهُ فَكَیْفَ الصَّلٰوةُ قَالَ قُوْلُوْا اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُوْلِكَ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ (الخ) ترجمہ ابی سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک بار ہم صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ سلام بھیجنا آپ پر تو ہم نے پہچان لیا اِس طریقہ کو پس ہم درود شریف کیسے پڑھا کریں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اِس طرح کہا کرو۔ (الخ) اور درود ابراہیمی کی تعلیم فرمائی۔ ثابت ہوا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کہنا معراج کی یادگار نہیں بلکہ مسلمانوں کو سلامِ نبی عرض کرنے کی تعلیم ہے۔ اور آیت درود پر عمل کرانا ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر مسلمان ہر نماز میں نبی

کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھے آپ کا دوسرا سوال کہ بریلوی کون ہیں۔ تو یہ نام دیوبندی وہابی لوگوں نے ہم اہل سنت کا دارالعلوم بریلی شریف کی نسبت سے رکھا ہے۔ اگرچہ یہ نام کسی سنی نے اپنا نام نہیں رکھا نہ اعلیٰحضرت نے اہلِ سنت کا یہ نام رکھا اعلیٰحضرت تو ہر جگہ ہم کو سُنی اور اہلِ سنت ہی فرماتے ہیں۔ مگر فی زمانہ ہم نے اس لقب کو بخوشی قبول کر لیا اور فی زمانہ سچے و حقیقی سنی کی یہ نشانی بن گئی۔ ہم نے ان لوگوں کا نام ان کے مدرسے دیوبند کی وجہ سے دیوبندی رکھدیا جو انہوں نے قبول کر لیا، پھر انہوں نے ہم کو رضاخانی کہنا شروع کر دیا دیگر ہم نے اس کو پسند نہیں بلکہ ان کی گستاخی و بدتمیزی سمجھتے ہیں)، تو سنیوں نے ان کو ابنِ تیمیا کی نسبت سے تیمیائی فرقہ کہنا شروع کر دیا۔ ان کا اپنا نام پہلے ابن عبدالوہاب نجدی کی نسبت سے وہابی ہے یہ انہوں نے خود اپنا نام رکھا تھا۔ آپنے تیسری بات یہ پوچھی ہے کہ بریلوی لوگ یعنی ہم اہلِ سنت والجماعت درودِ ابراہیمی نہیں پڑھتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہم پر جھوٹا اتہام ہے ہم تو دن رات اپنی ہر فرض واجب سنت نفل نماز میں تشہد کے بعد درودِ ابراہیمی ہی پڑھتے ہیں۔ ہاں البتہ وہابیوں کی طرح نماز سے باہر نہیں پڑھتے کیونکہ نماز کے باہر یہ درود شریف ابراہیمی پڑھنا اللہ تعالیٰ کے حکم اور منشا اور تعلیم نبوی کے خلاف ہے رب تعالیٰ نے فرمایا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھو اور سلام توخوب ہی کرو۔ درودِ ابراہیمی میں سلام نہیں ہے۔ نماز میں تو ٹھیک ہے کہ سلام پہلے آ گیا۔ مگر نماز کے باہر یہ درود شریف کامل نہ رہا۔ اسی لیے فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ درودِ ابراہیمی صرف نماز کے

کے لیے بنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم شریف میں جب درود ابراہیمی کا ذکر کیا گیا تو اس طرح لکھا ہے۔ (مسلم شریف جلد اوّل ص۱۷۵) کتاب الصلوٰۃ بابُ الصَّلٰوۃِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وَسَلَّمَ بَعْدَ التَّشَھُّدِ۔ تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے کا باب (نہ کہ ہر وقت) اور یہاں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فقط درودِ ابراہیمی کی تعلیم فرمائی۔ جیسے ابھی ہم نے مندرجہ بالا مسلم شریف کی حدیث اور ابن ماجہ کی حدیث پیش کیں۔ مسلم کی حدیثِ مقدسہ کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں۔ قَوْلُہٗ اَمَرَنَا اللّٰہُ اَنْ نُصَلِّیَ عَلَیْکَ۔ وَیَحْتَمِلُ اَنْ یَکُوْنَ فِی الصَّلٰوۃِ وَھُوَ الْاَظْھَرُ۔ وَھٰذَا ظَاھِرُ اِخْتِیَارِ مُسْلِمٍ وَلِھٰذَا اَلْحَدِیْثَ فِیْ ھٰذَا الْمَوْضِعِ۔ ترجمہ: حدیث مقدس کے ظاہری الفاظ میں یہی احتمال سب سے زیادہ ظاہر ہے کہ درودِ ابراہیمی نماز میں تشہد کے بعد پڑھنے کے لیے بنا ہے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا سوال اَمَرَنَا اللّٰہُ اَنْ نُصَلِّیَ عَلَیْکَ۔ بھی نماز ہی کے متعلق ہے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا جواب اور تعلیم سلام کا ذکر بھی نماز کے متعلق ہے مسلم شریف کا اختیار کردہ باب سے زیادہ ظاہر بھی یہی معنیٰ ہے اسی لیے انہوں باب ہی ایسا باندھا جس میں خاص طور پر بَعْدَ التَّشَھُّدِ کا ذکر فرمایا، شرح میں آگے فرماتے ہیں۔ وَالسَّلَامُ قَدْ عَلِمْتُمْ۔ مَعْنَاہُ قَدْ اَمَرَ اللّٰہُ تَعَالٰی بِالصَّلٰوۃِ وَالسَّلَامِ عَلَیَّ۔ فَاَمَّا الصَّلٰوۃُ فَھٰذِہٖ صِفَتُھَا وَاَمَّا السَّلَامُ فَکَمَا عَلِمْتُمْ التَّشَھُّدَ وَھُوَ قَوْلُھُمْ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ۔ وَقَوْلُہٗ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَدْ عَلِمْتُمْ ھُوَ

بِفَتْحِ الْعَيْنِ وَكَسْرِ اللَّامِ الْمُخَفَّفَةِ وَمِنْهُمْ مَنْ رَوَاهُ بِضَمِّ الْعَيْنِ وَتَشْدِيْدِ اللَّامِ اَیْ عُلِّمْتُمُوْهُ۔ وَكِلَاهُمَا صَحِيْحٌ"۔ ترجمہ:۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی جوابی تعلیم کا ارشاد کہ وَالسَّلَامُ قَدْ عَلِمْتُمْ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ بے شک حکم دیا اللہ تعالیٰ نے تم کو درود اور سلام مجھ پر پڑھنے کا۔ تو درود یہ ہے جو میں تم کو بتا رہا ہوں اور سلام کرنا تم نے جان لیا ہے تشہد میں، اور وہ سلام۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ کہنا ہے۔ اور قَدْ عَلِمْتُمْ کے صیغے کو کچھ بزرگوں نے عُلِّمْتُمْ پڑھا ہے، دونوں طریقے صحیح ہیں۔ کیونکہ سلام سکھایا اللہ نے مگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مقدس سے۔ ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کا سوال بھی درود بعد تشہد کے متعلق تھا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جواب بھی، یہ تھا کہ درودِ ابراہیمی صرف نماز میں بعد تشہد کے لیے ہے تمام فقہا محدثین شارحین نے بھی یہ معنیٰ کئے کہ درودِ ابراہیمی صرف نماز میں بعد تشہد پڑھنے کے لیے ہے۔ مگر وہابی دیوبندی اللہ رسول کے ساتھ ضد کر کے اور حکمِ قرآنی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے نماز کے باہر بھی یہ درودِ ابراہیمی پڑھتے اور لوگوں کو پڑھنے پر زور دیتے ہیں۔ اس طرح یہ لوگ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ۔ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو دو حکم فرمائے ہیں ۱ صَلُّوْا، درود پڑھو ۲ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا خوب سلام عرض کرو مگر یہ وہابی لوگ نماز کے باہر درودِ ابراہیمی پڑھ کر پہلے حکم صَلُّوْا کو مان لیتے ہیں۔ مگر دوسرے سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا کے منکر

اور مخالفت بلکہ سلام پڑھنے سے دشمنی کرتے ہیں۔ بلکہ یہاں تک کہ تشہد کے اللہ رسول کی تعلیم والے سلام کے بھی منکر ہیں اُس کو یادگارِ معراج بنا ڈالا، اور نہ کوئی دلیل نہ حوالہ۔ یہی نہیں بلکہ ان لوگوں کا ہر عقیدہ ہی وَجَدْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَنَا کی بنیاد پر ہے۔ اللہ تعالیٰ اِن کے شر سے تمام مسلمانوں کو بچائے۔

سوال ۶۳:۔ ہزارہ پاکستان میں تفضیلی شیعوں کا ایک گروہ ہے اُن کے سربراہ نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ اہلِ بیت یعنی پنجتن پاک فاطمہ زہرا، مولیٰ علی رض۔ امام حسن رض، حسین رض اور بارہ امام کو علیہ السلام کہنا چاہیئے کیونکہ رضی اللہ کا جملہ صرف صحابہ کے لیے ہے صحابہ سے زیادہ اونچی شان ہے اہلِ بیت کی اس لیے اُن کے لیے علیحدہ جملہ ہونا چاہیئے۔ تاکہ صحابہ اور اہلِ بیت میں فرق ظاہر اور قائم ہو۔ لندن والتھم سٹو میں بھی اس گروہ کے کچھ لوگ ہیں ان کا سربراہ بھی اپنی ایک چھوٹی سی کتابچی میں یہی لکھتا اور علیہ السلام کہنے کے جواز میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا قول پیش کرتا ہے کہ انھوں نے اہلِ بیت کے لیے علیہ السلام۔ کہنا جائز لکھا ہے۔ لیکن ہم تو شروع سے سنتے آئے ہیں کہ علیہ السلام، مولیٰ علی رض حسن رض وحسین رض وغیرہم کے لیے شیعہ لوگ کہتے ہیں اور یہ تبرائی شیعہ رافضیوں کی نشانی ہے۔

جواب:۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کہیں یا کوئی اور دوسرا مگر یہ بات قرآنِ مجید اور احادیثِ مبارکہ کے خلاف ہے۔ قرآن مجید میں تمام اہلِ بیت اور تمام صحابہ کرام کے لیے ایک ہی جملہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ کا

ارشاد ہوا ہے۔ اگر علیہ السّلام کہنا جائز ہوتا تو حدیث پاک میں اِس کا ذکر ضرور ہوتا۔ رہا یہ کہ صحابہ وَاہلِ بیت میں فرق ظاہر کرنا کوئی ضروری نہیں اہلِ بیت بھی صحابہ وصحابیات ہیں۔ اگر فرق ضروری ہے تو اتنا ہی کافی ہے کہ مولا علی کے لیے کَرَّمَ اللہ وجہہٗ والے نبوی الفاظ کہہ دئیے جائیں نیز فرق تو نام ذکر کرنے سے ہی ہو گیا۔ فرق صرف اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ مدارج وتعارُف میں اشتباہ نہ ہو۔ مدارج میں تو اس لیے فرق کرنے کی ضرورت نہیں کہ سب ہی صحابیت کے درجہ پر ہیں۔ اور تعارُف میں اس لیے فرق کی ضرورت نہیں کہ جب نام لیا گیا تو اشتباہ ختم ہو گیا یعنی جب کہا جائے مولا علیؓ تو کوئی بھی اس نام مقدس کو سُن کر صدیق اکبرؓ یا فاروق اعظم رضؓ کی شخصیت مراد نہ لے گا۔ اسی طرح اگر امامِ حسن رضؓ یا امام حسینؓ تو کوئی بھی اس سے ابو ہریرہؓ یا خالدؓ ولید مراد نہیں لے گا۔ پھر اِن نادانوں کی عقل پر حیرت ہوتی ہے، کہ یہ تفضیلی شیعہ رافضی لوگ اہلِ بیت کے لیے علیہ السّلام کہنا جائز بتلاتے ہیں۔ مگر ازواجِ مطہّرات کے لیے علیہا السّلام نہیں کہتے۔ اِن کی زبان سے کبھی نہ سنا گیا حضرت عائشہ صدیقہ علیہا السّلام وغیرھا۔ حالانکہ اصل اہلِ بیت تو اَزواجِ پاک اُمّہاتُ المؤمنین ہیں کیونکہ بیوی ہی اصل اہلِ بیت ہوتی ہے۔ قرآن مجید سے بھی یہ ہی ثابت ہے اور عام رواج میں بھی خاوند بیوی کو ہی اہل بیت کہا جاتا ہے۔ اولاد ودَاماد تو فروعی اہلِ بیت ہیں۔ مثلاً اگر کوئی عورت کہے میرا گھر والا، تو اُس سے مراد خاوند ہی ہوتا ہے نہ کہ بیٹا بھائی، برادر، اور کوئی مرد کہے، میری گھر والی۔ تو اس سے بیوی ہی مراد ہوتی ہے

نہ کہ بیٹی، بہن۔ بہر کیف قرآنِ مجید نے صرف ازواجِ نبی علیہ السّلام کو ہی اہلبیت فرمایا ہے جس سے ثابت ہوا کہ اصل اہل بیت بیوی ہی ہے، پنجتن پاک کو خصوصی طور پر صرف حدیث مبارکہ نے اہل بیت فرمایا۔ اگر بیوی نہ ہو تو کوئی بھی اہل بیت نہیں بن سکتا۔ بیوی ہوگی تو اولاد ہوگی۔ ان بے تمیز لوگوں کی مت ماری گئی ہے کہ ازواج کو اہل بیت نہیں مانتے۔ قرآن و حدیث کے علاوہ فقہاءِ عظام بھی فرماتے ہیں کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام و ملائکہ کے لیے بوجہ ان سب کی عصمتِ خداداد علیہ السّلام، مخصوص ہے۔ اور یہ جملہ اہلِ بیت پنجتن پاک وائمہ دوازدہ ۱۲ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے لیے بولنا شیعوں رافضیوں کی نشانی ہے۔ رہا شاہ عبدالعزیز صاحب کا جواز لکھ دینا تو قرآن و حدیث اور فقہاءِ عظام کے مقابل ان بے چاروں کی حیثیت ہی کیا ہے۔ ان کا تو اپنا کوئی مضبوط نظریہ نہیں یہ تو کبھی وہابیوں کو خوش کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو کافر لکھتے ہیں (معاذ اللہ) اور کبھی شیعوں کو خوش کرنے کے لیے پنجتن پاک کو علیہ السّلام لکھنا و کہنا جائز مانتے ہیں۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں مسلکِ اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے سب جانتے ہیں کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو مومن نہ مانے وہ وہابی ہے اور جو پنجتن پاک یا بارہ ائمہ کو علیہ السّلام کہے وہ رافضی شیعہ ہے۔

سوال نمبر ۶۴:- کچھ بزرگوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ کنارۂ دجلہ پر سیب کھا لینے پھر معاف کرانے اور اس طرح سیب والے کی بیٹی سے نکاح کا واقعہ حضرت امام اعظم کے والد صاحب کا تھا، اور

نہ تھا۔ اور کچھ کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ واقعہ غوثِ اعظم کے والد صاحب کا۔ آپ فرمائیں کہ صحیح کیا ہے؟

جواب:۔ صحیح یہی ہے کہ یہ واقعہ حضور امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد صاحب حضرت ثابت بن زوطی کا تھا جن لوگوں نے اِس کو حضور غوثِ اعظم عبد القادر جیلانی حَسَنی حُسینی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ابو صالح عبد اللہ بن موسیٰ جنگی دوست کا یہ واقعہ کہا ہے وہ غلطی پر ہیں اس لیے کہ حضور غوثِ پاک حسنی حسینی سید ہیں یعنی والد کی طرف سے حَسَنی اور والدہ کی طرف سے حُسینی اور سادات عرب اپنے نسب کا بہت خیال رکھتے ہیں کبھی مجہول نسب میں رشتہ نہیں کرتے نہ لڑکوں کا نہ لڑکیوں کا۔ جب کہ اس واقعے میں ہے کہ جب یہ مسافر درویش کھایا ہوا سیب بخشوانے معاف کرانے گئے تو سیب کے مالک نے جن کو شیخ صنعان کہا گیا ہے اِس درویش مسافر کا محض یہ تقویٰ دیکھ کر اپنی بیٹی کا رشتہ دیدیا، نہ قومیت پوچھی نہ ذات نہ حسب نسب نہ کفو۔ اور اس درویش مسافر نے بھی کچھ ردّ و کد سوال جواب اور عذر داری کے بعد آخر کار رشتہ قبول کر لیا انہوں نے حسب و نسب نہ پوچھا۔ یہ بات عاداتِ سادات سے بعید ہے، جب کہ حضور غوث پاک والدہ کی طرف سے بھی سید ہیں۔ امام اعظم اصلاً نسلاً وطناً مولداً عجمی ہیں اور اہل عجم میں حسب و نسب کا اتنا خیال نہیں رکھا جاتا۔ ان وجوہ سے سیب کا واقعہ غوثِ پاک کی طرف نسبت کرنا غلط ہے۔ امام اعظم سے ہی منسوب کیا جانا صحیح ہے۔

سوال ۶۵:۔ آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

اسمآءِ مقدس میں کسی کتاب نے آپ کو محبوب خدا لکھا ہے کسی نے حبیب خدا لکھا ہے۔ ایک وہابی مولوی نے درود تاج شریف پر اعتراض کرتے ہوئے محبوب کہنے کو غلط کہا ہے۔ آپ فرمائیں کہ صحیح کیا ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لقب مقدس محبوب ہے یا حبیب یا دونوں اور دونوں لفظوں میں فرق کیا ہے؟

جواب:- آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لاکھوں القابات وخطابات میں یہ دونوں اسمآءِ مقدسہ بھی آپ کے القابات میں سے ہیں مگر فرق یہ ہے کہ محبوب غیر خصوصی لقب ہے ہر نبی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا محبوب ہے بلکہ انبیآءِ کرام علیہم السلام کی اتباعِ کاملہ صادقہ کرنے والا ہر مومن بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب اور ولی اللہ بن جاتا ہے۔ غرضکہ اپنے اپنے نبی علیہ السلام کی اطاعت کرنے والا متقی اور اتباع کرنے والا محبوب ہے، محبوب کا معنیٰ ہے پسندیدہ، محبت کیا ہوا، اللہ تعالیٰ کا محبوب یعنی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ اور محبت کیا ہوا، اور ہر نبی ولی ہی اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ومحبوب ہے۔ یہ صفت ولقب عمومی ہے مگر حبیب ہونا یہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا خصوصی لقب وصفت ہے۔ کسی اور نبی علیہ السلام یا کسی وَلیُ اللہ کو حبیبُ اللہ کہنا جائز نہیں۔ جس طرح صفی اللہ، نجی اللہ، خلیلُ اللہ، ذبیحُ اللہ کلیم اللہ مسیح اللہ و روحُ اللہ خصوصی صفات والقاب ہیں اسی طرح حبیب اللہ بھی خصوصی لقب ہے خلیل کے معنیٰ بھی دوست حبیب کے معنیٰ بھی دوست مگر فرق یہ ہے کہ باہر باہر کی دوستی ہونا خلیل ہے اور اندر کی راز داری کی دوستی والا حبیب ہے اور میں کہتا ہوں کہ قرآن و

وحدیث پر ذرا گہری نظرِ تدبر رکھنے سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ ہمارے آقا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم صفی بھی ہیں نجی بھی خلیل بھی کلیم بھی مسیح بھی۔ بلکہ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔ رہا کسی جاہل وہابی کا درود تاج شریف پر جاہلانہ اعتراض کرنا تو اس کا ہم نے مدلل جواب چھاپ کر شائع کر دیا ہے۔ بحمدہٖ تعالیٰ اس جواب سے سب وہابی منہ چھپاتے پھرتے ہیں۔

سوال ۲۶ : ۱۔ یہ ایک فتویٰ ہے جو کچھوچھہ شریف کے مدنی میاں نے لکھا ہے۔ اور اس کی تائید میں علامہ سعید احمد کاظمی صاحب مدظلہ العالی ملتانی امروہوی کا ایک مضمون ہے۔ اس فتوے میں مدنی میاں صاحب نے وِڈیو کیمرہ اور وِڈیو سے جاندار کی تصویر بنانا جائز قرار دیا ہے۔ اور انہوں نے اس کے دلائل میں اپنی معلوماتی تحقیق پیش فرمائی ہے ۱۔ وِیڈیو میں کوئی تصویر نہیں ہوتی بلکہ سامنے والی چیز کی ریز یعنی شعاعوں اور کرنوں کو ٹیپ کر لیا جاتا ہے۔ جس طرح آڈیو کیسٹ میں آواز کو ٹیپ کر لیا جاتا ہے، ٹیپ ہو جانے کے بعد جس طرح آواز کی کوئی صورت نہیں ہوتی بلکہ وہ غیر مرئی ہوتی ہے اسی طرح اِن شعاعوں کی بھی کوئی صورت نہیں ہوتی جنہیں دیکھا جا سکے۔ لہٰذا ان کو عام فلموں کی ریل پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ فلموں کی تصاویر تو عام اور صاف نظر آتی ہیں۔ مگر وِیڈیو کیسٹ کے ٹیپ مقناطیسی ہوتے ہیں جو شعاعوں کو جذب کر لیتی ہے ۲۔ ویڈیو کیسٹ کی تصویروں کا ٹی وی پر آنا ایسا ہی ہے جیسے آئینے میں کسی چیز کا عکس آنا کہ جب تک وہ چیز آئینے کے سامنے ہے نظر آتی رہے گی آئینے سے ہٹ جائے تو آئینے میں نظر

بھی نہ آئے گی رہا مشین یا ویڈیو کیسٹ کا بٹن دبانا چالو کرنا یہ ایسا ہی ہے جیسے آئینے کے سامنے سے پردہ ہٹا دینا کہ جب دیکھنا ہو تو پردہ ہٹا دو۔ غرضکہ یہ ویڈیو کیسٹ مثلِ عکس ہے نہ کہ تصویر۔ ۲ تو جس طرح آئینے کے سامنے کھڑا ہونا اور دیکھنا جائز اسی طرح ویڈیو کیسٹ بنانا بھی جائز دیکھنا دکھانا بھی جائز غرضکہ جس طرح گراموفون ٹیپ ریکارڈ اور آئینوں کا استعمال جائز ہے اسی طرح ویڈیو۔ ٹی وی کا استعمال یعنی بنانا بنوانا دیکھنا بالکل جائز ہے۔ لہٰذا جاندار کی تصویر کشی کی حرمت وممانعت کے جو نصوص ہیں ان کا اطلاق اس ویڈیو ٹی وی پر نہیں ہوتا۔ نیز ویڈیو ٹی وی اگر تبلیغ دین کے لیے استعمال کی جائے تو باعثِ ثواب ہے۔ یہ ہے مدنی میاں کچھوچھوی کا فتویٰ اور یہ ہے اس کے دلائل۔

جواب ۱۔ آپ کا بھیجا ہوا کچھوچھوی فتویٰ میری نظر سے گزرا کئی بار بغور پڑھا۔ زندگی میں اتنا کمزور فتویٰ میں نے اس سے پہلے نہیں دیکھا۔ یہ فتویٰ اس کے دلائل اِس کے قیاسات سب کمزور و بوگس بلکہ انتہائی متضاد اور خلافِ عقل ہیں حضرت مولانا سید مدنی میاں نے خاندانی طور پر پہلی بار قلم اٹھایا اور سخت بے ضابطہ اُٹھایا۔ اِن کے والدِ محترم محدثِ کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ جب گجرات پاکستان تشریف لائے تو انہوں نے حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے سامنے ذکر فرمایا تھا کہ میں ترجمۂ قرآن مجید لکھ رہا ہوں۔ حضرت بدایونی نے فرمایا کہ ترجمۂ اعلحضرت کنز الایمان کے ہوتے ہوئے کسی اور ترجمے کی ضرورت ہی کیا ہے آپ ترجمہ

نہ لکھیں بلکہ تفسیری حاشیہ لکھیں جیسے کہ سید نعیم الدین صدر الافاضل مرادآبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا اس پر محدث صاحب فرمانے لگے کہ میں اُن کے تتبع میں اُن ہی کے ترجمہ کو ذرا آسان کر رہا ہوں مشکل الفاظ کا ترجمہ کر کے حقیقتًا یہ اعلیٰحضرت کا ہی ترجمہ ہے اور کنزالایمان سے ہی مستفاد ہے ۔ بس محدث صاحب علیہ الرحمۃ نے بھی غالبًا پہلی ہی دفعہ قلم اٹھایا اسی طرح اُن کے فرزند ارجمند نے بھی یہ پہلی بار قلم اٹھایا اور اپنی عاقبت خراب کر لی کہ ان کے اِس فتوے سے جو لوگ بھی وڈیو کیسٹ کو جائز سمجھ کر اس شیطانیت میں ملوث ہوں گے بروزِ قیامت اُن سب کے گناہوں کا بھی مدنی میاں کو برابر کا حصّہ ملے گا ۔ کیا مدنی میاں اتنے گناہ برداشت کر لیں گے کم ازکم اہل فتویٰ علما سے ہی مشورہ کر لیتے پھر قلم اٹھاتے رہا علّامہ کاظمی صاحب کا تائید کرنا تو یہ کوئی حیران کُن بات نہیں علامہ کاظمی بہت حلیم الطبع ہیں وہ کسی کا دل توڑنا نہیں چاہتے ۔ حضرت کاظمی تو بغیر تحریر دیکھے بھی تائید کر دیا کرتے ہیں یہاں تک کہ کوئی اپنے قلم سے بھی تائیدی الفاظ لکھ کر لے آئے تب بھی تائید میں دستخط فرما دیتے ہیں اگرچہ بعد میں تائید واپس لینی پڑے ۔ اس تائیدی مضمون سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ علّامہ کاظمی صاحب نے بغیر فتویٰ دیکھے تائید فرما دی بلکہ ہو سکتا ہے کہ تائید کا مضمون بھی علّامہ کاظمی صاحب کا نہ ہو صرف دستخط کرا لیے گئے ہوں ۔ مضمون کسی اور صاحب کا ہو اس لیے کہ تائیدی مضمون میں جن چیزوں کی تعریف وثنا کی گئی وہ باتیں سرے سے فتوے میں نہیں ہیں ۔ مثلاً تائیدی مضمون کی سطر ۔ ۵ میں لکھا ہے ۔ آپ نے جس آسانی سے ایسے مشکل مسائل کو عام فہم انداز

میں ڈھال کر حل فرمایا وہ آپ ہی کا حق ہے، حالانکہ فتوے میں ایسی کوئی بھی عالمانہ بات نہیں ہے (تائیدی مضمون کی سطر ۱۲ میں لکھا ہے کہ یہ بزرگانِ دین اور علماءِ اہلِ سنت کے مختلف اقوال کو جس عمدگی سے بیان فرمایا ہے اور جس حسن و خوبی سے نبھایا ہے وہ آپ کے انشراحِ صدر اور علومِ عقلی و نقلی میں مہارتِ تامّہ کا مظہرِ اُتم ہے، حالانکہ فتوے میں علما کے اقوال کا ذکر تک نہیں، سطر ۲ میں ہے خصوصاً طرزِ استدلال اور اندازِ تحریر قابلِ رشک ہیں، حالانکہ فتوے میں کوئی قابلِ رشک بات نہیں، استدلال تو شروع سے کوئی ہے ہی نہیں، مگر جو دلائل ہیں وہ بھی کمزور اور قیاسات بھی غلط ہیں دوسری وجہ یہ کہ علّامہ کاظمی صاحب کی تائید کر دینا اہلِ سنّت کے لیے کوئی مضبوط اور قابلِ تقلید سند نہیں اس لیے کہ علّامہ صاحب عام فوٹو کشی اور فلم بندی کے جواز کے عملاً قائل نظر آتے ہیں جس کا ثبوت یہ کہ اکثر اخبارات میں اُن کے فوٹو شائع ہوتے رہتے ہیں، چنانچہ ان کے اس عمل کے خلاف میرے پاس استفتا آیا بعینہٖ اُس کی فوٹو کاپی میں نے اپنے ایک عرضنامہ کے ساتھ اُن کے پاس بھیجدی چند دن بعد اُس کا جواب آیا علّامہ کاظمی صاحب نے اس میں لکھا ہے کہ بندے نے خود کبھی فوٹو نہیں کھنچوایا لوگ خود کھینچ لیتے ہیں۔ فقط سعید احمد کاظمی، یہ تمام تحریرات میرے پاس محفوظ ہیں۔ کاظمی صاحب کا یہ معذرت نامہ اور براءت والا خط محض اپنے خلاف فتوے سے بچنے کے لیے ہے ورنہ اخبارات میں چھپنے والے اور چند اخبارات میں ان کے گروپ فوٹو شائع ہوئے جس کی کٹنگ کئی احباب کے پاس ریکارڈ ہے

رہا مدنی میاں صاحب کا فتویٰ اور اُس کے دلائل بالکل ہی ناسمجھی اور عدم تفکّر پر مبنی ہیں۔ انہوں نے پہلا قیاس آواز کی کیسٹ پر کیا کہ جس طرح کیسٹ میں آواز کی کوئی صورت نہیں ہوتی اسی طرح شعاعوں کی بھی کوئی صورت نہیں ہوتی کیسا ناکارہ قیاس ہے۔ آواز پر قیاس کرنا ہی غلط ہے۔ آواز کی شکل تو اصلاً ہی نہیں ہوتی چہ جائیکہ مشین میں ہو، نیز آواز کی ٹیپ کیمرے سے نہیں بتائی جاتی نہ بن سکتی ہے۔ نہ آواز کی شعاعیں بن سکتی ہیں نہ شکل صورت اصل انسانی آواز کی بھی اور ٹیپ وگراموفون ریکارڈ کی بھی اتنے فرق ہوتے ہوئے پھر بھی اس پر تصویر کو قیاس کرنا عجیب سی بات ہے غالباً مولانا کو منطق و اصول فقہ کے قیاسی مسائل بھول رہے ہیں، کیا مولانا بتاسکیں گے کہ قیاس کی کتنی قسمیں ہیں اور ان کا یہ آواز پر تصویر کو قیاس کرنا کونسی قسم ہے دوسرا قیاس انہوں آئینے پر کیا ہے یہ بھی بالکل غلط ہے۔ آئینے میں کسی بھی چیز کی فوٹو اور تصویر نہیں ہوتی بلکہ ہر اُس چیز کا عکس ہوتا ہے جو آئینے کے مقابل آجائے۔ تصویر اور عکس میں فرق یہ ہے کہ عکس میں بقا نہیں ہوتا۔ تصویر میں بقا ہوتا، یہاں مدنی صاحب نے کیمرے کے بٹن دبانے کو آئینے کے سامنے سے پردہ ہٹانے کی مثل کہا ہے۔ میں کہتا ہوں کیا مدنی میاں تے فتویٰ لکھتے وقت عقل کا دامن بالکل ہی چھوڑ دیا تھا بٹن دبانے اور پردہ ہٹانے میں فرق نہ جانا اگر آج مدنی میاں کو آئینے میں زید کھڑا نظر آرہا ہے کچھ دیر بعد زید چلا گیا آئینے کے سامنے سے ہٹ گیا۔ اب پھر مدنی میاں کا دل چاہا کہ زید کو آئینے میں دیکھوں تو کیا پردہ ہٹا کر دیکھ سکتے ہیں۔

مگر وڈیو میں جب چاہیں دیکھیں اگرچہ زید مرکر فنا ہو چکا ہو آئینے میں کچھ محفوظ نہیں مگر وڈیو میں سب کچھ محفوظ ہے ۔ ۷ یہ کہ آئینے کے سامنے نماز پڑھنا سجدہ رکوع کرنا جائز ۔ تصویر کے سامنے ناجائز ۔ اس لیے کہ کسی بھی زندہ انسان یا تصویر کے چہرے کے سامنے سجدہ کرنا منع ہے نماز کا سجدہ ہو یا کسی اور مقصد کا ۔ آئینے میں چونکہ چہرہ سامنے قائم نہیں رہ سکتا جب نمازی سجدہ کرے گا تو اُس کا عکس بھی سجدے میں میں پڑا ہوگا ۔ اور اگر کوئی دوسرا شخص نمازی کے پیچھے کھڑا ہو گیا تب بھی سجدہ اُس سے اور اُس کے عکس سے آگے ہوگا ۔ نہ کہ سامنے اور اگر کوئی شخص نمازی کے آگے پیٹھ کر کے بیٹھ گیا یا کھڑا ہو گیا تب بھی جائز کیونکہ اصل کی بھی پیٹھ نمازی کے آگے اور عکس کی بھی بلکہ عکس پوشیدہ لیکن اگر کوئی شخص نمازی کے آگے منہ کر کے کھڑا ہوا یا بیٹھا تو عکس سامنے ہی نہ رہا سامنے تو اصل ہے عکس آڑ میں ۔ مگر تصویر میں یہ بات نہیں تصویر اگر سامنے سیدھا چہرہ کر کے رکھی ہو تو نماز اُس کے آگے پڑھنا قطعاً ناجائز بلکہ حرام اور نماز باطل ۔ اب دیکھنا یہ ہے ویڈیو ٹیوی اگر چلتا ہو تو اُس کے سامنے نماز جائز ہے یا ناجائز و حرام یقیناً مدنی میاں اور دیگر تمام علماء ناجائز و حرام ہی کہیں گے ثابت ہوا کہ ویڈیو ٹیلی ویژن عکس کی مثل نہیں بلکہ تصویر کی مثل ہے ۔ لہذا عکس پر قیاس کرنا اور آئینے کی مثالیں دینا قطعاً درست نہیں ۔ یہ تو مدنی میاں صاحب کی دونوں قیاسوں کی کمزوری بتائی گئی ہے ۔ اب اگر مدنی میاں صاحب فرمائیں کہ چلتے وڈیو کی بات نہیں بلکہ وڈیو کیسٹ کی بات کرو اگر نمازی کے سامنے وڈیو کیسٹ پڑتی ہو تو نماز جائز

ہے یا نہیں، سب کہیں گے کہ جائز ہے ثابت ہوا کہ وڈیو کیسٹ بنانا جائز البتہ وڈیو کیسٹ چلا کر سامنے نماز منع، تو ہم کہیں گے کہ یہ بات بالکل ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ بٹوے کے اندر فوٹو پوشیدہ رکھی ہو اور بٹوا بند ہو اگر وہ بند بٹوہ نمازی کے آگے رکھا ہو تو اُس کے سامنے نماز پڑھنا جائز ہے یا منع بالکل یہی صورت وڈیو کیسٹ کی ہے اس میں تمام تصویریں موجود ہیں مگر فلم کی ریل یا فوٹو کے نیگیٹو کی طرح نہیں۔ نیگیٹو اور فلمی ریل میں فوٹو نظر آتے ہیں۔ مگر وڈیو کیسٹ میں نظر نہیں۔ مولانا سید مدنی کی تحقیقی معلومات بالکل غلط ہیں کسی جاہل نے شیطانی وسوسے میں لا کر مولانا کو اس غلط راہ پر لا ڈالا اور مولانا نے بغیر تأمل جلد بازی دکھاتے ہوئے فوراً جواز کا فتویٰ داغ دیا اور عیاشوں کی عید بنا دی۔ چاہیئے تھا کہ بہت سے معتبر سائنسدانوں انجنیئروں، اور وڈیو پر تحقیقاتی کتب کا مطالعہ کرتے۔ اُن کے حوالے اپنے فتوے میں لکھتے یا اُن سائنسدانوں محقّقوں کا نام وَپتہ تحریر فرماتے تا کہ اُن سے رابطہ کر کے جھوٹ سچ کا نبہ تک پتہ لگایا جا سکتا۔ اس طرح کی مجہول معلومات کر کے اندھا فتویٰ لکھ ڈالنا اور ہر سطر میں چشم پوشیوں کا ارتکاب کرتے چلے جانا۔ اور غیر متعلقہ لوگوں سے تائیدیں حاصل کر لینا تو قوم کو گمراہ کرنا ہی ہے جس کا وبال اپنے سر لینے والی بات ہے کیا حضرت مولانا کو فوٹو و تصویر سازی کی اُس وعیدِ شدید کا علم و احساس و خوف نہیں جو احادیثِ مقدّسہ کثیرہ متعدّدہ مشہورہ میں وارد ہوئی۔ جاندار کی تصویر سازی بُرش و قلم کی مصوّری سے

ہو یا کیمرے کی کشیدگی سے کیمرہ وڈیو کا ہو یا فلم کا یا نیگیٹو کا بالکل ہر وقت ہر اعتبار سے قطعاً بُت سازی ہے۔ تصویر بڑی ہو یا چھوٹی کسی آنکھ سے نظر آئے یا نہ آئے۔ ظاہر ہو یا پوشیدہ، کیسٹ و شریط میں چھپی ہو یا بڑے اور پُرس میں پوشیدہ، فوٹو تصویر یا وڈیو فلم، بنانا اور بنوانا سب درجہ حرام کا گناہِ کبیرہ ہے۔ کوئی خوشی سے بنائے بنوائے یا مجبوری اور ضروریاتِ زندگی سے بنائے یا بنوائے سب کا گناہِ عظیم برابر ہے، فرق صرف یہ ہے کہ خوشی وَ بلا مجبوری سے بنانے بنوانے والے کا گناہ خود اسی بنانے بنوانے والے پر پڑے گا لیکن مجبوراً بنانا بنوانا اس کا گناہ منتقل ہو جائے گا مجبور کرنے والے کی طرف۔ مثلاً شادی نکاح جلسے جلوس کی فلم سازی کا گناہ بذاتِ خود بنانے بنوانے والے پر وارِد ہوگا۔ کیونکہ یہ دل کی خوشی اور خواہشِ نفسانی کی بنا پر ہے، لیکن شناختی کارڈ، پاسپورٹ، ویزہ فارم کے لیے فوٹو بنوانے کا گناہِ عظیم حکومت کی طرف منتقل ہو جائے گا، کیونکہ وہ ہی مجبور کرتی ہے اور عوام اپنی ضروریاتِ زندگی دینی مثلاً حج وعمرہ و دنیوی مثلاً کاروباری سفر یا وطنی شناخت کے لیے فوٹو بنوانے پر مجبور ہیں۔ اس مجبوری سے فعلِ حرام بُت سازی پر مجبور ہیں اس لیے اِس فوٹو سازی کا گناہ مجبور کرنے والی حکومت کو ہوگا بہر کیف گناہ ختم نہیں ہوتا منتقل ہو جاتا ہے۔ مولانا مدنی میاں نے اپنے اس غیر اسلامی اور خلافِ شریعت فتوی میں دینی تبلیغ کا بھی ذکر فرمایا ہے لکھتے ہیں کہ وڈیو کیسٹ کے ذریعے تبلیغِ دین ایک بہتر اور مؤثر طریقہ ہے۔ یہ بھی محض ایک بہانہ تراشنا ہے ورنہ وڈیو

کیسٹ کے بغیر بھی چودہ سو سال سے دینی تبلیغ ہوتی چلی آرہی ہے، آج بھی تبلیغ کی مختلف تنظیمیں گاؤں گاؤں شہر شہر، ملک ملک پھر کر جو تبلیغیں کر رہی ہیں وہ وڈیو کیمرہ لے کر نہیں جاتے بغیر کیمروں مشینوں کے ہی کامیاب و مؤثر تبلیغ کر رہے ہیں۔ خود مدنی میاں صاحب بھی تبلیغی دورے کرتے پھرتے ہیں، اگر وڈیو کے ذریعے تبلیغ مؤثر و مفید ہوتی تو ان کو دورے کرنے کی کیا ضرورت وڈیو فلم بنا کر بھیج دیا کریں نیز تبلیغ کا مقصد تو آواز سنانا ہے یہ مقصد تو آڈیو کیسٹ ٹیپ ریکارڈ سے بہتر طریقے پر پورا ہو جاتا ہے کیا ضروری ہے کہ خطیب کی پُھبے دار شکل بھی محرموں نامحرموں کو دکھائی جائے۔ بلکہ ذاتی مشاہدہ تو یہ ہے کہ وڈیو فلموں سے سراسر نقصان ہی ہو رہا ہے اس طرح کہ جو طبقہ جلسے میں آ کر تقریر تبلیغ نہیں سنتا وہ گھر میں بیٹھ کر بھی تبلیغی فلمیں نہیں دیکھتا بلکہ اس قسم کے جوازی فتووں سے وڈیو کیمرے گھر گھر آ گئے اور ذاتی تقریبات کی دن رات فلمیں بننی شروع ہو گئیں اور جواز کی آڑ میں رات دن ڈرامے دیکھے جا رہے ہیں اور بہانہ یہ ہے کہ ڈراموں میں بہت اچھے نصیحت آمیز واقعات و ڈائیلاگ ہوتے ہیں۔ میں ایک دفعہ ایک گھر گیا دیکھا کہ وڈیو کیسٹوں سے الماری بھری ہوئی ہے میں نے گھر کے ایک نوجوان فرد سے پوچھا کہ یہ کس چیز کی فلمیں ہیں کہنے لگا کہ ہم نے تو کبھی دیکھی نہیں ابا کبھی کبھی خرید کر لے آتے ہیں اور ہم سے کہتے ہیں کہ ان کو دیکھا کرو۔

مگر ہمیں دیکھنے کا وقت ہی نہ تھا ہاں البتہ ہم دینی کتابیں کبھی کبھی پڑھ لیتے ہیں، جس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وِڈیو فلم تبلیغی کام کے لیے ناکارہ ہے، میری یہ تحریر شرعی فتویٰ نہیں، صرف مولانا مدنی کے اس نقصان دِہ فتوے کی تردید کے لیے ہے۔ میں نے اِس تردیدی مضمون کے لیے تقریباً پچیس ایسے لوگوں سے وِڈیو کی معلومات حاصل کیں جو وِڈیو اور ٹی وی کے ماہرین شمار ہوتے ہیں۔ اور ابھی بھی مزید معلومات حاصل کر رہا ہوں جن میں کچھ تحقیقاتی کتب بھی شامل ہیں۔ معلومات مکمل ہونے پر انشاء اللہ تعالیٰ مکمل مدلل باحوالہ فتویٰ لکھوں گا۔ موجودہ معلومات کا خلاصہ یہ ہے کہ وِڈیو فلم کیمرے کے ذریعے ہی تیار کی جاتی ہے۔ اوّلاً وڈیو کیسٹ بنائی جاتی ہے، وِڈیو کا شریط یعنی ریل سِلیکون کے چمک دار ذرّوں میں کیمیکل دوائیاں ڈال کر کیسٹ کی پٹی تیار کی جاتی ہے یہ علیحدہ لیبارٹری فیکٹریوں میں بنتی ہے سلیکون کے ذرّے ریتے میں پائے جانے والے چمک دار ذرّوں کو کہتے ہیں۔ ہماری اُس ابری یا ابرک کی مثل ہوتے ہیں جو پگڑی میں مایا کے ساتھ لگائی جاتی ہے۔ اِن ذرّوں والی کیسٹ کو کیمرے میں فِٹ کیا جاتا ہے۔ اور کیمرے اِس تیزی سے تصویریں بناتا ہے کہ ماحول و شخصیات کے ہر پہلو کی تصویر بنتی چلی جاتی ہے یہ تصویریں اُن ذرّوں پر نہایت باریک بنتی ہیں جو عام آنکھ سے نظر نہیں آتیں۔ ٹی وی میں دوربینی شیشے کے ذریعے بڑا کر کے دکھایا جاتا ہے، وہ کیسٹ جب چلتی ہے تو ذرّے تیزی سے گزرتے ہیں اور چونکہ ہر پہلو ہر حرکت ہر قدم کی تصویر ہوتی ہے

اس لیے فلم میں چلتے پھرتے جھومتے لہلہاتے چہچہاتے حرکت کرتے ماحول نظر آتے ہیں اس کیسٹ پٹی کی نچلی طرف یا اوپر کی جانب آڈیو ٹیپ ریکارڈ کا دھاگہ پیوست ہوتا ہے جس میں ساتھ ساتھ ماحول کی تصویروں کی بیرونی آوازیں ریکارڈ ہوتی جاتی ہیں۔ بہرکیف وڈیو کیسٹ میں ان سلیکون کے ذرات پر مکمّل تصویر بنتی ہے، اور یہ کیمرے کی خوردبینی شیشوں کا کمال ہے۔ خوردبینی شیشوں کے ذریعے تو بہت سے خطّاط حضرات چاول کے دانے پر پوری بسم اللہ شریف جتنی عبارت بھی لکھ لیتے ہیں جس کا مشاہدہ میں نے بھی کیا ہے اور وہ لکھائی بھی عام آنکھ سے نظر نہیں آتی، حاجی حضرات بہت سی ایسی تسبیحیں خرید کر لاتے ہیں جن کے امام میں ایک چھوٹا سا باریک گول شیشہ لگا ہوتا ہے اس کو جب ایک طرف سے آنکھ کے قریب لاکر دیکھا جائے تو بڑی سی تصویر نظر آتی ہے، کعبہ مکرّمہ کی یا روضۂ اقدس کی مگر دوسری جانب بجز ایک باریک نقطے کے کچھ نظر نہیں آتا۔ اسی طرح تعویذی قرآن مجید تو بہت سے لوگوں نے دیکھا ہے جو اوّل سے آخر تک مکمل ہوتا ہے۔ اگرچہ قانونِ شریعت کے مطابق اتنا چھوٹا تعویذی سائز کا قرآن مجید چھاپنا چھپوانا بیچنا گناہ ہے۔ بلکہ جیبی سائز، اور حمائل شریف چھاپنا بھی شرعًا ناجائز ہے، اس لیے کہ بڑے سائز میں دیگر فوائد کے علاوہ عظمت و ادب بھی نمایاں ہے اس زمانے میں تحریری فنکاری تو اس عروج پر ہے کہ بعض کاتبین چاول کے دانے پر پوری بسم اللہ لکھ لیتے ہیں، یہ ان کی حیران کن فنکاری ہے یہی کیفیت تعویذی سائز کے قرآن مجید کی ہے یہ لکھائی بھی نقوش و الفاظ کی تصویر کشی ہے جو خوردبین کے ذریعے کی جاتی ہے میں نے اس عمل کو دیکھا ہے۔ اس قرآن مجید کو دیکھنا اور پڑھنا بھی خوردبینی

محدب شیشوں کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے، محدب شیشے کے ذریعے وہی تعویذی قرآن کریم کی عبارت بہت بڑی ہو کر بالکل صاف لفظاً حرفاً مع زیر زبر شد مد کے ساتھ نظر آجاتی ہے۔ حالانکہ محض آنکھ سے کچھ نظر نہیں آتا۔ کیا مولانا مدنی میاں ان سب چیزوں کا محض اس لیے انکار کر دیں گے کہ آنکھ سے نظر نہیں آتیں یہ تمام بھی انسانی مصنوعات ہیں۔ بالکل یہی کیفیت وِڈیو کیسٹ کی ہے کہ اس میں بھی مکمل تصویر ہوتی ہے مگر نظر آتی ہے ٹی وی کے ذریعے یہی وجہ ہے کہ ٹی وی سکرین پر اس کو روکا بھی جا سکتا ہے تیز بھی چلایا جا سکتا ہے اور آہستہ مدھم بھی، اور بیرونی اصلی ماحول کے مطابق بھی، صرف دیکھنے کے ذرائع مختلف ہیں، تو جس طرح چاول کے دانے پر یا تسبیح کے گول شیشے پر جاندار کی انتہائی باریک تصویر بنانا اسی طرح حرام ہے جس طرح بڑی تصویر اسی طرح وِڈیو کیسٹ کے سلیکونی ذرے پر باریک ترین تصویر بنانی بھی حرام ہے اور وِڈیو کیمرہ جاندار تصاویر کے لیے استعمال کرنا ناجائز ہے۔ پتہ نہیں مدنی میاں صاحب کی عقل اِن باریک ضابطوں پر کیوں ناکام ہو گئی، راولپنڈی پاکستان میں ہمارے ایک ملنے والے ٹیوی کیمرہ مین سرکاری ملازم ہیں جب میں نے اُن سے کچھ معلومات لینے کے لیے بات چیت کی تو دوران گفتگو انہوں نے مجھے بتایا کہ سرکاری تقریبات کی فوٹو کشی میں ہمارے پاس ایک مشین ہوتی ہے یہ دیکھنے کے لیے کہ ہمارا یہ پروگرام صحیح بھرا جا رہا ہے یا نہیں، ہم وقفے وقفے سے کیمرہ ریل کی تصاویر کو اس مشین کے ذریعے یکسر ٹی وی سکرین دیکھ لیتے ہیں ان تمام باتوں سے ثابت ہوا کہ وِڈیو کیسٹ میں سلیکونی ذرات پر تصویر چھپتی ہے

لہٰذا اگر جاندار کی ہو تو وڈیو بنانا کیمرہ چلانا اور بنوانا چلوانا حرام ہے کیونکہ بُت سازی ہے۔ اس کے علاوہ میں کہتا ہوں کہ اگر فرضاً کیسٹ کی پٹی پر ہُو بہُو آنکھ ناک کان چہرے کی شکل کے مطابق تصویر نہیں بنتی بلکہ بقول مدنی میاں ہسپتالوں کے ڈاکٹری کمپیوٹر کی مثل دِل کی دھڑکن اور قلبی رفتار کی طرح لہریں شعائیں اور ریز بنتے ہیں۔ یہ قلبی رفتار کی لہریں ہی کمپیوٹر کی سکرین پر ہر ایک کو نظر آتی ہے۔ اگر وڈیو کیسٹ میں بھی اسی طرح لہریں بنتی ہوں تب بھی جاندار اشیاء کو فلمانے کے لیے وِڈیو کیمرہ کا استعمال کرنا شرعاً حرام ہے اور یہ عمل بھی تصویر سازی کے زُمرے میں آئے گا۔ ۲ دو وجہ سے۔ پہلی وجہ یہ کہ کیمرہ چلانے والا اور چلوانے وِڈیو بنوانے والا یہ جانتا سمجھتا ہے کہ میں ان جاندار انسانوں حیوانوں کی تصویریں بنا رہا ہوں اندر جاکر وہ ریز یا لہریں شعائیں بنیں یا شکل وصورت مگر بنانے بنوانے والے کا ارادہ لہریں بنانے کا نہیں بلکہ بیرونی ماحول فِلمانا ہے۔ اور بیرونی تصاویر کا ریکارڈ تیار وجمع رکھنا ہے، دوم یہ کہ اگرچہ کیمرہ لہریں شعاعیں بنا رہا ہے مگر آگے چل کر یہی لہریں تصویری شکل بننے والی ہے جو حرام ہے یعنی کیمرہ مین کا یہ عمل ہی آگے چل کر حرام وشرعاً ناجائز صورت اختیار کرنے والا ہے تو گویا کہ کیمرہ چلانا وچلوانا ایک حرام کام پر تعاون کرنا ہے اور حرام کام پر تعاون بھی حرام ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ (سُوْرَۃ مائدہ ۵ آیت ۲) یعنی اے ایمان والو نیکی اور تقوے کے کاموں پر تعاون کیا کرو گناہوں

اور برائیوں پر تعاون مت کیا کرو۔ ایک ماہر مجوبیات نے مجھے بتایا کہ جو کچھ وڈیو کیسٹ کی ریل میں چھپا ہوتا ہے وہی کچھ ہی ٹی وی سکرین پر اسی کیفیت میں نمودار ہوتا ہے اور وڈیو کیسٹ کی پٹی پر تصویر منجمد ہوتی ہے یہی وجہ ہے تصویر والی اشیا اور شخصیات فنا بھی ہو جاتی ہیں مگر وڈیو میں قائم و ثابت ہیں، جو شخص یہ کہتا ہے کہ وڈیو میں صرف لہریں اور شعاعیں ہیں وہ بکتا ہے اس کو حقیقت کا علم نہیں، حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک بار ایک وعظ میں بحوالہ بیہقی شریف فرمایا کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان ریت پر انگلی سے یا پانی پر رنگ سے کسی جاندار کی تصویر بنائے تب بھی گناہگار ہے اگرچہ اس تصویر کو بقا نہیں، یہ روایت میری نظر سے نہیں گزری تلاش شروع کر دی ہے اگر مل گئی تو ان شاء اللہ تعالیٰ فتوے میں شامل کر دی جائے گی پہلے میں حیران ہوتا تھا کہ پانی پر کوئی شخص کس طرح تصویر بنا سکتا ہے مگر مشاہدہ ہو چکا ہے۔ پریس میں کتابوں پر ابری کرتے ہوئے پانی پر رنگ و روغن کا تیل ڈالتے ہیں جس سے مختلف پھول پتیوں ستاروں کی شکلیں بن جاتی ہیں کاغذ کو اس کے ساتھ آہستہ سے جوڑ کر آرام سے اٹھا لیا جاتا ہے تو رنگ و روغن اپنی اسی شکل میں کاغذ پر آجاتا ہے۔ اور پھر خشک ہو کر منجمد ہو جاتا ہے۔ اس میں ماہر کاریگر حیوانی شکلیں تک بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح بعض بڑے کاریگر مستری معمار فرش بناتے وقت سفید سیمنٹ کے اندر اس طرح اور ایسی ہنرمندی سے تیل اور رنگ ملا کر فرش پر ڈالتے

ہیں کہ مختلف اشیا کی ٹیڑھی میڑھی شکلیں بن جاتی ہیں اب اگر تیل و رنگ کی یہ ملاوٹ اِس انداز سے ڈالی جائے کہ کسی جاندار کی شکل بن جائے اور وہی لہراتی شکل فرش پر منجمد ہو کر دائمی تصویر بن جائے تو بنانے اور بنوانے والا گنہگار کیوں نہ ہوگا۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں نے جناب صرف لہریں بنائی تھیں جن کو بقا نہیں تھی اور وہ لہریں زمین پر ڈالیں تو سیمنٹ کے ساتھ منجمد ہو کر دائمی پختہ و مضبوط ہو گئیں۔ منجمد کرنا میرا کام نہیں یہ تو سیمنٹ کا کام ہے جس نے رنگوں کو اپنی مثل مضبوط اور سخت کر دیا۔ نہ کوئی شخص اُس کی یہ عذر داری مانے گا کیونکہ اس کام کی ابتدا و تعاون اسی ایک شخص کا ہے۔ اور اس کے جائز و ناجائز ہونے کا فیصلہ بیہقی شریف کی اُس روایت نے فرما دیا کہ اگر پانی پر بھی کوئی شخص جاندار کی تصویر بنائے تو اتنا ہی گنہگار ہے جتنا کاغذ کپڑے پتھر پر چہرے کی تصویر بنانے والا نیز یہ مشاہدہ و نظارہ تو اکثر بار بہت سے اشخاص نے کیا ہے کہ سورج کی روشنی میں جب پانی پر تیل ڈالا جائے تو قوس قزح کی طرح مختلف رنگ نظر آتے ہیں اور اُس پانی کو آہستہ سے ہلایا جائے تو لہراتی بل کھاتی اس تیل میں مختلف شکلیں تھوڑی دیر کے لیے بن جاتی ہیں۔ اگر کوئی فنکار اپنی مہارت کے ساتھ اس انداز سے اُس تیل پانی کو ہلائے کہ جاندار کی شکل بن جائے اگرچہ تھوڑی دیر کے لیے ہی تب بھی وہ مسلمان فنکار گنہگار ہوگا۔ یہی معنی ہے پانی پر تصویر بنانے کا۔ وِڈیو کیسٹ اگر لہریں ہی بناتی ہو یا شعاعیں اور ریز تب بھی بنانے والا فوٹو گرافر اور تصویر ساز ہی کہلائے گا کیونکہ آگے جا کر یہی شعاعیں

لہریں ریز مکمل تصویریں بن رہی ہیں اور ٹی وی میں منجمد ثابت وقائم نیز یہ بھی ناممکن ہے کہ کیسٹ میں لہریں ہوں مگر ٹی وی میں تصویریں بن جائیں۔ جو کچھ اندر ہوتا ہے وہی کچھ باہر آتا ہے جیسے قلبی رفتار کی لہریں چونکہ اندر لہریں ہوتی اس لیے باہر کمپیوٹر کی سکرین پہ لہریں ہی نظر آتی ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے اندر شعائیں ہوں اور باہر وہی شعائیں مکمل تصویر بن جائیں۔ خلاصہ یہ کہ میری معلوماتی وتحقیقات کے مطابق وڈیو کیسٹ میں مکمل تصویر منجمد اور قائم وثابت ہوتی ہے۔ نظر اس لیے نہیں آتی کہ سلیکون ذرتوں پر چھپاں ہوتی ہے وہی تصویر کیمرہ مینوں کی مشین پر ذرا بڑی ہو کر اور ٹی وی پر مکمل بڑی ہو کر نظر آجاتی ہے۔ فرضاً اگر شعائیں ہی بنتی ہوں وڈیو کیسٹ میں تصویر نہ بنتی ہو تب بھی وڈیو بنانا حرام ہے کیونکہ کیمرہ مین کی بنائی ہوئی یہ شعائیں بھی ایسی ہی تصویریں ہیں کیونکہ آگے چل کر انہوں نے ہی تصویریں بنا ہے۔ مولانا مدنی صاحب نے اپنے اس فتوے میں عام فلم چلنے اور فلمی تصویروں کی حرکتوں کو چلتی ریل کی بیرونی اشیا کے پیچھے دوڑتے محسوس ہونے سے تشبیہ دی ہے۔ کتنی نادانی اور بچگانہ مثالیں ہیں۔ چلتی ریل کی بیرونی اشیاء کا پیچھے کی طرف دوڑتا محسوس ہونا بالکل ہی حقیقت کے خلاف اور محض وہمی وقتی تخیل ہے جب کہ فلم کی حرکتیں اور اسی طرح وڈیو کیسٹ کے چلنے سے تصاویر کی حرکتیں مختلف پہلوؤں کی تیز گزرتی ہوئی تصاویر کا گزرنا ہے۔ یہاں تو ان چھوٹے بلبوں کی مثال دینی چاہئے تھی جو ایک جگہ ہی تیزی سے چلتے بجھتے ہیں اور اسی تیزی کی وجہ سے ہار زنجیر کی

طرح چلتے نظر آتے محسوس ہوتے ہیں یا جیسے کوئی شخص تیزی سے آگ کا شعلہ گھمائے تو آگ کا گھیرا نظر آتا ہے۔ غرضکہ مدنی میاں کے اس فتوے میں ہر بات ہر مثال ہی غلط اور کمزور ہے خیال رہے کہ قانونِ شریعتِ اسلامیہ میں ہر عمل پر دوؔ چیزوں کی وجہ سے جائز یا ناجائز حرام یا حلال کا حکم لگایا جاتا ہے یہ شریعت کا اٹل قاعدہ کلیہ اور ضابطۂ کاملہ ہے اولاً عامل کی نیت اور آخراً عمل کا نتیجہ یہ دونوں چیزیں حدیث پاک سے ثابت ہیں، چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص۱ پر ہے۔ عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (الخ) یعنی اعمال کی اچھائی برائی کا دارومدار نیت پر ہے۔ اس حدیثِ پاک نے عمل کی ابتدا بتائی۔ اور مشکوٰۃ شریف ص۲۰ پر ہے عَنْ سَہْلِ ابْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (الخ) اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْمِ۔ یعنی اعمال کا اعتبار آخری نتیجے پر ہے شارحین اس کا یہ معنیٰ بھی کرتے ہیں کہ کام کا جو آخری نتیجہ نکلے پورے کام پر شریعت کا وہی حکم لگے گا۔ تو چونکہ وڈیو فلمانے والے کی ابتدائی نیت اور اختتامی نتیجہ تصویر سازی ہے تو جب تصویر سازی حرام تو اس کا یہ سارا عمل حرام یعنی اگر عمل کرنے والی کی نیت غلط تب بھی عمل ناجائز اگر اس عمل کا نتیجہ شرعاً برا تب بھی عمل ناجائز، وڈیو بناتے وقت بنانے والے کی نیت بھی تصویر سازی کی ہے اور جب آخری نتیجہ ٹی وی پر دیکھا تو وہ تصویر ہی دیکھی لہٰذا نیت و نتیجے کے معیار پر وڈیو فلم بنانا

بنوانا دونوں کام حرام ہوگئے۔ یہاں یہ بات نہ دیکھی جائے گی کہ کس طرح اور کب اور کہاں جاکر تصویر بنتی ہے۔ بلکہ فقط حامل کیمرہ مین کا ارادہ اور اُس کے عمل کا آخری نتیجہ دیکھ کر ہی شریعت کا حکم لگایا جائے گا کہ یہ کام جائز ہوا یا حرام ہوا۔ طریقے تو مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ دن رات بدلتے ہیں۔ پہلے زمانوں کی مصوری اور آج کل کی فوٹو گرافی میں زمین و آسمان کا فرق ہے یہ فرق طریقوں کا ہے مگر نیت و نتیجے میں کوئی فرق نہیں جو صدیوں پہلے تھا یعنی تصویر سازی وہی آج ہے لہٰذا شریعت میں جو حکم صدیوں پہلے جاندار کی مصوری پر حرمت کا لگا تھا وہی آج کی فوٹو گرافی پر لگے گا اور اُس کو حرام ہی کہا جائے گا۔ احادیثِ مبارکہ نے ہر حیوانی تصویر کو مطلقاً حرام فرمایا خواہ قلم یا برش کے شاہکار سے ہو یا اُنگلی کی رفتار سے کپڑے یا کاغذ پر نکھار کے یا لکڑی پر خراش کے پتھر پر تراش کر یا سانچے میں اُبھار کے یا کیمرے کے فقط بٹن دبا کر یا وِڈیو کی کیسٹ بنا کر۔ اگر کبھی ایسا طریقہ ایجاد ہو جائے کہ مصور تصویر بنانے کے لیے ایک قطرہ کسی سیاہی کا۔ کاغذ پر پھینک دے اور کافی دیر یا بہت دنوں بعد وہ قطرہ خود پھول کر خود بخود کسی جاندار کی تصویر بن جائے تو یہ عمل اور اِس کا گناہ بھی اُسی مصور پر ہوگا۔ اس تصویر کو اسی کی سازش و بناوٹ کہا جائے گی۔ ایک زمانہ تھا جب گندم کہیں گاہی جاتی کہیں صاف کی جاتی کہیں پستی کہیں چھنتی کہیں گندھتی کہیں پکتی کہیں پیکنگ ہوتی لیکن اب ایسی مشین بن چکی ہے کہ اُدھر گندم کا کھلیان مشین میں

میں ڈالو اِدھر آخری راستے سے تھیلیوں میں پیک ہوکر بسکٹ نکل رہے ہیں۔ اِدھر آلو پورے تیار شدہ مشین میں ڈالے جاتے ہیں دوسری جانب سے تَلی ہوئی چپس پلاسٹک کی تھیلیوں میں پیک ہوکر نکلتی ہے۔ ادھر مشین میں گنّے ڈالے جاتے ہیں دوسری جانب خوب صورت چینی شکر نکل رہی ہے یہ زمانے کا تغیّر و تبدّل طور طریقے ہیں اس سے شرعی احکام نہیں بدلے جاتے لَاتَبْدِیْلَ لِکَلِمَاتِ اللّٰہِ۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ ۔

سوال ۶۷:۔ میرے پاس ناگپور انڈیا سے چھپنے والا یہ ایک ماہنامہ رسالہ اَلْمِیزان ہے۔ اس رسالے کا اعلٰحضرت بریلوی نمبر ۱۹۷۶ میں چھپا تھا اُس میں ناگپور کے ایک جلسے کی مختصر روئداد ہے یہ جلسہ جشنِ ولادتِ اعلٰحضرت کی یادگار میں منعقد کیا گیا جس کی صدارت محدّث کچھوچھوی سیّد محمد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمائی تھی۔ آخر میں اُن کا خطبۂ صدارت نقل فرمایا گیا ہے یہ جلسہ ماہِ اکتوبر میں ہوا تھا۔ محدّثِ کچھوچھوی نے اپنے خطبۂ صدارت میں اعلٰحضرت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا کہ اعلٰحضرت کی زبان و قلم نکتہ برابر خطا کرے اِس کو اللہ تعالیٰ نے ناممکن فرما دیا ہے۔ اس جملے پر ایک شخص نے اعتراض کیا ہے کہ یہ بات درست نہیں۔ اور اُسی نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ فرمائیں یہ کہنا یا اعلٰحضرت کے متعلّق ایسی عقیدت رکھنا جائز ہے یا شرعاً ناجائز ہے۔

جواب:۔ یہ ایک بہت بڑے بزرگ عالم و محدّث کا قول ہے لہٰذا کچھ دن سوچنے سمجھنے کی مُہلت دو شاید کوئی جواز کا پہلو یا صورت نکل آئے خطاءِ بزرگاں گرفتن میں جلد بازی کرنا درست نہیں۔

بہت عرصہ غور و خوض کے بعد بھی اِس فقرے میں جواز کا کوئی پہلو میں نہیں نکال سکا۔ محدّث صاحب علیہ الرحمۃ کی میں نے بہت تقریریں پاکستان میں سُنی ہیں بہت احتیاط سے تقریر فرماتے تھے کبھی کسی نقطہ پر کوئی بھی کسی طرح کی گرفت نہیں کر سکا۔ مگر نا معلوم اِس خطاب میں ایسا قابلِ گرفت جملہ کیوں بول گئے یہ نقطہ غالباً عقیدت کے جذبات میں فرما گئے۔ ہو سکتا ہے بعد میں احساس ہو گیا ہو۔ بہر حال یہ پورا فقرہ شرعاً جائز نہیں کیونکہ ناممکنُ الخطا رب تعالیٰ نے صرف انبیاء کرام علیہم السّلام کو بنایا ہے۔ انبیاءِ کرام علیہمُ السّلام سے کسی دینی دنیوی معاملات قول و فعل میں ولادت سے وفات تک کوئی گناہ خطا لغزش کا سرزد ہونا ناممکن و محال ہے اور محال بِالذّات نہیں محال بِالعِصمۃ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مثلِ ملائکہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کو معصوم بنایا ہے جس کی وجہ سے تمام انبیاء علیہم السّلام کی شانِ اَقدس ہے کہ وہ گناہ و خطا و لغزش کر سکتے ہی نہیں۔ قادر ہی نہیں ہوتے یہی معنیٰ ہے ناممکن ہونے کا۔ لہٰذا کسی بھی غیر نبی کے لیے یہ اَلفاظ کہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ محدّث صاحب علیہ الرّحمۃ کو یہ فرمانا چاہیئے تھا کہ اعلیٰحضرت بریلوی کی زبان و قلم نقطے برابر خطا کرے اِس کو ثابت کرنا ناممکن ہے۔ اِس لیے کہ اعلیٰحضرت خطا کر سکتے ہیں مگر اتنی احتیاط سے زبان و قلم استعمال فرمایا کہ تا عمر خطا سرزد نہ ہوئی نہ ملفوظات میں نہ مکتوبات میں۔ اگر کسی مخالف نے کوئی غلطی نکالی بھی تو وہ اُس کی اپنی ہی کم فہمی و جہالت ثابت ہوئی۔

سوال ۶۸:۔ مہرِ منیر سوانح حیات پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ تعالیٰ

علیہ گولڑوی۔ کے صفحہ ۲۳ پر لکھا ہے کہ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے مرفوعاً کہ آں حضرت نے فرمایا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام میں روح پھونکی تو انہیں عرش معلیٰ کی دائیں جانب پانچ انوار رکوع و سجود میں معروف نظر آئے۔ آپ کے استفسار پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تیری اولاد کے پانچ افراد ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتے ہیں جنت دوزخ، عرش و کرسی، آسمان و زمین انسان جن فرشتے وغیرہ کو پیدا نہ کرتا تمہیں جب

کوئی حاجت پیش آئے تو اِن کے وسیلے سے سوال کرنا (ارجح المطالب جلد ۴ صفحہ ۱۶۴) اسی حدیث کو امام ابو القاسم رافعی وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے۔ صاحب ارجح نے امام احمد بن حنبل اور اُن کے فرزند عبد اللہ اور علامہ ابن عساکر اور محب طبری وغیرہ علمائے کرام کی کتب کے حوالے سے اس مضمون کی اور بھی کئی احادیث کو نقل کیا ہے جن میں آنحضرت نے فرمایا کہ میں اور علی ایک ہی نور سے پیدا کئے گئے ہیں۔ ہم نے یہ عبارت ایک وہابی بہت بڑے عالم صاحب کو دکھائی تو وہ کہنے لگے کہ پانچ انوار سے مراد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔۲ اور ابو بکر صدیق ۔۳ فاروق اعظم ۔۴ عثمان غنی ۔۵ علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ لیکن کل ایک شیعہ ذاکر نے بتایا کہ اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور فاطمہ، حسن وحسین اور علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ ہم عجیب کشمکش میں پڑ گئے۔ آپ ہم کو جواب عطا فرمائیں کہ صحیح کیا ہے۔

جواب: یہ کتاب مہر منیر حضرت اعلیٰ علیہ الرحمتہ کے وصال کے بعد تقریباً تیئیس سال بعد سنہ ۱۹۶۰ء میں مولوی فیض احمد صاحب نے لکھی، نہ اس میں حضرت علیہ الرحمتہ کا مشورہ نہ نظر ثانی اس لیے اس کتاب میں روایتی غلطیاں ہونا کچھ بعید نہیں یہ مندرجہ بالا پانچ انوار کے رکوع سجود والی بات بھی کذبیاتِ شیعہ میں سے ایک کذب ہے کسی بھی معتبر کتبِ احادیث میں اس کا نام ونشان بھی نہیں، نیز اس روایتِ موضوعہ میں نبی متکلم حضرت آدم علیہ السلام کی شانِ اقدس وارفع میں سخت گستاخی ہے کہ آدم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک رسول صاحبِ شریعت نبیِ مکرم علیہ السلام کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنی حاجت کے وقت اِن پانچوں کے وسیلے سے سوال کرنا، معاذ اللہ کسی بھی غیر نبی کی یہ جرأت وہمت نہیں کہ بارگاہِ الٰہی میں نبی کا وسیلہ بنے۔ نبی کا درجہ تمام مخلوق جنّ وانسان فرشتوں سے زیادہ ہے سب مخلوق انبیا علیہم السّلام کے دروازے کی بھکاری ہے، جس کسی کو بھی قُربِ الٰہی نصیب ہوتا ہے وہ نبی کے وسیلے سے ہوتا ہے کسی نبی علیہ السّلام کو کسی غیر نبی کے وسیلے کی ضرورت نہیں۔ وہ سب بلا وسیلہ مقربِ بارگاہ ہیں انبیا علیہم السّلام تو دنیوی امور میں بھی کسی مخلوق کا وسیلہ نہیں پکڑتے، یہاں تک کہ بیماری میں بھی کسی ڈاکٹر حکیم طبیب کی ان کو حاجت نہیں۔ دیکھو ایُّوب علیہ السّلام اتنے بیمار ہوئے مگر کسی حکیم طبیب سے کچھ واسطہ نہ رکھا نہ کسی اور نبی سے یہ ثابت، وسیلہ ہمیشہ ادنیٰ اور چھوٹا انسان اعلیٰ کا پکڑتا ہے۔ اس روایتِ اختراعیہ وافترائیہ میں، پانچ میں سے چار نور غیر نبی تصوّر کیے گئے۔ جن خبیث وظالم جاہل شیعوں رافضیوں

نے یہ جھوٹی روایت بنائی ہے وہ اس سے علیؓ فاطمہؓ حسنؓ حسینؓ مراد لیتے ہیں۔ لیکن خارجی اور وہابی لوگ صرف شیعوں کی بات توڑنے کے لیے اس سے مراد ابوبکر صدیق و فاروق، عثمان غنی و علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد لیتے ہیں۔ حالانکہ وہابی جانتے ہیں کہ یہ روایت بناوٹی ہے، شیعہ لوگ اہل بیت کو پنج تن پاک کہتے ہیں وہابیوں نے ان کے مقابلے میں خلفاءِ راشدین کو پنجتن پاک کہنا شروع کہدیا۔ مگر اہلِ سنّت کہتے ہیں کہ صحابہ کے دونوں گروہ ہی پنجتن پاک ہیں۔ پہلے زمانوں میں کذبیاتِ اسرائیلیات مشہور تھے مگر اب شیعہ رافضی تفضیلی و تبرائی کذبیات بنانے میں بنی اسرائیل سے بھی آگے بڑھ گئے ہیں۔ بلکہ شیعوں نے تو جھوٹ اور کذب و غلط بیانی کو تقیّہ کا نام دے کر اپنے دین و عبادت میں داخل کر لیا ہے اس بناوٹی روایت کا مقصد صرف یہ ہے کہ اہلِ بیت اور آئمہ اہلِ بیت کا درجہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام سے زیادہ ثابت کیا جا سکے حالانکہ یہ عقیدہ کفریہ ہے۔ مسلمانوں میں ایک غوثیہ فرقہ بھی ہے جو معاذ اللہ غوثِ پاک کا درجہ انبیا سے زیادہ سمجھتا ہے۔ لہٰذا وہ بھی اس کفریہ عقیدے کی بنا پر اسلام سے خارج ہے۔ ایسے فرقے تو جہالت کی پیداوار ہیں مگر حیرت تو اِن سنّی علما پر ہے جو آندصا دُھند ایسی کفریہ روایتیں لکھ ڈالتے ہیں۔ جو خود ان کو ہی مشکوک بنا دیں۔ ایسی ہی لایعنی لغو و کذب باتوں نے شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور خواجہ حسن نظامی دہلوی کو معاشرۂ علمیہ میں مشکوک بنا دیا کہ نہیں پتہ لگتا کہ یہ لوگ سنّی ہیں یا شیعہ یا وہابی۔ ان لوگوں نے اپنی کتب میں کوئی بات شیعہ نوازی میں کہہ کر شیعہ فرقہ کو خوش کر دیا

کوئی بات وہابیوں کی تائید میں کر دی۔ اس کج روی کی بنا پر مشکوک لوگ اہلِ سنت کے لیے قابلِ سند نہیں رہے۔ اسی روشِ بیگانگی میں یہ مولوی فیض احمد مشہور ہیں کہ نسبت گولڑوی کر کے سنیوں کی آنکھ کا تارا بن گئے مگر قلم اٹھایا تو کبھی شیعہ نوازی کبھی وہابیت نوازی کرنے لگ گئے۔ اس دورنگی چال کی اس کتاب مہرِ منیر میں اور بھی کئی مثالیں ہیں مثلاً ص۳ پر مدرسہ دیوبند کو علمی مرکز بنا دیا حالانکہ دیوبند سے ہی امکانِ کذب۔ امکانِ نظیر گستاخیِ رب تعالیٰ، گستاخیِ نبوت، جیسی ابلیسی جہالتوں نے جنم لیا، پھر کہیں اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے لیے جمع مذکر حاضر غائب کے صیغے استعمال کر کے اور لکھ کر وہابی طریقہ اپنایا حالانکہ یہ جمع کے صیغے اللہ تعالیٰ کے لیے بولنا وہابیت دیوبندیت کی ایجاد اور توحید کے خلاف ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو آنحضرت کہنا اور مکمل درود شریف لکھنے کے بجائے صلعم ڈالنا یہ بھی دیوبنیت وہابیت کی گستاخانہ ایجاد ہے اور یہاں یہ روایتِ موضوعہ مجہولہ لکھ کر شیعہ نوازی کر دی اور نام غوث پاک کا استعمال کر کے عن ابی ہریرہ لکھ دیا۔ سوکھا اور جھوٹا رعب ڈالنے کے لیے، نہ کوئی سند نہ حوالہ، پھر کہتے ہیں جی ہم عالم ہیں کیا علما کا یہی عامیانہ وطیرہ ہے۔ بہرکیف یہ روایت درایۃً قطعاً لغو ہے۔ ہاں البتہ نبی کریم آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایک حدیثِ قدسی مشہور ہے جس کو علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں اور محاضرۃ الاوائل میں اس حدیث پاک کو "ھذا حسن" فرمایا، اور دیلمی نے مسند فردوس میں عن ابن

عباس نقل فرمایا۔ اور مستدرک حاکم نے پوری سند کے ساتھ روایت فرمایا اور علامہ سُبکی نے شفاء السقام میں نقل فرمایا۔ اور علامہ بلقینی نے اپنے فتاوٰی میں لکھا۔ ھٰذا حدیثٌ صحیحٌ" اور محدث عبد الرزاق نے عن جابر سے روایت فرمایا۔ اور مکتوبات شریف مجدد الف ثانی، دفتر سوم حصہ دوم ص۹۳ پر اس حدیث قدسی شریف کو نقل فرمایا کہ۔ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ وَلَمَا اَظْھَرْتُ الرُّبُوْبِیَّۃَ ۔ اس حدیث پاک پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ درایت کے مطابق ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چونکہ سرورِ انبیاء ہیں اس لیے آپ سے وسیلہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی جائز ہے یہ مرتبہ غیر نبی کو ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا شیعہ روافض اہلِ بیت کو بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے برابر لانا چاہتے یہ اُن کا کفریہ عقیدہ ہے۔ بعض بدبخت شیعہ تو مولیٰ علی کو اللہ کے برابر سمجھتے ہیں۔

سوال ۶۹:۔ اسی کتاب جہر منیر میں ص۲۱ پر امام شافعی علیہ الرحمۃ کی طرف تین شعر بحوالہ روح المعانی اور بحوالہ تحفہ اثنا عشریہ منسوب کئے گئے ہیں۔

یَا رَاکِبًا قِفْ بِالْمُحَصَّبِ مِنْ مِنًی
وَاھْتِفْ بِسَاکِنِ خَیْفِھَا وَالنَّاھِضِ
سَحَرًا اِذَا فَاضَ الْحَجِیْجُ اِلٰی مِنًی
فَیْضًا کَمُلْتَطِمِ الْفُرَاتِ الْفَائِضِ
اِنْ کَانَ رِفْضًا حُبُّ اٰلِ مُحَمَّدٍ
فَلْیَشْھَدِ الثَّقَلَانِ اِنِّیْ رَافِضِی

ترجمہ: اے شتر سوار محصب میں کہ حدودِ منیٰ میں سے ہے ٹھہر جا اور اُس وادی میں بسنے والوں اور وہاں سے اُٹھ کر جانے والوں سے پکار کر کہہ دے اور اُن حاجیوں سے بھی کہہ دے جو علی الصباح دریائے فرات کی طرح موج در موج منیٰ میں وارد ہوتے ہیں کہ اگر آلِ محمد کی محبت کا نام رِفض ہے تو جن و انس گواہ رہیں کہ میں یقیناً رافضی ہوں۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ اشعار واقعی امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہی ہیں یا یہ بھی کسی شیعہ رافضی کے بنائے ہوئے ہیں۔ اور شافعی سے کیا واقعی امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی مراد ہیں یا کوئی دوسرا شخص امام شافعی کا مقلد مراد ہے کیونکہ ہر مقلد کو بھی شافعی کہا جاتا ہے۔ مثلاً امام نووی شافعی یا جلال الدین شافعی سیوطی وغیرہ وغیرہ اور امام عبد الرحمٰن صفوری دمشقی تو خود ہر جگہ اپنے آپ کو شافعی ہی لکھتے اور کہتے ہیں۔

جواب:۔ ان اشعار کو دیکھ کر ایک طالب علم بھی سمجھ جاتا ہے کہ یہ اَشعارِ ضلالت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے امام مجتہد فقیہِ اعظم کے نہیں ہو سکتے۔ اور یہ اشعار بھی کِذبیاتِ روافض میں سے ایک کذب ہے۔ شیعہ تفضیلی و تبرائی نے اپنے مذہب باطل کو بچانے کے لیئے اس طرح کی بہت سی تخریب کاریاں کی ہیں۔ کبھی کوئی شعر بنایا تو خواجہ معین الدین چشتی کی طرف لگا دیا اور کبھی امام شافعی کی طرف لگا دیا۔ اور سنیوں کے اندھے مولویوں نے اِن کِذبیات اور کاذبانہ نسبتوں کو بغیر سوچے سمجھے اپنی تقریر و تحریر کا موضوع بنا لیا مثلاً شیعوں کا بنایا ہوا ایک شعر ہند و پاک میں کافی زمانوں سے

گردش کر رہا ہے جس کو جھوٹی نسبت اور کذب بیانی سے خواجہ معین الدّین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ یہ اُن کا شعر ہے اور بس ایک ہی شعر سب کو یاد ہے دوسرا کسی کو نہیں معلوم وہ یہ ہے کہ ؎

کسے را میسّر نشد ایں سعادت ؛ بہ کعبہ ولادت بمسجد شہادت

اس کی تشریح میں کہا جاتا ہے کہ اِس شعر میں مولیٰ علی کی شان بیان فرمائی گئی ہے کہ بجز مولیٰ علی کسی کو بھی یہ سعادت میسّر نہیں ہوئی کہ اُس کی ولادت کعبے میں ہو اور اُس کی شہادت مسجد میں ہو، حالانکہ اس جھوٹے شعر کی نسبت بھی غلط ہے اور حقیقت کے بھی خلاف ہے کیونکہ نہ مولیٰ علی کی وِلادت کعبے میں ہوئی نہ شہادت مسجد کے اندر ہوئی، خواجہ صاحب کا نظمیہ دیوان مشہور ہے مگر اُس میں اس مضمون کا کوئی شعر نہیں۔ اور اگر یہ ایک ہی شعر ہے جو مشہور ہے تو اس میں تو مطلقاً ہر ایک سے ہی ان دونوں باتوں کی نفی ہو رہی ہے۔ اسی طرح جھوٹی نسبت کے یہ تین شعر ہیں اِن میں کسی کا نہ نام ہے نہ تخلّص، نہ معلوم کس نے بنایا۔ اُس کا نام یا تخلّص یا لقب یا نسبت شافعی تھی یا کچھ اَور۔ حضرت امام شافعی رضہ کی ذاتی تصنیفات میں اِن اشعار کا کوئی وجود نہیں۔ روح المعانی وغیرہ میں بنسبتِ شافعی لکھ دینا کوئی حقانیت کی سند نہیں۔ جس طرح محدّثین کا طریقۂ کار ہے کہ ہر روایت لکھ دیتے ہیں خواہ وہ حدیث ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح ہمارے مفسّرین بھی ہر سچا جھوٹا قول لکھ دیتے ہیں اب سچ جھوٹ کی چھانٹ کرنا فقہاءِ کرام کا کام ہے۔ نیز باطلین کا شروع سے یہ کام چلا آ رہا ہے کہ اپنی کذبیات

مٹوانے کے لیے کسی بزرگ و مخلص معظم کی نسبت کا سہارا لیتے ہیں تاکہ بے عقل عوام عقیدت مندوں کو انکار کی مجال نہ رہے۔ اسی طرح سے گمراہ کرنا بہت عرصے سے عام ہے اسی تخریب کاری سے کتب الٰہیہ اور کتب بزرگان میں ملاوٹیں کی گئیں۔ کبھی نسبتیں استعمال کی گئیں اوّلاً یہ کام یہودیوں نے کیا پھر اُن سے عیسائیوں نے سیکھا پھر اُن سے شیعوں نے پھر اُن سے دیوبندیوں وہابیوں نے کبھی جھوٹی خوابیں بنا کر اور کبھی اکابر کی کتب میں ملاوٹیں چھاپ کر۔ مثلاً پہلے جھوٹی کفریہ خواب بنا کر اشرف علی کا کلمہ پڑھوا لیا پھر کفریہ کو تعبیر دے کر گمراہی پھیلا دی پھر جب اہلِ حق نے لعن طعن کیا تو خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرّحمۃ کی طرف اِسی قسم کا جھوٹ بنا کر چھاپ دیا کہ انہوں نے بھی اپنے ایک مرید سے اپنا کلمہ پڑھوایا تھا۔ معاذ اللہ مگر اہلِ علم سمجھتے ہیں کہ یہ سب ابلیسی عیاشیاں عیّاریاں ہیں۔ اسی طرح یہ اشعار بھی ابلیسی چال ہے۔ اس لیے کہ اِن اشعار میں تین وجہ سے بے علمیاں بے عقلیاں اور جہالتیں ہیں۔ پہلی وجہ یہ کہ۔ رُفض کا معنیٰ ہے اسلام قرآن اور صراطِ مستقیم و راہِ ہدایت کو چھوڑنا اِس اشتقاق سے رافضی کا معنیٰ ہوا۔ اسلام قرآن کو چھوڑنے ترک کرنے صراطِ مستقیم و راہِ ہدایت سے دور ہٹنے والا انہی معنیٰ میں صحابہ کرام نے عبداللہ بن سبا یمنی یہودی نومسلم کے بنائے ہوئے تفضیلی شیعہ فرقہ کا نام رافضی رکھا تھا۔ یہ لفظ اپنے معنیٰ کے اعتبار سے اتنا بُرا اور منحوس ہے کہ خود شیعہ رافضی بھی اپنے آپ کو رافضی کہنا پسند نہیں کرتے جیسے کہ لفظِ وہابی خود وہابی بھی اپنے لیے پسند نہیں کرتے، تو اب اِن اشعار میں آخری تیسرے شعر کا ترجمہ یہ ہوا کہ۔

اگر ہے دینِ اسلام چھوڑنا آلِ محمد کی محبت ٭ تو ثقلان یعنی تمام جنات وانسان گواہ بن جائیں کہ رانّی رافضیٌ بے شک میں دین اسلام قرآن صراطِ مستقیم وراہِ ہدایت چھوڑنے والا ہوں۔ کیا امام شافعی یہ کفریہ بات کہہ سکتے تھے۔ کیا امام شافعی کو لفظِ رفض کا معنیٰ نہ آتا تھا، دوسری وجہ یہ بات اَظہَرُ مِنَ الشَّمس حقیقت ہے کہ دورِ صحابہ سے لے کر تا قیامت تمام اہلِ سنّت بھی آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے محبت کرتے ہیں اور تمام رافضی شیعہ تفضیلی بھی تبرّائی بھی آلِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں مگر خود مولیٰ علی مشکل کشا شیرِ خدا کے فرمانِ مقدس کے مطابق تفضیلی شیعہ محبِّ مُفرِط ہیں جو اس غلط محبت کی بنا پر ہلاک ہو گئے (از مشکوٰۃ شریف ص۵۵۵) اب بتایا جائے کہ اِن شعروں والا اگر امام شافعی تھا تو وہ کس قسم کی آلِ محمد سے محبت کرتا تھا اور کن لوگوں نے کیوں اُس شافعی کو رافضی کہنا شروع کیا کیا حضرت امام شافعی کی حُبِّ اہلِ بیت سنّیوں والی تھی یا رافضیوں والی اگر سنّیوں والی تھی تو یہ سچی محبت تو اُن کے زمانے میں تمام سُنّی مسلمان اہلِ بیتِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے کرتے تھے امام احمد حنبل بھی۔ اُن کو کسی نے کیوں رافضی نہ کہا اِسی سنّی محبت کا حکم قرآنِ مجید میں مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔ اِلَّا المَوَدَّۃَ فِی القُربیٰ (سورۃ شوریٰ آیت ۲۳) اور ہم ہرگز نہیں مان سکے کہ امام شافعی جیسی ہستی کو آلِ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے رافضیوں جیسی ہلاک کر کے جہنمی بنانے والی محبت ہو۔ تیسری وجہ۔ یہ شعر تو اس طرح احمقانہ ہے جیسے کوئی مسلمان کہے کہ اگر موسیٰ علیہ السّلام

سے محبت کرنا یہودیت ہے تو ثقلین گواہ رہیں کہ میں یہودی ہوں۔ یا کوئی مسلمان کہے کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام سے محبت کرنا عیسائیت ہے تو ثقلین یعنی جن وانس گواہ رہیں کہ بے شک میں عیسائی ہوں۔ یا کوئی مسلمان کہے کہ اگر توحید پر زور دینا سکھوں کی نشانی ہے تو ثقلین گواہ رہیں کے بے شک میں سکھ ہوں کیا کوئی ادنیٰ بے علم مسلمان بھی ایسا کہہ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں تو پھر امام شافعی کی طرف ایسی جاہلانہ بات کیوں منسوب کی جائے۔ اگر فرضاً کوئی احمق پاگل جاہل انسان موسیٰ علیہ السلام یا عیسیٰ علیہ السلام سے محبت کرنے والے مسلمان کو اور توحید پر زور دینے والے مومن مسلمان کو یہودی یا عیسائی یا سکھ کہہ دے تو اس کا یہ جاہلانہ اور کفریہ جواب نہیں ہے کہ ہاں بے شک میں یہودی یا عیسائی یا سکھ ہوں۔ بلکہ عالمانہ مومنانہ مسلمانہ جواب یہ ہے کہ ارے بدبخت مجھ کو موسیٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام سے جھوٹی اور کفریہ محبت نہیں ہے کہ تو مجھ کو یہ الزام دے رہا ہے، نہ میری توحید سکھوں جیسی ہے۔ بلکہ میری محبت اور توحید اسلام قرآن والی ہے یہاں بھی امام شافعی پر اگر فرضاً کسی بدبخت نے یہ الزام تراشی اُس وقت کی تھی تو یہ جواب درست نہ تھا بلکہ جواب ایمانی علمی یہ تھا کہ اگر اہلِ بیت کی محبت رفض ہے تو میں ایسی کفریہ محبت سے بیزار ہوں۔ ثقلین گواہ رہیں کہ بے شک میں سنی مسلمان ہوں اور آلِ رسول سے اسلام قرآن والی سچی حقیقی محبت کرتا ہوں میں مُحبِ مُفرط نہیں ہوں۔ محبِ مُفرط تو بفرمانِ علی مرتضیٰ ہلاک ہونے والے جہنمی گمراہ ہیں۔ جو اُس وقت بھی خود کو محبانِ علی اور شیعانِ اہل بیت کہتے تھے

مگر خود حضرت علی اور تمام صحابہ نے اُن کو رافضی کہا ہے۔

سوال نمبر ۷ :- یہ ایک شیعہ ذاکر محمد جہدی کی کتاب سَوَآءُ السَّبِیل ہے اس میں تقریباً بارہ عدد گستاخیاں اور طعنے بازیاں جو صدّیق اکبر کی ذات پر کی گئیں ہیں صفحہ ۱۵۹ پر لکھا ہے کہ سیّدہ فاطمہ نے ابو بکر خلیفہ سے اپنے والدِ مکرّم کی میراث کا مطالبہ کیا۔ ابو بکر خلیفہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لَا نُوْرِثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ۔ اِنَّمَا یَاکُلُ آلُ مُحَمَّدٍ مِّنْ ھٰذَا الْمَالِ (الخ) بخاری۔ یہ سن کر سیدہ ناراض ہوئیں اور فرمایا اے قحافہ کے بیٹے یہ کون سا انصاف ہے کہ تو اپنے باپ کی میراث پائے اور میں محروم رہوں، پھر سیدہ نے کہا فدک ہمارا ہے۔ رسول ہمیں دے گئے ہیں، اس پر ابو بکر نے گواہ طلب کئے تو سیدہ نے اپنے شوہر علی کو اور فرزندان حسنین کو اور اپنی لونڈی اُمِ ایمن کو گواہ لائیں ابو بکر نے۔ اُن کی گواہی رَدّ کر دی۔ اس پر سیدہ ناراض ہو کر چلی گئیں اور مرتے دم تک ابو بکر سے نہ بولیں حتیٰ کہ وصیت کر گئیں کہ میرے جنازے پر بھی ابو بکر شریک نہ ہو۔ اس کے بعد شیعہ مصنف لکھتا ہے کہ دیکھو ابو بکر نے جگر پارۂ رسول کو ناراض کیا اور نبی نے فرمایا کہ جس نے فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اُس نے اللہ کو اذیّت دی۔ لہٰذا ابو بکر اس اذیّت دینے سے مشرک ہو گئے۔ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ اس کا جواب ایک وہابی خارجی مولوی نے تو بہت سختی اور گستاخی علی و فاطمہ سے دیا ہے مگر میں اُس کو نقل نہیں کر سکتا کیونکہ وہ اُس کی زبانی تقریری باتیں نہیں۔ مگر اُس کا

آخر یہ ہوا کہ شیعہ مقررین کے اس دن سے گستاخی صحابہ سے منہ بند ہو گئے لیکن ہم چونکہ سنی مسلمان ہیں اس لیے ہم جواب شیعان میں مولیٰ علی و فاطمہ زہرا اور اہلِ بیت کی گستاخی نہیں کر سکتے ان رافضیوں کے منہ بند کرنے کے لیے تو خارجی لوگ ہی کافی ہیں، جس طرح یہودیوں، عیسائیوں کی کی گستاخیوں کا جواب ہم گستاخی سے نہیں دے سکتے اسی طرح شیعہ گستاخوں کو بھی گستاخی کا جواب ہم گستاخی سے نہیں دے سکتے جب دو دن وہابی مولوی نے خوب زہریلی تقریریں کیں تو یہ شیعہ بھاگے تھانے کی طرف کہ خدا کے لیے یہ تقریریں بند کراؤ، تھانیدار نے ہم سب کو بلایا، تو سنی علما نے فرمایا کہ اب تم لوگ کیوں روتے ہوئے تھانے آئے ہو کیا اُس وقت تم کو غیرت نہیں آتی جب تم ہمارے صحابہ کرام کی گستاخیاں کرتے ہو، اب تم کو کیوں درد ہو رہا ہے۔ تھانیدار نے ہماری تائید میں بات کی اور شیعوں کو خبردار کیا کہ آئندہ ہرگز تم لوگ کسی قسم کی غلط تقریر نہیں کر سکتے ورنہ امام باڑہ سیل کر دیا جائے اور مقرر کو گرفتار کر لیا جائے گا تم کو معلوم نہیں کہ ملک کے حالات کتنے خطرناک خراب ہیں، اس دن سے خاموشی ہوئی۔ مگر چونکہ یہ گستاخی اِس کتاب میں لکھی ہوئی ہے لہٰذا اِس کا تحریری جواب عطا فرمایا جائے یہ جواب ہم صرف اپنی تسلی کے لیے مانگ رہے ہیں۔

جواب:۔ حقیقت یہ ہے کہ تفضیلی اور تبرائی شیعے اہلِ بیت کے وہ احمق دوست ہیں جن کے تمام عقائد و نظریات سے خدا اہلِ بیت کے شانِ اقدس میں گستاخی اور توہین ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ

خارجی لوٹے کو گستاخی کا موقعہ مل جاتا ہے پھر یہ پیٹ اُٹھتے ہیں، کہ ہائے اِن کے منہ بند کراؤ۔ یہ شیعہ رافضی لوگ اپنی طرف سے تو گستاخیٔ صحابہ خاص کر صدّیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی شانِ معظم میں بدتمیزی کرنے کے لیے جھوٹی باتیں بناتے ہیں مگر اُن کے اُن ہی کذبیات سے اہلِ بیت اور مولیٰ علی فاطمۃُ الزّہرا وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی گستاخی ہو جاتی ہے۔ اِسی لیے بزرگ فرماتے ہیں کہ احمق دوست سے عقل مند دشمن اچھا، شیعوں کی محبت اہلِ بیت سے بالکل ویسی ہی ہے جیسی عیسائیوں کی عیسٰی علیہ السّلام سے۔ اِسی لیے مولیٰ علی رض نے اُن حُمقا کو محبِّ مُفرِط فرما کر ہلاکتِ جہنّم کی وعید سنائی تھی اُن ہی جاہلانہ کِذبیات میں سے ایک یہ باغِ فدک والا جھوٹ ہے، جس کو لے کر یہ جی بھر کر صدّیقِ اکبر رض فاروقِ اعظم رض کی شانِ اقدس میں تبرا بازی اپنی تقریروں تحریروں میں کرتے اور لکھتے رہتے ہیں حالانکہ اِن کی اس بناوٹ سے بھی صدّیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی گستاخی نہیں ہوتی بلکہ خود فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا اور مولیٰ علی شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گستاخی ہوتی ہے۔ باغِ فدک کی مختصر تفصیل اس طرح ہے کہ شیعہ اور سنّی کتب میں تین قسم کے اقوال و عبارات درج ہیں۔ ۱۔ کچھ جہلاءِ شیعہ کے اقوال ۲۔ کچھ علماءِ شیعہ کے اقوال ۳۔ اور سُنّی علما کے اقوال۔ کتاب سوآءُ السبیل کا مصنّف بھی جہلاءِ شیعہ میں سے ہے بلکہ شیعوں میں اکثریت ایسوں کی ہے، جہلاءِ شیعہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ جب ابوبکر صدیق خلیفہ بنے تو فاطمہ زہرہ اُن کے پاس باغِ فدک مانگنے گئیں کہ باغِ فدک ہمارا ہے ہم کو دیدو۔ یہاں شیعہ کتب میں فاطمہ زہرا

کی طرف سے ایسی کرخت، مغرورانہ اور غیر مہذب زبان استعمال کی گئی ہے کہ فاطمہ زہرہؓ تو درکنار کوئی جاہل عورت بھی ایسی بدتمیزی کی زبان استعمال نہیں کرسکتی، جب فاطمہ زہرہؓ نے باغ مانگا اور کہا کہ یہ ہماری میراث ہے ہم کو دو تو صدیقؓ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہوا ہے کہ ہم گروہ انبیاء نہ میراث بناتے ہیں نہ ہمارا مال کسی کو میراث ملتا ہے۔ ہماری میراث درہم و دینار نہیں بلکہ دین وعلم ہے۔ اس پر فاطمۃ الزہرہؓ نے فرمایا۔ کہ اے ابوبکرؓ کیا تو میری شان کو نہیں جانتا میں وہ ہوں جس کے لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ وسلم نے فرمایا کہ جس نے فاطمہ کو ایذا پہنچائی اُس نے مجھے ایذا پہنچائی، جس نے مجھے ایذاء پہنچائی اُس نے اللہ کو ایذا پہنچائی۔ تو اے ابوبکر تو نے مجھے باغِ فدک نہ دے کر ایذا پہنچائی ہے۔ یہ کہہ کر سیدہ فاطمہ ناراض ہو کر چلی گئیں اور ساری عمر ابوبکر سے ناراض رہیں یہاں تک کہ اس بات کے چھ ماہ بعد فاطمہ زہرہؓ کا وصال ہو گیا۔ وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ ابوبکرؓ میرے جنازے میں نہ آئے یہی وجہ تھی کہ مولیٰ علیؓ نے رات کے وقت خاموشی سے چھ آدمی بلا کر نمازِ جنازہ پڑھا کر دفن کر دیا کسی کو اطلاع نہ دی تاکہ ابوبکر کو خبر نہ ہو جائے۔ یہ تھا ایک جاہلانہ بناوٹی قول۔

بعض جُہلا کہتے ہیں کہ، فاطمہ زہرہؓ نے باغِ فدک بطورِ میراث نہیں مانگا تھا بلکہ جا کر کہا تھا کہ نبی کریم نے باغِ فدک مجھے ہبہ کر دیا تھا لہٰذا تم باغِ فدک میرے حوالے کرو۔ اس پر ابوبکر نے کہا کہ اس ہبہ پر کوئی گواہ ہے۔ تو فاطمہ زہرہؓ، حسنؓ و حسینؓ اور اپنی لونڈی

اُمِ ایمن اور اپنے خاوند مولیٰ علیؓ کو بطورِ گواہ لے گئیں، تب ابوبکرؓ نے اس تمام گواہی کو رد کر دیا، اور کہا کہ کیا نبی کی زندگی میں تم کو قبضہ مل گیا تھا، فاطمہ زہرہؓ نے فرمایا کہ نہیں قبضہ تو نہیں ملا تھا، تو ابوبکر نے کہا کہ جس ہبہ پر ہبہ کرنے والا اپنی زندگی میں قبضہ نہ دے وہ ہبہ اسلامی قانون کے مطابق بعد وفات ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا باغِ فدک کا ہبہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی وفات کے بعد شرعی قانون کے مطابق ختم ہو گیا، یہ سن کر فاطمہ زہراؓ ابوبکرؓ سے ناراض ہو کر چلی گئیں پھر ساری عمر نہ بولیں اس طرح ابوبکرؓ نے فاطمہ زہرہؓ کو ایذا پہنچا کر اللہ رسول کو ایذا پہنچائی۔ یہ تھے باغِ فدک کے متعلق جہلاءِ شیعہ کے مختلف اقوال جو ان کی کتب میں لکھے ہیں، اور تقریروں میں تو یہ باتیں کر کے تبرّا اور بدتمیزیوں کی حد کر دیتے ہیں مگر یہ سب کچھ جھوٹ اور بناوٹ ہے بلکہ فاطمہ زہرہؓ پر اِلزام تراشی ہے۔ اِن کذبیات کو خود علماءِ شیعہ بھی نہیں مانتے، جُہلاءِ شیعہ کہتے ہیں کہ باغِ فدک ابوبکرؓ و عمرؓ نے مل کر غصب کر لیا۔ لیکن علماءِ شیعہ اپنی کتابوں میں صاف اور واضح طور پر لکھتے ہیں کہ حضرت فاطمہ نے ابوبکر سے فدک مانگا کہ یہ ہماری میراث ہے ہم کو دی جائے تب ابوبکر نے فرمایا کہ رسولؐ اللہ نے تو یہ فرمایا ہے کہ ہم گروہِ انبیاء کسی کو دنیوی مال کا وارث نہیں بناتے۔ چنانچہ شیعہ کتب مـ۱ دُرّۂ نجفیہ شرح نہج البلاغہ مطبوعہ طہران صـ۲۳۲ پر مـ۲ ابنِ حدید کی شرح حدیدی نہج البلاغہ جلدِ دوم جز مـ۱۶ صـ۲۹۶ مـ۳ سید علی نقی فیض الاسلام کی شرح نہج البلاغہ بزبان فارسی جلد مـ۵ صـ۹۶۰ پر مـ۴ شیعوں کی سب سے معتبر شرح نہج البلاغہ طبع ایران ابن ہثیم بحرانی کی جلد مـ۵ صـ۵۴۳

پس ہے کہ جب فاطمہ زہراؓ نے دربارِ خلافت میں جا کر باغ فدک طلب فرمایا تو ابوبکرؓ نے حمد و ثنا اور درود شریف پڑھ کر فاطمہ زہراؓ کی توضیبت فرما کر کہا کہ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مُعَاشِرَ الْاَنْبِیَاءِ لَا نُوْرِثُ ذَھَبًا وَّلَا فِضَّۃً وَّلَا اَرْضًا وَّ عِقَارًا وَّلَا دَارًا وَّلٰکِنَّا نُوْرِثُ الْاِیْمَانَ وَالْحِکْمَۃَ وَالْعِلْمَ وَالسُّنَّۃَ وَعَمِلْتُ بِمَا اَمَرَنِیْ وَنَصَحْتُ۔ پھر آگے لکھا ہے کہ ابوبکرؓ نے فرمایا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ علیہ وسلم یَاْخُذُ مِنْ فَدَکَ قُوْتَکُمْ وَیَقْسِمُ الْبَاقِیَ وَیَحْمِلُ فِیْہِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَکِ عَلَی اللّٰہِ اَنْ اَصْنَعَ بِھَا کَمَا کَانَ یَصْنَعُ فَرَضِیَتْ بِذٰلِکَ وَاَخَذَتِ الْعَھْدَ عَلَیْہِ بِہٖ وَکَانَ یَاْخُذُ غَلَّتَھَا فَیَدْفَعُ اِلَیْھِمْ مِنْھَا مَا یَکْفِیْھِمْ۔ ثُمَّ فَعَلَتِ الْخُلَفَا بَعْدَہٗ ذٰلِکَ۔ ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک ہم گروہِ انبیا کسی کو وارث نہیں بناتے سونے کا اور نہ چاندی کا نہ زمین کا نہ پلاٹ کا اور نہ گھر کا، لیکن ہم وارث بناتے ہیں ایمان اور حکمت اور علم اور سنتِ شریعت کا اور فرمایا ابوبکرؓ نے کہ میں نے بھی آج تک اسی طرح عمل کیا ہے جس طرح فرمانِ نبوی نے مجھ کو حکم دیا ہے اور نصیحت مانی ہے میں نے نیک نیتی سے، پھر فیصلہ کرتے ہوئے ابوبکر نے فرمایا کہ اے اہلِ بیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم فدک سے تم لوگوں کا پورا (سالانہ) خرچہ نکال کر باقی غلّہ اور باغ فدک کی پیداوار تقسیم فرما دیتے تھے اور اسی میں سے کچھ

راہِ خدا کے لیے اُٹھا لیتے تھے۔ اور اے فاطمۃ الزہرہؓ تمہارے بیٹے ہیں اللہ پر قسم کر کے کہتا ہوں، وہی کروں گا جو رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کیا کرتے تھے۔ تو فاطمہ زہرہؓ راضی ہو گئیں اس بات سے اور اِس طرح تقسیم پر وعدہ لے لیا ابوبکر سے، پھر تا وفات، ابوبکر باغِ فدک کا غلّہ لیتے تھے اور سب اہلِ بیت کو اتنا اتنا غلّہ دیتے تھے جو اُن کو کافی ہوتا تھا سال بھر، پھر یہی عمل فرماتے رہے آپ کے بعد والے تینوں خلیفہ بھی علماءِ شیعہ کی اِن کُتبِ مشہورہ کی عبارتوں سے باغِ فدک کا پورا مسئلہ حل ہو گیا۔ اور جُہلاءِ شیعہ کی زبان بندی ہو گئی کہ فاطمہ زہرہؓ صدیقِ اکبرؓ کے فیصلے پر راضی خوشی گئیں پھر ساری عمر باغِ فدک سے اپنا حصۂ آمدنی وصول کرتی رہیں۔ باغِ فدک کے بارے میں مسلکِ اہلِ سنّت کے مطابق واقعہ صرف اتنا ہے کہ فاطمہ زہراؓ باغِ فدک طلب کرنے کے لیے صدّیقِ اکبرؓ کے پاس گئیں تو صدّیقِ اکبر نے حدیثِ نبوی سنائی کہ انبیاء کی میراث نہیں ہوتی جو چھوڑتے ہیں وہ سب کچھ صدقہ ہے، فی سبیلِ اللہ ہوتا ہے اور وقف ہوتا ہے اس لیے باغِ فدک بھی وقف ہے اور میں اس کی آمدنی پیداوار اسی طرح خرچ کروں گا جس طرح آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حیاتِ پاک میں خرچ فرمایا کرتے تھے یعنی پانچ حصے فرما کر ایک۱ حصہ ازواجِ مطہّرات کو ایک۲ اولادِ پاک کو ایک۳ بیوگانِ شہدآء کو ایک۴ فقرا یتما کو ایک۵ مہمانانِ مسافران اور اپنے ذاتی جنگی سازوسامان کے لیے و دیگر ذاتی ضروریات میں فاطمہ زہرہؓ یہ تقسیم اور حدیث پاک سن کر خاموشی سے واپس چلی گئیں۔ صدّیقِ اکبرؓ

تمام دَورِ خلافت باغِ فدک کی پیداوار اسی تقسیم کے مطابق فاطمہ زہرہؓ اور دیگر اہلِ بیتِ اطہار ازواجِ مطہراتؓ کو سالانہ وافر خرچہ دیتے رہے اور فاطمہ زہرہؓ باخوش دلی وصول فرماتی رہیں۔ اسی طرح دورِ فاروقی، دَورِ عثمانی اور دورِ علوی دَورِ حسنی، دورِ امیر معاویہ میں ہوتا رہا ہے وفاتِ امیر معاویہ کے بعد مروان بن الحکم نے باغِ فدک پر جبری قبضہ جما لیا، پھر جب عمر بن عبدالعزیزؓ کا دور آیا تو حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے مروان کی اولاد سے چھین کر دوبارہ اسی تقسیمِ نبوی کے مطابق تقسیم شروع فرما دی اور امام محمد باقر کو باغِ فدک کا مکمل قبضہ اور سیاہ و سفید کرنے کا اختیار دے دیا۔ آخر کیہ دور تک یہ باغِ فدک پر سادات کا ہی قبضہ رہا پھر سعودی دَور میں سادات سے لے کر حکومتِ نجد کی تحویل میں ہے۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا نماز جنازہ پڑھائی تھی۔ فاطمۃ الزہراؓ نے صرف تین وصیتیں فرمائی تھیں نمبر ایک یہ مجھے بوقتِ رات دفن کیا جائے نمازِ جنازہ بھی رات میں ہو ۲ میری میت پر دو قسم کے پردے کئے جائیں ایک گہوارہ پردہ ڈولی تابوت پر خیمہ نما پردہ، اور دوسرا پردہ جسم پر بڑی چادر ڈال کر ۳ میری وفات کو زیادہ مشہور نہ کیا جائے۔ اس کے علاوہ کوئی وصیت نہ تھی۔ شیعوں کی یہ بھی کذب بیانی ہے کہ فاطمہ زہرہؓ نے وصیت کر دی تھی کہ میرے جنازے میں ابوبکر شامل نہ ہوں، اس وصیت سے تو خود فاطمہ زہرہ کی ذات پر حرف آتا ہے کہ معاذ اللہ دولتِ دنیا سے آپ کو اتنا پیار تھا کہ باغِ فدک نہ ملنے پر آپ نے اتنا غصہ منایا ایسا تو عام دنیا پرست بھی نہیں کرتا۔ اس واقعہ فدک کے بعد آپ چھ

ماہ حیات رہیں۔ پانچ کتبِ احادیث میں تقریباً چودہ حدیثوں میں باغِ فدک کا یہ تذکرہ آتا ہے۔ ان میں سے صرف چار روایتوں میں آخری الفاظ اس طرح ہیں کہ راوی کہتا ہے۔ فَغَضِبَتْ فَاطِمَةُ وَهَجَرَتْ أَبَا بَكْرٍ فَلَمْ تَزَلْ مُهَاجِرَتَهُ حَتّٰى تُوُفِّيَتْ وَعَاشَتْ بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ

ترجمہ، صدّیقِ اکبرؓ کے حدیثِ رسولُ اللہ سنانے اور حکمِ رسولؐ اللہ کے مطابق عمل کرنے باغِ فدک میں سنّتِ نبوی جاری رکھنے کا سننے کے بعد اور باوجود صدیق اکبرؓ کے اچھی طرح سمجھانے کے، پھر بھی فاطمہ زہرؓہ غضب ناک ہوگئیں۔ اور ابوبکر سے ناراض ہوکر ان کو چھوڑ دیا، اور رہا یہ چھوڑنا یہاں تک کہ فاطمہ زہرؓہ فوت ہوگئیں، اور زندہ رہیں تھیں فاطمہ زہرؓہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد صرف چھ ماہ، آپ چھ دن بیمار رہیں۔ ان چھ دنوں میں صدّیقِ اکبر نے اپنی زوجہ اَسماء بنت عُمَیس کو آپ کی تیمارداری کے لیے چھوڑ دیا تھا حضرت سیّدہ نے جتنی باتیں اور وصیّتیں فرمائیں وہ حضرت اَسماؔ سے ہی فرمائیں، گہوارے کی لکڑیوں چادروں تابوت پر خیمہ نما پردہ کرنے کے لیے وصیّت بھی اُن سے ہی فرمائی تھی، جن کُتبِ اہلِ سنّت میں فدک کا ذکر آتا ہے۔ اُن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ بخاری جلد اوّل بابُ الغنیٰ ۲۔ بخاری جلد دوم کتابُ الآداب ۳۔ مسلم جلد اوّل کتاب الجہاد ۴۔ مسلم جلد اوّل کتابُ المغازی باب فتح خیبر۔ اِن چار جگہ فَغَضِبَتْ والی عبارت موجود ہے مگر مندرجہ ذیل دسؔ روایتوں میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ چنانچہ ۵۔ بخاری جلد اوّل

کتاب الجہاد باب فرض الخمس ۶ بخاری جلد دوم کتاب المناقب باب قرابتِ رسول اللہ ۷ بخاری جلد دوم کتاب المغازی باب غزوۂ خیبر ۸ بخاری جلد دوم کتاب الفرائض ۹ مسلم جلد دوم کتاب المناقب ۱۰ مسلم جلد دوم کتاب الفرائض ۱۱ ابو داؤد جلد اوّل کتاب الجہاد ۱۲ ابو داؤد کتاب المناقب ۱۳ ابو داؤد جلد دوم کتاب الفرائض ۱۴ ترمذی شریف کتاب الجہاد یہ تمام روایتیں تین سندوں سے مروی ہیں ۱ عَنْ عَائِشَةَ ۲ عَنْ اَبِي الطُّفَيْلِ ۳ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ، فَغَضِبَتْ والی چاروں روایتوں کی سند اس طرح ہے۔ عَنْ ابْنِ شِهَابٍ زُهْرِيٍّ عَنْ عُرْوَةَ ابْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ۔ ابن شہاب زہری کی جو روایت بخاری باب الفی اور بخاری کتاب الآداب اور مسلم کتاب الجہاد و مسلم فتح خیبر میں ہے ان میں تو فَغَضِبَتْ کے الفاظ ہیں، مگر ابنِ شہاب زہری کی وہ روایت جو بخاری مسلم کے دوسرے ابواب میں یا ابو داؤد میں ہیں ان میں یہ عبارت موجود نہیں ہے۔ اور جہاں موجود وہاں راوی ہی کا ذاتی خیال ہے۔ خود حضرت سیدہ کی طرف سے کوئی ایسا سخت سُست لفظ یا کوئی اظہارِ ناراضگی والی بات منہ سے ادا فرمانا ثابت نہیں۔ حالانکہ ناراضگی قلبی چیز ہے جب تک زبان سے یا چہرے سے اظہار نہ کیا جائے تب تک کسی دوسرے کا اندازہ لگا لینا غلط ہی ہوتا۔ یہاں راوی نے غَضِبَتْ کی دلیل یہ پیش کی کہ وَهَجَرَتْ، یعنی حضرت سیدہ نے ابو بکر صدیق کو هَجَرَتْ، چھوڑ دیا اور وفات تک چھوڑے رکھا بعض روایتوں میں ہے وَهَجَرَتْهُ وَلَمْ تُكَلِّمْهُ حَتّٰى مَاتَتْ۔ یعنی

حضرت سیدہ نے ابوبکر کو چھوڑ دیا اور وفات تک اُن سے کلام نہ کیا، راوی کی یہ اندازہ گیری اتنی غلط ہے کہ اس کے الفاظ میں ہی بے تہذیبی ہے مثلاً یہ کہنا کہ وَھَجَرَتْہُ، حضرت فاطمہ نے ابوبکر صدیق رضؓ کو چھوڑ دیا، گویا اگر ناراض نہ ہوتیں تو ساتھ رہتیں، انسان کو کچھ تو عقل سے کام لینا چاہیئے۔ رشتے اور تعلق کے اعتبار سے ابوبکر صدیق رضؓ فاطمہ زہراؓ کے بالکل غیر محرم ہیں۔ آپ تو ہر شخص سے حجاب میں رہتی تھیں کبھی کسی مرد سے بات نہ کی، جب یہ واقعہ فدک نہ ہوا تھا تب بھی کبھی صدیق اکبرؓ سے بات نہ کی تھی اس لیے اب واقعۂ فدک کے بعد یہ کہنا کہ وَھَجَرَتْہُ وَلَمْ تُکَلِّمْہُ، راوی ابنِ شہاب زہری کا احمقانہ کلام اور خواہ مخواہ کا وسوسۂ شیطانی ڈالنا ہے، ہو سکتا ہے ابن شہاب رافضی ہو جس نے بتنگڑ بنا لیا۔ ورنہ ناراضگی کا زبانِ فاطمۃ الزہراؓ یا چہرۂ پاک کے اُتار چڑھاؤ سے کوئی ثبوت یا اشارہ نہیں ملتا۔ شیعہ روافض کی اس احمقانہ بناوٹ پر اہلِ سنّت چند طرح اعتراض کرتے ہیں ۱۔ اگر تم کہتے ہو کہ واقعی فاطمہ زہراؓ صدیقِ اکبرؓ سے فدک نہ دینے پر ناراض ہو گئی تھیں، تو یہ ناراضگی صدیقِ اکبر پر نہ ہوئی بلکہ اللہ رسول کے حکم اور قانونِ اسلامی پر ہوئی، اور اسلامی حکم و قانون پر ناراضگی نفرت کے مترادِف ہے اور حکمِ الٰہی و فرمانِ مصطفائی سے نفرت و ناراضگی کفر ہے ۲۔ اور اگر اسی ناراضگی کی بنا پر وصیّت کر دی تھی کہ میرے جنازے میں بھی ابوبکر شریک نہ ہوں، تو کیا فاطمہ سیّدہ دنیا پر اتنی حریص و لالچی تھیں کہ وفات تک اتنی سختی و غضب و غصہ اختیار کیا کہ ایک عبادت سے ہی روک دیا۔ جنازے سے روک دینے سے فاطمہ زہرؓ کو دنیا

یا آخرت کا کیا فائدہ پہنچا ایسی کرختگی محض دنیوی مال کے لیے تو کوئی جاہل ترین انسان بھی نہیں کرتا۔ اے رافضیو جنابِ سیدہ کو اپنے پر قیاس نہ کرو ۳ کیا فاطمہ زہرہؓ کو پتہ نہیں تھا کہ یہ فدک اگر میراثِ نبی ہے تو اس میں ازواجِ مطہرات کا بھی حق ہے بلکہ بیٹی سے زیادہ بیویوں کا حق ہوتا ہے، دیکھو علم میراث و آیتِ میراث تو فاطمہ زہرہؓ اکیلی کس طرح مطالبۂ فدک کر سکتی تھیں ۴ کیا مولیٰ علی نے بھی فاطمہ زہراؓ کو اس غلط اقدام پر نہ روکا نہ ٹوکا بلکہ اُن کے ساتھ مل کر کچی گواہی دینے چل پڑے کیا مولیٰ علی کو میراث کے مسائل اور یہ قانونِ اسلامی معلوم نہ تھا ۵ اور اگر باغِ فدک فاطمہ زہرہؓ کو ہبہ تھا تو قبضہ کیوں ثابت نہ کر سکیں کیا فاطمہ زہراؓ نے عدالتِ اسلامیہ میں غلط بیانی کی تھی، اور وہ بھی صرف دنیوی مال کے حصول میں، خدا کے لیے خاندانِ اہلِ بیت کی چادرِ مقدسہ پر اپنی حماقت و دروغگوئی کے گندے دھبے نہ لگاؤ ہمارے آقا علی و فاطمہ ایسے نہیں ہو سکتے، یہ اعتراض ہیں جن کا جواب ان جہلاءِ روافض کے پاس نہیں ہے ۶ اگر معاذ اللہ ابوبکر صدیقؓ اور اُن کے بعد فاروقؓ و ذوالنورینؓ نے باغِ فدک غصب کئے رکھا تو مولیٰ علی نے اپنی خلافت کے وقت وہ حق جوائے میراثِ فاطمہ تھی اہلِ بیت کو کیوں نہ دلوایا اس کا جواب بعض جہلاءِ شیعہ یہ دیتے ہیں کہ مغصوبہ چیز اہلِ بیت واپس نہیں لیا کرتے یہ اُن کی ضمیر کے خلاف ہے۔ اہلِ سنت جواباً سوال کرتے ہیں تو پھر عمر بن عبد العزیز نے جب اولادِ مروان سے چھین کر باغِ فدک امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اختیار میں دیا تو اہلِ بیت نے مغصوبہ چیز واپس کیوں لے لی، نیز بقولِ شیعہ

روافض خلافت بھی صدیق رضؓ وفاروق رضؓ وعثمان رضؓ نے غصب کر لی تھی۔ اصل میں علی رضؓ ہی خلیفہؑ بلا فصل تھے، تو پھر یہ مغصوبہ خلافت مولیٰ علی رضؓ نے واپس کیوں قبول کر لی یہاں تک اہلِ بیت نے اپنے ضمیر کے خلاف کیوں کام کیا۔ مشکوٰۃ شریف بابُ الفَیّ فصل ثالث صـ۳۵۶ پر بحوالہ ابوداؤد شریف، بروایت حضرت مغیرہ رضؓ ہے کہ ایک بار جناب سیدہ فاطمہ رضؓ نے باغِ فدک نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مانگا تھا تو آپ نے انکار فرما دیا تھا نہ دیا تھا، جس سے ثابت ہوا کہ ہبہ والی بات بھی شیعہ روافض کی بناوٹ وکذب بیانی ہے، جناب سیدہ رضؓ کی زبانِ مقدس سے ایسا کوئی کلمہ نہ نکلا۔ نہ آپ کو فدک کی طلب یا ضرورت تھی ایسے کروڑوں فدک میری آقا سیدہ کے قدموں پر نثار، حضرت حکیم الاُمّت نعیمی بدایونی نے شانِ سیدہ میں فرمایا ہے کہ ؎

وہ چادر جس کا آنچل چاند سورج نے نہیں دیکھا
بنے گی حشر میں پردہ گنا ہگارانِ اُمت کا

حقیقت یہ ہے کہ جنابِ سیدہ رضؓ صدیقِ اکبر رضؓ کے پاس فدک باغ مانگنے نہ گئی تھیں بلکہ وقفِ نبوی کا تصرف اپنے ہاتھ سے چاہتی تھیں تاکہ یہ باغِ فدک میں خود اسی طرح تقسیم کروں جس طرح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تقسیم فرمایا کرتے تھے اور آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ میری حیات صرف چھ ماہ ہی ہے۔ اس لیے وہ اس کارِ خیر کو آخری حیات میں کرنا چاہتی تھیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی اسی غرض کے لیے آپ نے مانگا تھا مگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان جھمیلوں سے بچاتے ہوئے انکار فرمایا تھا۔ اب جب کہ صدیقِ اکبر رضؓ

نے وعدہ فرمایا کہ میں بھی اُسی طرح تقسیم کروں گا جس طرح آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تقسیم فرمایا کرتے تھے تو جناب سیدہ وعدہ لے کر خوشی خوشی راضی براضی واپس تشریف لے آئیں۔ صدیقِ اکبرؓ کے بعد فاروق اعظمؓ و عثمان ذوالنورین رض و مولیٰ علی رض نے پھر امام حسنؓ و امیر معاویہ رض نے بھی اُسی طرح سنتِ نبوی کے مطابق باغِ فدک کی پیداوار آمدنی کو تقسیم فرمایا پھر دورِ یزید میں اور کئی ظلموں کے علاوہ یہ ظلم بھی ہوا کہ مروان بن حکم نے اس پر ناجائز قبضہ کر لیا اُس کے مرنے کے بعد اس کی اولاد قابض رہی، پھر حضرت عُمر بن عبد العزیز نے اپنی دورِ خلافت میں اس غاصبانہ قبضے کو توڑ کر باغِ فدک کا پورا انتظام و اختیار امام محمد باقر کے قبضے میں دیا، میراثِ نبوی کے متعلق مسلم شریف جلد دوم میں ہے بروایت عائشہ صدیقہ۔ آپ فرماتی ہیں وصالِ نبوی کے بعد ازواجِ مطہرات میں سے بعض نے حضرت عثمانِ غنی رض سے فرمایا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ترکے میں سے ہمیں ہمارا حصہ دیا جائے تو اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا تھا۔ اَلَیْسَ قَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا نُوْرِثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ۔ ترجمہ کیا آقا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم (گروہِ انبیا) کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے، جو کچھ ہم دنیوی مال وسامان چھوڑیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے۔ جب حضرت صدیقہ رض نے یہ حدیث پاک سنائی تو تمام ازواجِ مطہراتؓ نے طلب میراث کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ یہ تھا باغِ فدک کا حقیقی واقعہ جس کو جُہلاءِ شیعہ نے بتنگڑ بنا کر اپنی خبیثانہ گستاخ زبانی اور تبرا بازی کا حیلہ بنایا ہے

لا نُورِثُ والی حدیث کو علمائے شیعہ بھی مانتے ہیں جیسا کہ اصولِ کافی باب صفۃ العلم میں چند سندوں سے یہ پوری حدیث پاک درج ہے۔

سوال نمبر ۱۷:- مودودی صاحب نے اپنی کتاب رسائل ومسائل جلد دوم میں لکھا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہے ہمیشہ اجتہاد فی المسائل کیا جا سکتا ہے۔ کیا اُن کی یہ بات درست ہے۔؟ اور أئمہ اربعہ کے مذہب کے علاوہ بھی کیا کوئی کسی زمانے میں مجتہد پیدا ہوا ہے۔ اس کا کوئی ثبوت ہے، اور اگر اجتہاد کا دروازہ بند ہے تو زمانے کے اُتار چڑھاؤ سے جو روزمرہ نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں، اُن کا بغیر اجتہاد حل کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ مودودی صاحب کے ذہن میں بھی غالباً یہی روزمرہ نت نئے مسائل کے حل کے لیے یہ خیال اُبھرا ہوگا، تب ہی اُنہوں نے لکھا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہے اُن کی بعض کتابوں میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ فی زمانہ وہ اپنے آپ کو سب سے بڑا مُفکرِ اسلام، مُدبِّرِ احکام اور مجتہدِ اعظم سمجھتے ہیں۔ اس کا جواب کیا ہے۔

جواب:- اگر مودودی صاحب نے صراحتًا یا کِنایۃً یا اِشارۃً ایسا لکھا ہے تو یہ صرف اس لیے کہ اُن بے چاروں کو یہ پتہ ہی نہیں ہے اجتہاد کیا ہے اور قیاس کسے کہتے ہیں، اور کیسے کیا جاتا ہے۔ صحیح اور حق بات یہ ہے کہ اجتہاد فی الاحکام اور قیاس فی المسائل کا دروازہ بالکل بند ہو چکا ہے۔ کیونکہ نہ اب اجتہاد و قیاس کی ضرورت ہے نہ ہی وہ علم ہے، اور نہ ہی خواص وعوام کے پاس تفکرِ قرآنی اور تدبرِ ایقانی کا شعور ہے۔ آج یہ کہنا کہ ہر شخص اجتہاد فی الاحکام کر سکتا ہے۔

فَسَادٌ فِي الْاَرْضِ کا دروازہ کھولنا ہے۔ اب تو ہر طرف قَحْطُ الرِّجَال اور جہالتِ کثیر کا دور دورہ ہے علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے تو اپنے زمانے میں ہی فرما دیا تھا کہ۔ اِنَّ بَابَ الْقِيَاسِ مَسْدُوْدٌ فِي زَمَانِنَا وَاِنَّمَا لِلْعُلَمَاءِ النَّقْلُ مِنَ الْكُتُبِ الْمُعْتَمَدَةِ كَمَا صَرَّحُوْا بِهٖ (از فتاویٰ شامی جلد سوم ص۵۳۶) اور شرح عقود رسم المفتی کے ص۳۲ پر ہے۔ لَا يَحِلُّ الْاِفْتَاءُ مِنَ الْقَوَاعِدِ وَالضَّوَابِطِ وَاِنَّمَا عَلَى الْمُفْتِيْ حِكَايَةُ النَّقْلِ الصَّرِيْحِ كَمَا صَرَّحُوْا بِهٖ۔ ترجمہ شامی سوم: بے شک اب ہمارے زمانے میں قیاس کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے۔ اب موجودہ علما کے لیے صرف یہی جائز ہے کہ مسئلہ بتانے اور فتویٰ دینے کے لیے معتبرہ معتمدہ فقہ کی فتوے والی کتابوں کی عبارت نقل کر دیا کریں جیسا کہ فقہائے عظام نے اس کی تصریح فرمائی ہے، ترجمہ عقود کا، موجودہ زمانے کے علما کے لیے حلال و جائز نہیں ہے کہ اپنے قاعدوں اور ضابطوں سے فتوے جاری کریں مفتیٔ وقت اور فتویٰ دینے والے کے لیے صرف یہ ہی واجب ہے کہ جو کتاب فقہ میں لکھا ہے بس وہ ہی نقل کر دے صاف صاف۔ ذرہ بھر اپنی رائے زنی نہ کرے نہ اپنا اجتہاد کرے جیسا کہ اکابر فقہا نے اس کی تصریح کر دی ہے ان دونوں کتابوں کی عبارتوں سے صاف ظاہر ہوا کہ اب علمائے کو کسی قسم کے اجتہاد کی ضرورت نہیں اجتہاد کا دروازہ مکمل طور پر بند ہو چکا ہے۔ نہ اصول میں نہ فروع میں نہ تخریج میں نہ تصحیح میں۔ اور موجودہ زمانوں میں اپنے امام سے ہٹ کر دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دینا بھی

جائز نہیں یعنی یہ جائز نہیں کہ ایک بات کسی امام کی مان لی ایک کسی کی جس میں آسانی نظر آئی اس کو اپنا لیا جس میں ذرا من پسندی کے خلاف نظر آیا اُس کو ترک کر دیا۔ ایسا کرنا گمراہی ہے۔ یہاں تک سختی اور پابندی ہے کہ اگر کسی حنفی عالم اور مفتی سے کوئی شخص یہ لکھوانا چاہے کہ اس مسئلے میں امام شافعی کیا فرماتے ہیں تو مفتی ءِ حنفی پر واجب ہے کہ پوچھنے والے کو صرف اپنے امام کا فرمان اور مسلک بتائے چنانچہ فتاوٰی شامی جلد اوّل ص۵ پر ہے، لَوْ قِیْلَ لِحَنَفِیٍّ مَا مَذْھَبُ الْاِمَامِ الشَّافِعِیِّ فِیْ کَذَا وَجَبَ اَنْ یَّقُوْلَ۔ قَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ کَذَا

ترجمہ :۔ اگر حنفی عالم سے پوچھا گیا کہ فلاں مسئلے میں امام شافعی نے کیا فرمایا ہے ان کا مذہب کیا ہے، تو حنفی پر واجب ہے کہ کہے، امامِ اعظم ابوحنیفہ نے یہ فرمایا ہے۔ یعنی حنفی مسلک ہی بتائے اور لکھ کر دے تاکہ عمل میں گڑبڑ پیدا نہ ہو۔ اگر ایسا نہ کیا تو اُس عالم کو سزا دی جائےگی اور آئندہ اُس کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ اُس نے کبھی کسی کا مسلک بیان کرکے اُمت میں فساد برپا کر دیا۔ چنانچہ فتاوٰی شامی جلد دوم ص۲۶ پر ہے۔ اِرْتَحَلَ اِلٰی مَذْھَبِ الشَّافِعِیِّ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی یُعَزَّرُ۔ اور ص۳۲۹ پر ہے۔ وَلَا تُقْبَلُ شَھَادَتُہٗ مَنِ انْتَقَلَ مِنْ مَذْھَبِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ اِلٰی مَذْھَبِ الشَّافِعِیِّ۔ ترجمہ، اگر حنفی عالم اپنی دل پسندی کے لیے اپنا حنفی مذہب چھوڑ کر امام شافعی وغیرہ کے مسلک کی طرف جائے گا تو تعزیری سزا دیا جائے گا۔ کیونکہ خود مجتہد نہیں بلکہ مقلد ہے اور کبھی کسی طرف دوڑتا ہے کبھی

کسی طرح دین کو کھیل بناتا ہے اس لیے سزا کا مستحق ہے۔ ایسا ہی فتاویٰ شامی جلد چہارم ص۲۶۲ پر لکھا ہے اور ایسے خلط کار آدمی کی شرعاً گواہی بھی قبول نہ ہوگی جو حنفی مقلد ہو کر مذہب شافعی کی طرف منتقل ہو جائے۔ اس لیے کہ دین اور شریعت کھیل نہیں ہے۔ پابندی واجب ولازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اجتہاد کا دروازہ ہی بند کر دیا گیا اور ہر مقلد کو حکم دے دیا گیا کہ بھٹکتا نہ پھر بلکہ یک در گیر محکم گیر۔ چار وجہ سے اب کوئی شخص اجتہاد نہیں کر سکتا۔

پہلی وجہ: یہ کہ اجتہاد نام ہے قرآنِ مجید اور احادیثِ مقدسات سے مسائلِ شرعیہ کا استنباط کرنا۔ بذریعہ عبارۃُ النص، دَلَالَۃُ النص اِقتضاءُ النص، اِشارۃُ النص۔ اور جو مسائل صراحۃً قرآن وحدیث میں موجود ہیں اُن پر دنیا کے دیگر نت نئے ضروریاتِ زندگی والے مسئلوں کو قیاس کرنا۔ یعنی صرف استنباط اور قیاس کا نام اجتہاد ہے۔ اِستنباط کا نام اجتہادِ اصولی ہے اور قیاس کا نام اجتہادِ فروعی ہے ائمۂ مجتہدین اصولی وفروعی نے ہر آیت وحدیث پر اتنا استنباط اور قیاس فرما لیا کہ اب کوئی مسئلہ کسی آیت یا حدیث میں ایسا باقی ہی نہیں ہے جس کا استنباط یا جس پر قیاس نہ ہو چکا ہو ایک مرتبہ امام غزالی نے مجتہد بننے کی کوشش کرنا چاہی تھی تو اُس دور کے ایک فقیہ نے اُن سے چند سوال کئے جس سے وہ لاجواب ہو گئے۔ کیونکہ جو مسئلہ وہ بیان کرتے وہ کسی نہ کسی ائمہ کے فرمودات میں موجود ہوتا۔ کوئی نیا مسئلہ نہ نکال سکے۔ تب حضرت غزالی تائب ہوئے مجتہد بننے سے ایک بار مودودی صاحب سے بھی

پوچھا گیا تھا کہ اگر آپ کو مجتہد ہونے کا دعویٰ ہے تو بتائیے سورۃِ تکاثر میں سے آپ کتنے مسائلِ شرعیہ مستنبط فرما سکتے ہیں بیچارے اِس سوال پر مبہوت ہو گئے تھے۔ مجتہدین کرام وعظام نے ایسے قواعد و ضوابط بیان اور معیّن فرما دیئے ہیں کہ اب کسی کو اجتہاد کی ضرورت ہی نہیں رہی صرف اُن ضابطوں پر چلنے کی ضرورت ہے۔ قدرتِ الٰہی نے ہر چیز کے لیے ایک زمانہ مقرر فرمایا اُس دَور میں اُس چیز کو مبتدیٰ اور منتہیٰ ہو کر مکمل ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا۔ ہر چیز کا ہونا یا ختم ہونا اپنے وقت سے پابند ہے ۱؎ ایک دَور تھا نزولِ قرآن کا ۲؎ پھر دَور آیا جمعِ قرآن کا ۳؎ پھر دَور آیا۔ کتابتِ قرآن کا ۴؎ پھر دور آیا تفسیرِ قرآن کا ۵؎ پھر دَور آیا محدّثین کا اور جمعِ اَحادیث ۶؎ پھر دور آیا اَسْمَاءُ الرِّجال کا ۷؎ پھر دَور آیا فقہ اور اجتہاد کا ۸؎ پھر دور آیا فروعات کا ۹؎ پھر دور آیا تخریجِ مسائل کا ۱۰؎ پھر تنقیحِ مسائل کا ۱۱؎ پھر مفتا بہ غیر مفتا بہ یعنی تنقیح کا۔ اپنے دَور میں علمِ اُصول تفسیر ۲؎ علمِ اُصولِ حدیث ۳؎ اور علمِ اُصولِ فقہ مرتّب و مبوّب و مدوّن ہوتے رہے تو جس طرح آج نہ نزولِ قرآن ہو سکتا ہے نہ جمعِ حدیث نہ اَسْمَاءُ الرجال بن سکتے ہیں۔ اسی طرح آج نیا اجتہاد اور نیا فقہ بھی نہیں بن سکتا گنجائش ہی نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ کہ جس طرح دنیا میں چلنے کے لیے بہت سی قسم کے چلنے والے اور ہر قسم کے لیے علیحدہ راستہ ہر راستے کے لیے علیحدہ قاعدہ و ضابطہ ہے ہر چیز بس اپنے ہی راستے پر اپنے

ہی ضابطے کے ماتحت چلے تو صلاحیت و بقائیت ہے، راستہ چھوڑے تو ہلاکت ضابطہ توڑے تو ہلاکت قاعدہ موڑے تو ہلاکت ضابطے اور قاعدے قانون پہلے بنائے جاتے ہیں۔ راستے بعد میں جیسے پیدل پگڈنڈی پر، لبیں کاریں چوپائے شاہراہوں پر، ریلیں لائن پر کوئی اپنا راستہ ضابطہ چھوڑ کر نہ کسی دوسرے کا راستہ پکڑ سکتا ہے نہ نیا ضابطہ بنا سکتا ہے۔ انہی ضابطوں پر ہزاروں راستے تو بن سکتے ہیں مگر نئے ضابطوں کا دروازہ بند ہے، اسی طرح دین میں چلنے کے لیے ضابطے اور راستے بنائے جا چکے ہیں اب دروازہ بند ہو چکا ہے اور کسی نے جبرًا بند کیا نہیں، بلکہ دورِ ضابطہ سازی گزر جانیکی وجہ سے ضابطۂ اجتہاد و قانونِ قیاس کا دروازہ خود بخود بند ہو گیا ہے۔

تیسری وجہ یہ کہ جب اجتہاد کا زمانہ آیا تھا تو رب تعالیٰ نے بندے بھی ویسے ہی پیدا فرمائے تھے جن کے پاس علم و عمل فکر و شعور، تدبر و تعقّل کی وہ دولتِ کثیرہ و خزانۂ وافر تھا جس کی وجہ سے اجتہاد و قیاس صرف وہی اہلِ علم کر سکتے تھے۔ آج نہ کسی کے پاس وہ علم ہے نہ زُہد و عبادت صلوٰۃ و صوم ہے جس کی جِلا سے شعورِ قلبی روشن ہو نہ تدبرِ عقل ہے نہ تفکرِ ذہنی ہے جس سے اِستنباط و قیاس کا ملکہ حاصل ہو یا ضابطہ سازی کا فن وَدِیعت ہو۔ اور اُس زمانے میں بھی رب تعالیٰ نے جس سے جو کام لینا تھا اُس کو اُتنا ہی علم و عقل فکر و شعور، توجہ و تدبر اور روشن ضمیری عطا فرمائی گئی یہی وجہ ہے کہ تابعی کسی صحابی کا مقامِ علم و عقل نہ پا سکا اور تبع تابعی کسی تابعی کا درجہ حاصل نہ کر سکا۔ امام مالک امام اعظم نہ بن سکے اور امام شافعی امام مالک نہ بن سکے، اسی طرح امام احمد امام شافعی کا مرتبہ

تدبر نہ پا سکے۔ اور امام یوسف و امام محمد امام ظفر و امام حسن مجتہد فی الاصول نہ بن سکے۔ اور مشائخ فقہ مجتہد فی الفروع نہ بن سکے۔ اسی طرح صواحب تصحیح و اقفانِ تخریج نہ بن سکے۔ اور عالمانِ ترجیح کا ملکہ صاحبانِ افتا کو ملا چوتھی وجہ یہ کہ فی زمانہ روحانی قوت مُردگی کی حد تک ختم ہو چکی ہے اس کی وجہ یہ کہ پاکیزگیِ روح اور تزکیۂ نفس مفقود ہو چکا ہے۔ گناہ کی کثرت خوراک میں بے احتیاطی، بے علمی اور جہالت و حماقت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے بے روحی ہے، حضرت امام شافعی علیہ الرحمۃ نے اُسی کی طرف اشارہ فرمایا تھا کہ۔ ؎

فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنَ اِلٰہٖ ٭ وَاِنَّ النُّوْرَ لَا یُعْطٰی لِعَاصٍ

ترجمہ:۔ بے شک علم اللہ تعالیٰ کا نور ہے۔ اور نور فاسق و فاجر گندے نافرمان کو نہیں دیا جاتا۔ آج پیروں خطیبوں کی کثرت ہے مگر روح و روحانیت۔ علم و نورانیت ناپید ہے، نہ وہ دماغ رہے نہ وہ قلب و سینے جن پر فیضان عرفان اجتہاد، استنباط کے دروازے کھلتے تھے۔ بس بڑی وجہ یہی ہے اجتہاد کا دروازہ بند ہو جانے کی۔ مودودی صاحب کا صرف دعوے کرتے پھرنے سے تو بات نہیں بن سکتی۔ ان کا سب سے بڑا خود ساختہ اجتہاد بستر پر لیٹے لیٹے یہی ہے کہ کبھی ائمۂ اربعہ پر احمقانہ تنقید کر دی کبھی صحابہ و تابعین پر کبھی انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی ذات پر گستاخی کا قلم چلا دیا کبھی اولیاءُ اللہ کی صفات پر اور جب کسی نے گرفت اور محاسبہ کیا تو میدان چھوڑ بھاگے اور گھر جا کر اگلے ایڈیشن میں وہ عبارت کاٹ دی، در پردہ رجوع کر لیا۔ یہ بھی کوئی علمیت ہے جو ذرا سے جھٹکے سے ٹوٹ کر

بکھر کر ھَبَاءً مَّنثُورًا ہو جائے۔ ایسی تصنیفات سے کیا فائدہ کہ لکھتے رہو رجوع کرتے رہو۔ علامہ شامی نے فتاویٰ شامی جلد اوّل ص۶۳ پر فرمایا کہ اجتہاد کی سات قسمیں ہیں اور اب سب کے دروازے بند ہیں حضرت خواجہ حسن بصری تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ فقیہ کے لیے تین شرطیں ہیں ۱۔ عالم فی الدین ہو ۲۔ زاہد فی الدنیا ہو، ۳۔ اور عارفِ صفاتِ الٰہیہ ہو۔ (از فتاویٰ شامی جلد اوّل ص۵۳)

سوال ۲۷ میں نے چند لٹریچر چند کتب آپ کی خدمتِ اقدس میں بھیجی تھیں تاکہ آپ اس کا مطالعہ فرما کر ہمیں بتائیں کہ اِس کا لکھنے والا سنی ہے۔ یا در پردہ رافضی شیعہ ہے۔ میں نے یہ کتابیں اپنے پیر و مرشد خواجہ نقشبندی صاحب کو دکھائیں انھوں نے تو چند ورقے پڑھ کر ہی فرما دیا تھا کہ اِن کا لکھنے والا سخت ترین غالی تبرائی رافضی شیعہ ہے۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ یہ منہ سے تو کہتا پھرتا ہے کہ میں اہلِ سنت ہوں، پیر و مرشد نے فرمایا کہ یہی تو اس کی دھوکہ بازی تقیہ سازی ہے اگر سنی بناوٹی نہ بنیں تو پھر سنیوں میں اپنا زہر کیسے پھیلائیں، اور سنیوں کو کس طرح ورغلائیں۔ مزید پیر صاحب نے فرمایا تھا کہ پھر بھی کسی اہلِ سنت عالمِ دین کو یہ کتابیں دکھا کر پوری معلومات اور ان میں لکھی ہوئی شیعہ لغویات کا جواب لے لو۔ اس لیے میں نے آپ کے پاس یہ کتابیں بھیجی تھیں۔ دراصل ہمارے قریبی ایسٹ لندن کے علاقہ میں یہ مولوی ایک دار العلوم کا مُدرّس بنا ہوا ہے۔ اور اپنے متعلق کہتا ہے کہ اس وقت دنیا میں مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں، اپنے آپ کو مفتی بلکہ مفتیٔ اعظم سمجھتا ہے۔ اور جھوٹا اتنا ہے کہ صبح بات

کرے گا تورات کو منکر ہو جاتا ہے کہ میں نے ایسا نہیں کہا، مختصراً یہ کہ راشنے یہ ایک کتاب لکھی ہے اس کے پانچ حصّہ ہیں میرے پاس چار حصّہ تھے جو میں نے آپ کے پاس بھیجے تھے۔ اوّل اور حصّہ سوم چہارم ایک جلد میں، اور حصّہ پنجم علیحٰدہ جلد میں۔ میں نے کہیں کہیں سے اُن کا مطالعہ کیا مجھے تو یہ مسلکِ اہلِ سنّت کے بالکل خلافِ اور تبرّائی شیعہ رافضی لگتا ہے۔ چند باتیں جو مجھ کو کھٹکتی ہیں آپ اُس کے جواب سے مجھ کو آگاہ فرمائیں، اور مجھے بتائیں کہ واقعی یہ مصنّف رافضی ہے تاکہ اِس کے فریب سے مسلمانوں کو بچایا جائے۔ یہاں ایسٹ لندن میں شیعہ رافضیوں کا ایک چھوٹا سا گروہ ہے جن کا یہ گرو بنا ہوا ہے اور سنّی حنفی بن کر لوگوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن کو ٹھیک کرے۔

جواب: میں نے جگہ جگہ سے تھوڑا تھوڑا اِن کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ یہ شخص واقعی تبرّائی شیعہ اور تقیہ باز قسم کا انسان ہے۔ مگر فریب دینے کے لیے کہیں کہیں علماءِ اہلِ سنّت کا نام استعمال کرتا ہے اور پھر ایک مسلک پر نہیں کبھی کہیں ہاتھ مارتا ہے کبھی کہیں جہاں اپنے مطلب کی بات ملتی ہے وہ تو لے لیتا ہے مطلب کی نہ ملے تو اللہ تعالیٰ رسول کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔ بہرحال آپ مجھ کو پڑھ کر سناتے جائیں اور میں آپ کو اُن کا تردیدی جواب بتاتا جاؤں گا آپ سوال وجواب لکھتے جائیں۔

سوال ۲: ویسے آپ نے یہ اندازہ کیسے لگا لیا کہ یہ مصنّف تبرّائی شیعہ رافضی ہے، میرے اندازے کی وہ اہمیت نہیں جو آپ کے با

کسی بھی عالم اہلِ سنت کے اندازے کی ہو سکتی ہے عالم کا اندازہ بھی عالمانہ ہوتا ہے جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

جواب:۔ جب میں نے ان کتابوں کو کہیں کہیں سے پڑھا تو تقریباً چھ عبارتوں سے میں نے اندازہ بھی لگایا بلکہ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ شخص پکا پختہ تبرائی شیعہ ہے۔ اس کا سنی حنفی یا بریلوی بنا محض دھوکہ دہی ہے، مسلمانوں کو اس سے ہشیار رہ کر بچنا چاہیئے۔ اس کی یہ کتابیں مسلمانوں کے ایمان کے لیے زہرِ قاتل ہیں۔ مثلاً بار بار کئی جگہ اہلِ بیت کے لیے علیہ السّلام کا لفظ لکھتا ہے حالانکہ تبرائی رافضی کی علامتِ مذہبی بن چکا ہے۔ چنانچہ عقائد کی کتاب نبراس علیٰ شرح عقائد ص۱۱ پر ہے۔ لَا یَجُوْزُ التَّصْلِیَةُ وَالتَّسْلِیْمُ عَلٰی غَیْرِ الْاَنْبِیَآءِ اِسْتِقْلَالًا عِنْدَ الْمُحَقِّقِیْنَ مِنْ اَھْلِ السُّنَّةِ خِلَافًا لِلرَّوَافِضِ۔ ترجمہ غیر انبیاء پر مستقل طریقے سے درود شریف پڑھنا بھی منع اور ناجائز ہے اور علیہ السّلام کہنا بھی ناجائز ہے اہلِ سنت کے عقیدے میں لیکن فقط رافضی شیعہ اس کو جائز مانتے ہیں۔ اور تفسیر روح البیان جلد ہفتم ص۲۲۸ پر ہے۔ وَاَمَّا السَّلَامُ فَھُوَ فِیْ مَعْنَی الصَّلٰوةِ فَلَا تُسْتَعْمَلُ لِلْغَائِبِ فَلَا یُفْرَدُ بِہٖ غَیْرُ الْاَنْبِیَآءِ فَلَا یُقَالُ عَلِیٌّ عَلَیْہِ السَّلَام کَمَا تَقُوْلُ الرَّوَافِضُ وَتَکْتُبُہٗ۔ وَسَوَآءٌ فِیْ ھٰذَا اَلْاَحْیَآءُ وَالْاَمْوَاتُ۔ ترجمہ:۔ اور لیکن سلام تو وہ صلوٰۃ کے ہی حکم میں ہے۔ لہٰذا غائب کے لیے (غائب کے صیغے سے) نہ استعمال کیا جائے پس انبیا کے سوا کسی فرد کے لیے اس کے نام کے ساتھ نہ بولا جائے لہٰذا نہ کہا جائے حضرت علی کے

نام کے ساتھ علیہ السّلام۔ جیسے کہ رافضی شیعہ کہتے ہیں اور لکھتے ہیں علیہ السّلام کے ناجائز ہونے کے حکم میں زندہ موجود حضرات اور فوت شدہ حضرات برابر ہیں۔ ثابت ہوا کہ اہلِ بیت کو علیہ السّلام کہنا اور لکھنا شیعہ رافضی لوگوں کی نشانی ہے، عبدالحق محدث دہلوی رح نے بھی علیہ السّلام غیر نبی کے لیے کہنے کو حرام لکھا۔ اَشعت اللّمعات کی جلد اول ص۲۳۴ پر بزبانِ فارسی اور مرقات نے مکروہ تنزیہی لکھا شرح شفا جلد سوم نے ص۵۰۹ پر اور امام نووی نے شرح مسلم جلد اوّل ص۲۴۶ پر اور فتاویٰ شامی نے جلد پنجم ص۵۲۳ پر۔ اور مرقات جلد دوم ص۵ غرضکہ تمام فُقہا علماءِ اہلِ سنّت نے اہلِ بیت کے لیے علیہ السّلام ناجائز اور شیعوں کی نشانی بتایا ہے نیز اِس کا ثبوت نہ قرآن مجید کی آیت میں نہ احادیث کے فرمان میں مگر یہ مصنّف ہر جگہ علیہ السّلام لکھتا ہے اور ثبوت میں عبدالعزیز محدث دہلوی کا نام لکھتا ہے حالانکہ عبدالعزیز خود مشکوک شخصیت ہیں اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی امامِ اہلِ سنّت ہیں اُن کے فرمان کے مقابل عبدالعزیز صاحب کی کوئی حیثیت نہیں ہے قرآن مجید فرماتا ہے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ۔ مگر یہ مصنّف کہتا ہے علیہ السّلام تو گویا اللہ رسول سے مقابلہ کرنا ہے یہ حرکتِ ضالّہ صرف رافضی شیعہ ہی کر سکتا ہے اس لیے مجھے یقین ہے کہ یہ مصنّف تبرّائی شیعہ رافضی ہے کیونکہ صرف تفضیلی شیعہ بھی ایسا نہیں کرتے ۲ یہ مصنّف اکثر اپنے ہم مذہب رافضیوں کی کتب کا یا بالکل غیر معتبر غیر معروف نایاب کتب کا حوالہ دے کر اپنی کفر یہ بدعقیدگی بچاتا ہے اور یہ بھی رافضیت کی نشانی ہے چنانچہ اپنی کتاب کے جلد سوم کے

ص۱۶۲ پر کسی شبلی کی کتاب الستہد ۔ ص۱۱۵ کا حوالہ دے کر قرآن مجید اور اللہ تعالیٰ پر گستاخانہ کفریہ اعتراض کرتے ہوئے سورۃ ابی لہب کا انکار کرتا ہے کہ یہ سورۃ ایذاء رسول کا باعث ہے۔ اور ملعون ابی لہب کی عزت و محبت کا دم بھرتا ہے۔ لکھتا ہے کہ ہمارے سلف صالحین نے سورۃ لہب پڑھنا چھوڑ دی تھی۔ تاکہ نبی کو ایذا نہ پہنچے یعنی رب تعالیٰ نے یہ سورۃ اتار کر نبی کریم کو دکھ پہنچایا اور تمہارے سلف صالحین کو اللہ سے زیادہ نبی کا خیال تھا۔ نا معلوم وہ اس مصنف کے کون سے ابلیسی سلف صالحین تھے جنہوں نے یہ کفر کمایا۔ شبلی لکھتا ہے اخرجہٗ ابن مندہ ابن ابی عاصم والطبرانی۔ یعنی یہ بات بیہقی طبرانی، ابن مندہ، ابن ابی عاصم نے بھی لکھی ہے حالانکہ ہم نے بیہقی میں یہ بات نہ پائی کہ تبت یدا کی سورۃ سے نبی کو ایذا ہوتی ہے یا سلف صالحین نے اِس سورت سے نفرت کر کے اس کو ترک کیا نہ یہ بات اور کفریہ عبارت کسی بھی مشہور و معتبر کتبِ فقہ میں ہے نہ کتبِ احادیث و تواریخ میں، یہ کفر فقط اِس مصنف اور اِس کے ہم نوا شبلی نے کا ذبانہ بناوٹ کی ہے

یہ مصنف محبتِ اہلبیت میں دیوانہ ہو چکا ہے یہی وہ بدنصیب لوگ ہیں جن کے بارے میں خود مولیٰ علیؓ نے فرمایا یہ محبِّ مفرط ہیں ان پر ہی جہنّم کی ہلاکت ہے (مشکوٰۃ ص۵۵۵) جلد سوم کی یہ عبارت مصنّف کے کفریہ رفض کے لیے کافی ہے اِس بات کو پڑھ کر جو اِس کو اب بھی رافضی نہ سمجھے وہ خود رافضی ہے

ر۳ یہ مصنّف اپنی کتاب کے پہلے حصہ میں ص۶۶ پر لکھتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نبی کریم سے زیادہ علی سے محبت فرماتا ہے یہ بھی کفریہ عبارت ہے مگر اس بات کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت کر کے لکھتا ہے کہ نبی کریم نے فرمایا۔ وَ اللہِ - لِلّٰہِ اَشَدُّ حُبًّا لَہٗ مِنِّیْ (الخ) یہ بات بھی شبلی رافضی مصری کی کتاب السیدہ زینب ص۴۵ کے حوالے سے لکھتا ہے کسی سُنّی کتاب میں یہ بات نہیں لکھی جب علماءِ اسلام نے اس مصنف کی اِس کفریہ بات پر گرفت کی تو جان بچاتے ہوئے جلد سوم کے ص۲۱۹ پر توڑ موڑ کر تاویل کرتا ہے کہ لِلّٰہِ اَشَدُّ حُبًّا لَہٗ مِنِّیْ کا معنیٰ وہ نہیں ہے جو معترض نے سمجھا، بلکہ اِس کا معنیٰ یہ ہے کہ جتنی میں علی سے محبت کرتا ہوں اُس سے زیادہ اللہ تعالیٰ علی سے محبت کرتا ہے، کیا عجیب جہالت ہے۔ اگر اِس عبارت کا یہ مقصد ہوتا تو عبارت اس طرح ہوتی۔ لِلّٰہِ اَشَدُّ حُبًّا لَہٗ مِنْ حُبِّیْ۔ مِنِّیْ کا ترجمہ صرف یہ ہے کہ مجھ سے۔ لہٰذا یہ عبارت کفریہ بناوٹ ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلِہٖ وسلم پر جھوٹ باندھتا ہے، جس کی وعید نبوی مشہور ہے۔ مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّءْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔ لِہٰذَا۔ اس مصنف کو بھی چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنّم میں بنالے۔ اپنی کتاب کی پہلی جلد ص۱۱۸ پر رب تعالیٰ پر کذب بیانی کرتا ہے کہ جنّت کے دروازے پر مولیٰ علی کا نام لکھا ہوا ہے یہی سب رافضی کہتے ہیں۔ اُس کی عربی عبارت اس طرح بنائی گئی ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ وَعَلِیٌّ اَخُوْہٗ۔ ترجمہ، یعنی جنّت کے دروازے پر لکھا ہوا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور علی

اُن کے بھائی ہیں۔ اس مصنف اور دیگر تبرائی وتفضیلی رافضیوں کی یہ کتنی بُری بناوٹ اور کذب بیانی ہے۔ اور وہ بھی ذاتِ باری تعالیٰ پر کیونکہ جنّت کے دروازے پر لکھنا تو قدرتِ الٰہی سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس بناوٹ میں اِن شیعوں کے دو جھوٹ ہیں ایک یہ کہ مولیٰ علی کا نام لکھا ہوا ہوتا۔ حالانکہ یہ بات نہ قرآن مجید کی کسی نصِ قطعی یا ظنّی سے ثابت نہ کسی صحیح مشہور حدیثِ مقدّس سے ثابت جھوٹی روایتیں جتنی مرضی ہے کوئی بتاتا چلا جائے اس پر تو دنیا میں کوئی پکڑ نہیں دوئم۔ یہ کہنا کہ علی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بھائی ہیں۔ یہ سراسر جھوٹ ہے۔ حقیقتِ مسئلہ یہ ہے کہ نبی کریم اپنے والدین کے واحد فرزند تھے نہ کوئی بہن نہ کوئی بھائی ہاں البتہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد جس وقت مولیٰ علی کی عمر تقریباً بائیس سال تھی، مدینہ منورہ میں ایک موقعہ پر علی شیرِ خدا کو اپنا بھائی بنا لیا تھا بھائی ہونے اور بھائی بنائے جانے میں بڑا فرق ہے۔ اَخُوۃ اور اخوّت میں شرعی وقانونی بہت فرق ہے۔ تو جنت پر لکھا ہونے سے کتنا بڑا دھوکا دینا ہے ان شیعہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ پر یہ غلط بیانی کرتے ہوئے ذرا خوفِ خدا نہیں آتا۔ اِن ہی جھوٹی باتوں اور کذّابیت کے مقابلے میں خارجی لوگ بھی بناوٹیں کرنے لگ جاتے ہیں، خارجی کہتے ہیں کہ جنّت کے دروازے پر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسم پاک کے ساتھ چار یار کا نام لکھا ہوا ہے۔ اہلِ سنّت کہتے ہیں کہ وہ بھی غلط یہ بھی غلط صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام لکھا ہوا ہے اور وہ بھی کلمہ طیبہ کی شکل میں۔ یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ر۵ مصنّف کی ان کتابوں کے لفظ لفظ سے بغضِ صحابہ ٹپک رہا ہے اس بے چارے کا بس نہیں چلتا ورنہ اس کا دل چاہتا ہے کہ اُن آیتوں حدیثوں کو قرآن وحدیث سے نکال دے جن میں صحابہ کرام کی شان مذکور ہے۔ جلاپے اور حسد اور بغضِ صدیق و فاروق کا اس سے بڑا اظہار اور کیا ہوگا کہ اسی کتاب کی جلد سوم کے ص۲۶۲ پر بزبانِ اُمِ کلثوم بنتِ علی فاروق اعظم کی شانِ اقدس میں تبرّا اور گستاخی لکھتا ہے اور جلدِ پنجم کے ص۲۶۱ پر بزبانِ امام حسین رض شانِ فاروقی میں تبرّا اور گستاخی لکھتا ہے چنانچہ بعنوان۔ مکالمہ، ص۲۶۱ پہ ہے کہ، امام حسین نے دیکھا کہ عمر فاروق منبر پر خطبہ دے رہے ہیں۔ امام حسین منبر پر چڑھ گئے اور عمر سے کہا کہ یہ میرے باپ کا منبر ہے تم اس سے اُتر جاؤ اپنے باپ کے منبر پر جاؤ امام عالی مقام کی طرف یہ بدتہذیب اور کذب بیانہ گفتگو منسوب کر کے اس مصنّف نے اپنے تبرائی شیعہ رافضی ہونے کے ثبوت کے ساتھ خارجیوں کو شانِ اہلِ بیت میں گستاخی کرنے کا موقعہ فراہم کیا ان ہی بناوٹی باتوں کو دیکھ کر خارجی لوگ کہتے پھرتے ہیں کہ (معاذ اللہ) تمہارے علی اور علی کے گھرانے والے نہایت بدتمیز مغرور متکبّر، مفتخر اور بدزبان بے لگام تھے اور معاذ اللہ حضرت حسین جھوٹ بہت کثرت سے بولا کرتے تھے ایک خارجی اپنی کتاب یزید ابن یزید میں لکھتا ہے کہ یزید اگرچہ سخت مزاج تھا مگر نسب پر متکبّر اور حسین کی طرح جھوٹ نہ بولتا تھا۔ اِن گستاخیوں کا دروازہ خود اس مصنّف قسم کے محبِّ مفرِط لوگ کھولتے ہیں نہ ایسی کذب بیانی کر کے صحابہ

کی گستاخی کرو نہ خارجی گستاخوں کو موقعہ دو گستاخی دو، کہ کوئی یزید پلید کی ثنا جوئی کر سکے۔ مصنف کی یہ دونوں باتیں قطعاً غلط اور شنیعہ بناوٹ ہیں۔ خاندانِ اہل بیت پیکرِ اخلاق حمیدہ اور مجسمۂ تہذیب وادب اور حسنِ احترام والے تھے۔ ام کلثوم بنت علی ایسی بد تہذیبی کر سکتی تھیں نہ امام عالی مقام، ام کلثوم نہایت با اخلاق مہذب زوجہ عمر فاروق تھیں اور امام حسین بھی ایسے بے ادب بداخلاق نہ تھے کہ حضرتِ فاروقِ اعظم کی گستاخی کرنے کے لیے اتنا بڑا جھوٹ مجمع عام میں بولتے۔ یہ منبر امام حسین کے باپ مولیٰ علی کا نہ تھا، یہ حسینؓ بھی جانتے تھے اور زمانہ فاروقی میں حسین رضؓ اتنے ننھے بچے بھی نہ تھے، حسینؓ ابنِ علی رضؓ تھے نہ کہ ابنِ نبی، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جدّا الحسین وَالحسین ہیں نہ کہ ابوالحسن والحسین۔ ابوالحسن والحسین صرف مولیٰ علی ہیں۔ فاطمہ زہرہ صرفاً بنتِ نبی ہیں مگر نسلاً ابنِ نبی ہیں، یہ خصوصیت ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور فاطمہ زہرہ کی۔ امام حسن یا حسین کو وَلَدُ النبی کہنا بدترین تبرا ہے۔ کیا یہ مصنف دادا، پوتا، والد ولد، باپ بیٹا، وَلَدُ الولد کا فرق نہیں جانتا، دنیا میں کوئی بھی دادا اپنے پوتے کا والد نہیں، داد کو والد کہنا گالی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اولاد صرف سات حضرات مقدسات ہیں فاطمہ زہرہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے مثل فرزند اور بیٹا ہیں کہ فاطمہ زہرہ کی اولاد نبی کریم کی ذریت، نسل اور عترت ہے، جو پوتے پوتیوں کے درجہ میں ہیں نہ بیٹا بیٹی نہ نواسہ نواسی، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم حسن وحسین اور ان کی ہمشیرگان کے

دادا ہیں نہ کہ نانا یا والد۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہ سے میری ذریت ونسل چلے گی (نہ کہ اولاد) ذریت کا معنیٰ اولاد کرنا غلط ہے اگر یہ معنیٰ کرنا جائز ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم خود ہی بجائے نسل و ذریت و عترت کہنے کہ اپنی اولاد کہہ دیتے۔ یہ مصنف اس احمقانہ جہالت پر بھی بہت زور دیتا ہے۔ اور چند کتابوں کے حوالے بھی پیش کرتا ہے میں کہتا ہوں کہ اگر کسی نے یہ غلط بات لکھنے میں عدمِ تدبّر کا ثبوت دیا ہے تو کم ازکم مصنّف ہی کچھ تدبر کر لیتا۔ کتابوں کی لکیر کا اتنا فقیر نہ بننا چاہیئے زیادہ حوالے دکھانا علمی ثبوت نہیں۔ علم نام ہے تحقیق تدبیر اور درایت وعقل فکر کا، عربی زبان میں پوتے کو حفید یا سبط کہتے ہیں ابن الابن اور ولد الولد بھی مستعمل ہے، مگر ابن غیر متعارف اور پوتے کو ولد کہنا گناہ ہے ص۹۶ جلدِ سوم کے ص۱۰۶ یہ مصنّف ذرا کھل کر سامنے آیا ہے۔ لکھتا ہے کہ صحابہ کرام کا پہلا نام شیعہ ہی تھا اہلِ سنّت نام بعد میں رکھا گیا۔ اور بعد میں مشہور ہوا۔ ایک جگہ لکھتا ہے کہ سیّد بدعقیدہ۔ یعنی گستاخِ صحابہ وشیخین وتبرّا باز ہو تب بھی اس کا احترام کرو۔ جلد اوّل ص۱۷۱ پر بھی لکھا ہے اور جلد سوم ص۲۳۲ میں لکھا ہے کہ سیّد کا ہر حال میں احترام کرو، کیونکہ وہ نبی کے اہلِ بیت ہیں۔ اور یہ محبتِ مُفرِط احمقانہ میں اتنا مجنون ہو رہا ہے کہ پوری سورۃِ لہب سے بیزاری ونفرت کر کے کفر کما رہا ہے جلد ۳ کے ص۱۴۳ تا ص۱۵۰ پر اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ میں توڑ پھوڑ کر رہا ہے۔ اور ان اغلاطِ گمراہی کو مولیٰ علی اور خواجہ حسن بصری

کی طرف منسوب کر رہا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ شیعہ دور خلافتِ علوی میں یہودی ایجاد ہے۔ ابوزہرہ مصری نے اپنی کتاب سیرت امام اعظم میں یہی لکھا ہے تاریخ ابن خلدون میں بھی یہی لکھا ہے۔ لفظِ اہل سنت والجماعت تمام صحابہ میں مشہور تھا ہر صحابہ اپنے آپ کو اہل سنت کہتا تھا، چنانچہ شیعہ کتاب احتجاجِ طبرسی جلد اول صہ ۲ پر ہے۔ کسی نے دورانِ وعظ مولیٰ علی سے پوچھا کہ اہلِ سنّت والجماعت کون ہیں تو مولیٰ علی نے جواب دیا۔ اَمَّا اَھْلُ الْجَمَاعَۃِ فَاَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ وَاِنْ قَلُّوْا وَاَمَّا اَھْلُ السُّنَّۃِ فَالْمُتَمَسِّکُوْنَ بِمَا سَنَّہُ اللہُ وَرَسُوْلُہٗ وَاِنْ قَلُّوْا۔ ترجمہ:۔ لیکن اہل جماعت تو وہ میں اور وہ تمام لوگ ہیں جو میری اتباع کریں اگرچہ تھوڑے ہوں۔ اور لیکن اہلِ سنّت تو وہ تمام لوگ ہیں جو اللہ رسول کی سنّتوں کو لینے والے (اُن پر عمل کرنے والے) ہیں اگرچہ تھوڑے ہوں۔ ایک مرتبہ صدّیقِ اکبر نے فرمایا کہ خبردار اہلِ سنت کی دس نشانیاں ہیں اور آپ نے وہ گنائیں تمام صحابہ کرام نے لکھ لیں۔ فتاویٰ بحرالرّائق جلد سوم صہ ۲۰۱ پر لکھی ہوئیں ہیں اور صحابہ کرام نے یہ اپنا نام اس لیے رکھا کہ آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مختلف الفاظ میں بار بار صحابہ کرام کو اس نام کی تلقین و تبلیغ فرمائی۔ کبھی فرمایا عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّۃِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَھْدِیِّیْنَ۔ ترجمہ:۔ اے تمام صحابہ اور بعد میں آنے والے مسلمانو اپنے پر لازم واجب کر لو میری سنّت اور چاروں خلفاءِ راشدین مہدیین کی سنّت کو۔ کبھی فرمایا۔ اِتَّبِعُوْا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ۔ اے صحابہ اور بعد میں آنے والے

مسلمانو بڑی جماعت کے ساتھ لگے رہو۔ پہلے فرمان سے اہل سنت کا لقب ملا دوسرے فرمان سے جماعت کا اور دونوں مل کر لقب ہو گیا۔ اہل سنت والجماعت، تمام صحابہ میں یہ لقب مشہور اور جاری تھا۔ دورِ صحابہ میں لفظ شیعہ فرقے کا نام ونشان نہیں ملتا۔ یہ لفظ دورِ علوی میں یہودی عبداللہ بن سبا بہروپیے کی ایجاد ہے صحابہ کرام نے ان شیعہ عقیدے والوں اور اپنے آپ کو شیعانِ علی کہنے والوں کا نام رافضی رکھا تھا۔ دیکھو تاریخ ابن خلدون اور تقریب التہذیب تمام صحابہ کرام اپنے آپ کو اہل سنت کہتے تھے۔ مگر یہ مصنف کہتا ہے کہ دورِ صحابہ میں لفظ شیعہ مسلمانوں کے لیے مروّج تھا یہ اس کی کذب بیانی ہے۔ اِن تمام باتوں سے بقینی ثابت ہوتا ہے کہ مصنّف بھی تبرائی شیعہ ہے کیونکہ صدیق وفاروق اور گستاخیِ قرآن مجید کی تبرا بازی اِس کی ان عبارتوں اور دیگر بہت سی عبارتوں سے ظاہر ہے۔

سوال نمبر ۲۷: یہ مصنف صاحب اپنی اسی کتاب جلد سوم کے ص ۲۵۲ سے ص ۲۶۵ تک حضرت فاروقِ اعظم کے بنت علی سے نکاح کا انکار کرتے ہوئے تین وجہ بیان کرتے ہیں۔ ایک وجہ یہ کہ اِن روایتوں کے الفاظ میں یکسانیت نہیں بہت اختلاف ہیں کوئی راوی کچھ لکھتا ہے کوئی کچھ لہٰذا درایت کے اعتبار سے سب ہی غلط ہیں دوسری وجہ یہ کہ جب حضرت عمر نے پیغام نکاح دیا تو حضرت علی نے دو عذر پیش کیے۔ لہٰذا عمر فاروق یہ پیغام نکاح نہیں دے سکتے تھے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پیغام نکاح پر پیغام نکاح دینا ناجائز فرمایا ہے۔ فاروقِ اعظم کو یہ مسئلہ اور حکم نبوی

معلوم تھا لہٰذا سرے سے ہی یہ واقعۂ نکاح غلط ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ امام بخاری نے کتابُ الجہاد میں مالِ غنیمت کی چادروں کی تقسیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا کہ ایک چادر بچ گئی تو ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ چادر اُمِ کلثوم بنتِ رسول یعنی بنتِ علی جو آپ کے ہاں ہیں دے دیں۔ یہاں مصنف صاحب لکھتے ہیں کہ بخاری نے یہ روایت بابُ النکاح میں نہیں لکھی کتابُ الجہاد میں لکھی ہے۔ اس لیے اس سے نکاح ثابت نہیں ہوتا۔ اور اُمِ کلثوم کے لیے عمر فاروق کو عِندَکَ کہنا۔ اس سے بھی نکاح ثابت نہیں ہوتا۔ اُس شخص کا فاروقِ اعظم کو عِندَکَ کہنے کی وجہ یہ تھی کہ اُمِ کلثوم بنتِ علی حفصہ بنتِ عمر کے پاس رہتی تھیں، عمر فاروق کبھی کبھی اپنی بیٹی کے گھر جاتے تھے۔ اس لیے کہا آپ کے پاس۔ پورے انکاری مضمون کا بس یہی خلاصہ ہے میں اپنے ناقص علم سے بھی بلکہ ایک عام آدمی بھی سمجھتا ہے کہ یہ نہایت کمزور وجوہ ہیں۔

جواب:- حیرانگی ہے اس مصنف کی عقل و علم پر اسی علمیت پر غرور ہے کہ میں دنیا میں سب سے بڑا عالم ہوں یہ تینوں وجہیں انتہائی ناسمجھی کی دلیل ہیں۔ پہلی وجہ اس لیے کہ روایات کے اختلاف کا بہانہ بنا کر کسی حقیقتِ متواترہ کا اگر انکار کر دیا جائے تو پھر ہزاروں حقیقتوں کا انکار کرنا پڑے گا۔ کون نہیں جانتا کہ دشمنانِ اسلام تخریب کاروں نے، اسلام کے ہر ہر مسئلے میں سینکڑوں اختلافات کی بھرمار کر دی ہے۔ یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تاریخِ ولادت میں کئی مختلف اقوال خود مولیٰ علی کی عمر میں اختلاف اسلام لانے کے

وقت میں اختلاف، ایمان ظاہر کرنے کے زمانے میں اختلاف کوئی بد بخت اُٹھتا ہے تو نمازوں میں اختلاف ڈالتا ہے کوئی زکوٰۃ میں کوئی قربانی میں تخریب کاروں نے تو ہر جگہ کانٹے بکھیرے ہیں ان ہی اختلافی کانٹوں کی بنا پر اصل حقائق کا انکار کر دینا بذاتِ خود اسلام میں تخریب کاری ہے اس مصنف کو چاہیئے کہ مولیٰ علی کے ایمان لانے کا بھی اِنکار کر دے کیونکہ اس نے خود اپنی اسی کتاب کی جلد پنجم کے صفحہ ۲۱۴ پر مولیٰ علی کی عمر میں بہت مختلف روایتوں کا ذکر کیا ہے جن میں کوئی یکسانیت نہیں اگر اُس کے نزدیک کسی بات کو ماننے کے لیے روایات میں یکسانیت شرط ہے تو مولیٰ علی کے ایمان کا بھی اِنکار کر دے۔ صرف نکاحِ اُمِ کلثوم کی روایتوں میں یکسانیت کی کیوں شرط لگاتا ہے۔ مصنف کے انکار کی دوسری وجہ بھی غلط اور ناسمجھی کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ مولیٰ علی کا یہ فرمانا وہ صغیرہ ہے یہ نکاح سے مانع نہیں جس عمر میں حضرت عائشہ صدیقہ کا نکاح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہوا تھا وہی عمر سیدہ ام کلثوم کی تھی جب وہ جائز تو یہ کیوں ناجائز نیز اسلام میں تو شیر خوار بچی سے بھی نکاح جائز ہے۔ دیکھو احادیث اور کتبِ فقہ اور مولیٰ علی کا یہ فرمانا کہ میں اُمِ کلثوم کا نکاح اپنے بھتیجے عبداللہ بن جعفر سے کرنا چاہتا ہوں۔ یہ مولیٰ علی کا ذاتی دلی ارادہ تھا کسی نے پیغامِ نکاح نہ دیا تھا نہ عبداللہ بن جعفر نے نہ اُن کے والدین نے۔ اسی لیے جب فاروق اعظم نے اپنے نکاح کی وجہ بتائی تو مولیٰ علی نے اپنے ذاتی ارادہ بدل کر فاروق اعظم سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا۔ اور چھپ کر یا ڈر کر نہ کیا بلکہ بہت بڑی محفل منعقد کی جس میں حضرت عقیل و

جعفرؓ وغیرہم سب شریک ہوئے۔ بہرحال مصنف اور اس کے گروہ کے تمام شیعہ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی انکار کریں تب بھی حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا پھر شیعہ تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تین صاحبزادیوں کے وجود کا ہی انکار کرتے ہیں تو کیا اس طرح حقیقت چھپ سکتی ہے!

تیسری وجہ تو بالکل ہی تبرا اور گستاخی ہے۔ میں یہاں کیا تبصرہ کر سکتا ہوں۔ کیا کوئی بھی باغیرت باپ اپنی کنواری بیٹی کے متعلق یہ سننا برداشت کرے گا کہ کوئی شخص بھرے مجمع میں کہے کہ تیری کنواری بیٹی فلاں مرد کے پاس ہے۔ یا کہے کہ اُس کی کنواری بیٹی تیرے پاس ہے۔ مصنف کا یہ کہنا کہ اُمِ کلثوم حضرت حفصہ کے پاس رہتی تھیں۔ ابلیسی جھوٹ ہے۔ مصنف نے یہ تمام کذب بیانی کر کے مولیٰ علی اور سیدہ اُمِ کلثوم پر تبرا کیا ہے، بے غیرتی کی حد ہے۔

سوال ۷۵۲، مصنف صاحب اپنی اسی کتاب کی جلد سوم کے ص ۲۴۲ پر لکھتے ہیں کہ مفتی احمد یار خان وغیرہ کی یہ بات غلط ہے کہ جواہرات ہشتم میں لکھی ہے کہ امام اعظم کے والد کا نکاح امام زین العابدین کی بیٹی خدیجہ سے ہوا یہ بات میں نے گوجر خان کے ایک عالم دین سے بھی پوچھی انہوں نے چند پرانی عربی کتب دکھائیں کہ یہ نکاح ہوتا درست حقیقت ہے۔ مگر یہ مصنف کیوں انکار کرتا ہے۔

جواب۔ مصنف کو تو ہر حقیقت کو غلط کہنے کی عادت ہے۔ جو بدنصیب ظالم قرآن مجید کی سورتِ لہب کو غلط کہنے کی جرأت کر سکتا ہے وہ دوسروں کی بات کو غلط کہتے ہوئے کیوں سوچے گا۔ بہرحال مصنف

کا غلط کہنا غلط ہے یہ نکاح بھی حق ہے یا حوالہ الگ فتوٰی لکھا گیا ہے سوال ر ۶۷ :۔ مصنف صاحب اپنی اسی کتاب کی جلد سوم کے صفحہ ۱۹۰ پر لکھتے ہیں کہ قِیۡلَ اور قَالُوۡا کے بعد جو عبارت ذکر ہوتی ہے وہ قابِل عمل نہیں ہوتی کیونکہ قَالُوۡا کا اشارہ ضعُف کی طرف ہوتا ہے۔ یہاں مصنف نے صرف کتابوں کا نام لکھا ہے، عبارت نہیں لکھی۔ لکھتے ہیں کہ۔ فتاویٰ شامی اور جامع الرموز کے صفحہ ۵۲۹ میں ہے کہ قِیۡلَ اور قَالُوۡا۔ دونوں سے اشارہ منعف کی طرف ہوتا ہے۔

جواب :۔ بالکل غلط ہے مصنف صاحب نے یہاں علمی خیانت کرتے ہوئے۔ قالُوا کی ملاوٹ کی ہے فقہاءِ کرام کے نزدیک صرف قِیۡلَ اور یُقَالُ اور اُن کی ہم مثل فعل مجہول کے صیغے مثلاً اُخۡبِرَ، یُخۡبَرُ اُطۡلِعَ یُطۡلَعُ وغیرہ صیغہ تمریض کہلاتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کا فاعل یعنی کہنے اور بتانے والا مجہول و نامعلوم ہوتا ہے لہٰذا اِن کے بعد عبارت ذرا کمزور ہو جاتی ہے اور وہ بھی فقط اُن فقہا کے نزدیک جن کو وہ عبارت اور عبارت کا مسئلہ قِیۡلَ یُقَالُ سے پہنچا ہو، لیکن اگر ایک ہی مسئلہ ایک فقیہ کو قِیۡلَ سے ملا مگر دوسرے فقیہ کو وہی مسئلہ قَالَ یا قَالُوا سے ملا تو پہلے فقیہ کے نزدیک وہ ضعیف ہے مگر دوسرے فقیہ کے نزدیک وہ قوی ہے بلکہ قَالَ کے مقابل قَالُوا زیادہ قوی ہے، کیونکہ یہ اکثریت کو بتاتا ہے لہٰذا یہ مصنف صاحب اپنی عمدًی غلطی اور ملاوٹ سے جس کو ضعیف کہہ رہے ہیں وہ تو اکثریت بتانے کی وجہ سے زیادہ مضبوط ہے۔ اگر قَالَ یا قَالُوا فعل معروف کے صیغوں کو ضعیف کہہ یا تو پھر کوئی صیغہ

بھی مضبوط نہ رہے گا۔ پتہ نہیں مصنف صاحب کیوں ایسی بناوٹیں کرتے ہیں شاید اُن کو یہ گمان ہو کہ یہ کتب جہلا ہے عوام نے پڑھنی ہیں ان کو جیسا مرضی ہے الٹا سیدھا لکھ دیا جائے کون پوچھنے والا ہے ہر باطل کا یہی طریقہ ہے۔

سوال ۲۷ :۔ مصنف صاحب اپنی اسی کتاب کی جلد چہارم ص۱۴۳ سے ص۱۵۳ تک لکھتے ہیں کہ کنعان نوح علیہ السلام کا سگا حقیقی بیٹا تھا یا نہیں اس میں چند اختلافی اقوال نقل کر کے آخر میں اپنا فیصلہ سناتے ہیں۔ اختلافی اقوال میں سگا حقیقی بیٹا ماننے والوں کے سترہ۱۷ اقوال ہیں اور نہ ماننے والوں کے بارہ۱۲ اقوال درج کئے ہیں آخر میں خود عدالتی جج بن کر نہ ماننے والوں کے حق میں اپنا فیصلہ صادر کرتے ہوئے مولا علی کی طرف منسوب کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چونکہ علی مرتضیٰ کی قرأت میں۔ اِنَّ اِبْنَھَا ہے وہ اِبْنَھَا پڑھا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ علی مرتضیٰ کا علمی لحاظ سے پلہ بھاری ہے۔ ابن عباس آپ کے شاگرد ہیں۔ آگے لکھتے ہیں کہ علی کے فیصلے نبی کریم کے فیصلوں جیسے ہوتے تھے، پھر لکھتے ہیں کہ حضرت عمر، عائشہ صدیقہ، عبداللہ بن مسعود غرضیکہ سب آپ کے پیچھے اور آپ سے پوچھ کر چلتے تھے۔ حضرت عمر نے ایک دفعہ فرمایا لَوْلَا عَلِیٌّ لَھَلَکَ عُمَرُ۔ سب اجلہ صحابہ نے حضرت علی سے مسائل پوچھے ہیں مگر حضرت علی نے کبھی کوئی مسئلہ صحابی سے نہ پوچھا جو۔ حضرت علی کو علمی شرف ملا وہ کسی اور کو نہیں ملا، آگے لکھتے ہیں کہ حضرت علی کے فیصلے سن کر ہی نبی کریم نے فرمایا۔ خدا کا شکر ہے جس نے ہم اہل بیت میں حکمت ودیعت کی ان باتوں کا حوالہ کوئی

نہیں لکھا، آخر میں نتیجہ نکالتے ہوئے لکھا ہے، چونکہ علی سب سے زیادہ علم والے تھے اور وہ اِبْنَھَا پڑھا کرتے تھے لہٰذا ثابت ہوا کہ کنعان حضرت نوح کا بیٹا نہیں تھا بلکہ آپ کی بیوی کا لڑکا پہلے خاوند سے تھا۔ یہاں تو لکھا ہے پہلے خاوند سے تھا۔ لیکن اِس سے پہلے ص۱۲۹ پر لکھا ہے حسن بصری اس بیٹے کے لیے کہتے ہیں کہ نوح علیہ السّلام کو پتہ ہی نہ تھا کہ یہ میرا بیٹا نہیں ہے اسی لیے رب نے فرمایا۔ لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ۔ خواجہ حسن بصری نے پڑھا فَخَانَتَا ھُمَا۔ یعنی رب نے جو فرمایا ہے کہ حضرت نوح اور حضرت لوط کی بیویوں نے خیانت کی اِس سے مراد یہ بیٹا کنعان ہی ہے یہ ناجائز بیٹا ہے۔ معاذ اللہ، معاذ اللہ۔ اسی جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ حسن بصری اور امام ابوجعفر باقر نے کہا ہے کنعان ابن نوح نہ تھا اگر ابن نوح ہوتا تو آپ مِنْ اَھْلِیْ نہ کہتے۔ مِنِّیْ کہتے۔ غرضکہ عجیب قلا بازیاں کھائی ہیں ۱۔ پہلے کہا پتہ ہی نہ تھا ۲۔ پھر کہا پتہ تھا اس لیے مِنْ اَھْلِیْ کہا مِنِّیْ نہ کہا ۳۔ پہلے کہا، خیانت کی ۴۔ پھر کہا خیانت نہیں بلکہ پہلے خاوند سے تھا کیا انہی قلا بازیوں کا نام علمیت ہے۔

جواب:۔ جلد چہارم کے ان صفحات کا ہم نے بغور مطالعہ کیا ہم یہاں چار چیزوں پر تبصرہ کریں گے ۱۔ مصنّف مذکور نے اتنی جانفشانی اور اہتمام سے یہ ثابت کرنے کی کیوں کوشش کی ہے کہ کنعان نوح علیہ السّلام کا بیٹا نہیں ہے۔ ۲۔ خواجہ حسن بصری اور امام باقر کی اَھْلِی اور مِنِّی مقابلہ کی تفریق ۳۔ مولیٰ علی کی قرأت ۴۔ مولیٰ علی کی علمیت اور لَھَلَکَ عُمَرُ کہنے کی نوعیت۔ مگر اس تبصرے سے پہلے آپ کی اُس بات کی وضاحت کہ مصنّف صاحب نے کوئی مکمّل حوالہ پیش نہ کیا، تو ہمارا

جہاں تک اندازہ ہے۔ وہ یہ کہ مصنف صاحب نے اپنی ان جلدوں میں کتبِ اہلِ سنت مشہورہ معتبرہ کے بہت کم حوالے دیے ۔ اگر دئے بھی تو کہیں تردید کرنے کے لیے کہیں ملامت کرنے کے لیے زیادہ تر حوال کتبِ شیعہ سے یا غیر معتبرہ غیر مشہورہ بلکہ نایاب کتب سے دئے، ہاں البتہ زیادہ تر زور پوری کتاب کی ساری جلدوں میں۔ فلاں متوفیٰ فلاں متوفیٰ پر ہے۔ اب معلوم ہوتا ہے۔ یہ جملہ ان کا تکیہ کلام ہے، یا ان کا وہم ہے کہ اگر متوفیٰ نہ کہا جائے گا تو مسئلہ ثابت ہی نہ ہو سکے گا ۔ بڑے سے بڑے حوالے کے لیے فلاں متوفیٰ کہدینا کافی ہے، ہمارا مشورہ ہے کہ ان کا لقب مولوی متوفیٰ رکھ دینا چاہیے اور ان کی کتابوں کا نام وفات نامہ رکھنا چاہیے۔ ان کتب سے لوگوں کو دیگر فائدہ نہ ہی کم از کم تاریخ کے شائقین کو سنِ وفات کا تو پتہ لگتا ہے یہ بھی فائدہ ہے۔ اب سنئے مختصر تبصرہ ۱۔ مصنف صاحب نے ابنیت کنعان کا انکار محض اس لیے کیا ہے تاکہ وہ ثابت کر سکیں کہ کفر سے اہلبیت ختم نہیں ہوتی۔ کنعان تو اس لیے اہلِ نوح نہ تھا کہ ابن نہ تھا نہ کہ کفر کی وجہ سے اور، اس کو اس لیے ثابت کیا جا رہا ہے تاکہ وہ بتا سکیں کہ سید اگر کافر بھی ہو جائے تب بھی اہلِ بیت نبی ہے اور اُس کا مقام سب مسلمانوں سے اونچا ہے۔ اسی بدعقیدگی کا اظہار مصنف مذکور نے اسی کتاب کی جلد اوّل ص ۱۷۱ پر اور جلد سوم ص ۲۳۲ پر کیا ہے اور اسی بدعقیدگی کی بنا پر ابولہب کی توہین برداشت نہیں اسی لیے سورۃ لہب کو غلط سمجھتے ہوئے مصنف کے سلف صالحین نے اس سورۃ کو پڑھنا چھوڑ دیا۔ شاید مصنف خود بھی نہیں پڑھتا۔

یہی بات شیعہ فرقہ کی کفر نوازی ہے اور ان کی تبرا بازی کی تائید ہے اپنے اسی عقیدے کو بچانے کے لیے خواجہ حسن بصری، امام محمد باقر اور مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو غلط منسوبہ بندی سے بدنام کیا جا رہا ہے۔

۲۔ نحوی لغوی، علمی، عقلی اعتبار سے مِنّی اور اَھْلِی میں کوئی فرق نہیں اگر فرق ہوتا تو آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چادر والی حدیثِ مقدس میں فاطمہ زہرہ کو شامل فرما کر ھٰؤُلَاءِ اَھْلُ بَیْتِی نہ فرماتے بلکہ حسن وحسین کے لیے بھی اَھْلُ بَیْتِی نہ فرماتے۔ مصنف کو چاہیئے کہ یہاں بھی کہہ دے کہ اگر فاطمہ زہرؓ (حسنؓ وحسینؓ) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد ہوتے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مِنّی فرماتے نہ کہ اَھْلُ بَیْتِی۔ مصنف صاحب کے پاس صرف جذباتی غصہ اور کڑوے الفاظ ہیں مگر فقہ اور تدبر نہیں ہے۔ اسی طرح خواجہ حسن بصری کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ کنعان ابنِ نوح نہیں ہے۔ اور حضرت قتادہ نے آیتِ کریمہ سے جواب دیا۔ اور ساتھ ہی اہلِ کتاب کی بات بھی بتائی تو خواجہ حسن بصری کے پاس بجز اس کے کوئی جواب نہ تھا کہ اہل کتاب جھوٹ بولتے ہیں، یہ سب باتیں اتنی کمزور ہیں جو کوئی علم وعقل سے خالی دماغ والا ہی بتا سکتا ہے۔

۳۔ مولیٰ علی کی طرف اِبْنُھَا کی قرأت منسوب کرنا بھی کس بے عقل انسان کا کام ہے۔ اس قرأت اور نسبت میں تین جہالتیں ہیں پہلی یہ کہ اِبْنَھَا پڑھنا، نحوی قانون سے غلط ہے۔ کیونکہ مرجع کے بغیر یا مرجع سے پہلے ضمیر لانا غلط اور حماقت ہے۔ اگر مولیٰ علی اِبْنَھَا پڑھتے تھے تو ھَا ضمیر کا مرجع کہاں سے لاتے تھے اور کس کو بناتے تھے جب کہ

زوجہ نوح علیہ السّلام کا ذکر یہاں قبل و بعد نہیں نہ اوّل میں نہ آخر میں مرجع کے بغیر ضمیر لانے کے لیے شرط ہے کہ مرجع کا کوئی قرینہ موجود ہو۔ جیسے اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ۔ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ۔ یہاں ہُ ضمیر کا مرجع اگرچہ موجود نہیں مگر اوّل آخر قرینہ موجود ہے۔ اوّل میں نزول، آخر میں لَیْلَۃُ الْقَدْرِ۔ ان دونوں قرینوں نے بتا دیا کہ ہُ ضمیر سے مراد قرآنِ مجید ہے۔ مگر اِنَّھَا پڑھنے کے لیے تو کوئی قرینہ موجود ہی نہیں جب کہ ایک تفسیری قول یہ بھی ہے سورۂ ہود آیت ۴۰ وَاَھْلَکَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْہِ الْقَوْلُ کی تفسیر میں کہ نوح علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں ایک کافرہ جس کا نام واعلہ تھا دوسری مومنہ ان کا نام دانیہ تھا۔ اَھْلَکَ میں یہ شامل ہو کر کشتی میں سوار ہو گئیں نجات پا گئیں۔ مگر پہلی بیوی کافرہ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْہِ الْقَوْلُ کے استثنائی زمرے میں آکر غرق کر دی گئی۔ اب کوئی اِنَّھَا کا جھوٹ بنا کر مولیٰ علی کی طرف لگانے والے کذّاب سے پوچھے کہ کیا مولیٰ علی کو علمِ نحو نہ آتا تھا جو اتنی بڑی غلطی کر دی۔ **دوسری جہالت**۔ مصنّف لکھتا ہے کہ صرف حضرت علی پڑھتے تھے اِنَّ اِبْنَھَا مِنْ اَھْلِیْ۔ گویا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھیں اِنَّ اِبْنِیْ جبرئیل علیہ السّلام وحی لائیں۔ اِنَّ اِبْنِیْ اللہ تعالیٰ کا کلام ہو اِنَّ اِبْنِیْ تمام صحابہ، تابعین، تبع تابعین بلکہ تا قیامت ہر مسلمان، اور خود یہ مصنّف پڑھے اِنَّ اِبْنِیْ، قرآن مجید میں لکھا ہے اِنَّ اِبْنِیْ۔ مگر مولیٰ علی، اللہ رسول۔ اسلام قرآن اجماعِ اُمّت کی مخالفت کر کے اکیلے تن تنہا پڑھیں اِنَّھَا یہ قرأت نہیں بلکہ آیت کو بگاڑنا ہے میں اس مصنّف سے پوچھتا ہوں کہ۔ اِنَّ اِبْنِیْ پڑھنا صحیح ہے یا

اِنَّ اُنجَمَا۔ اگر پہلا صحیح ہے تو مولیٰ علی نے غلط کیوں پڑھا، اگر دوسرا صحیح ہے تو مولیٰ علی نے اپنے اِس صحیح کو قرآن مجید میں کیوں نہ لکھا اور غلط لفظ اِنَّ اُبنی کو قرآن مجید سے کیوں نہ نکالا، اور پھر اِنَّ اُنجَمَا پڑھنے میں کسی دوسرے مسلمان نے مولیٰ علی کا ساتھ کیوں نہ دیا نہ بقول مصنف ابن عباس جو مولیٰ علی کے شاگرد تھے (اگرچہ مصنف کی یہ شاگرد ہونے والی بات بھی غلط ہے، کیونکہ کوئی صحابی کسی صحابی کا دینی علوم میں شاگرد نہیں ہوا سب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے شاگرد تھے) اور نہ کسی اہلِ بیت نے اس قرئت میں ساتھ دیا نہ حسن وحسین نے نہ آئمہ دوازدہ نے رضی اللہ تعالیٰ عنہم ثابت ہوا کہ یہ بناوٹی قرئت شیعہ روافض کی کذبیات میں سے ہے مصنف صاحب نے خود ذرا تدبر نہ فرمایا بس شیعہ کتب کی آنکھیں بند کر کے مان لی اِبنُمَا پڑھنے میں تیسری جہالت۔ اسلامی شریعت میں ہر چیز کے لیے ایک ضابطہ اور قانون مقرر ہے جو مسلمان کوئی بھی کام قولی ہو یا عملی اُن شرعی ضابطوں کے تحت کرے گا وہ درست اور قابلِ قبول و لائقِ تحسین ہو گا، اگر شرعی ضابطوں کے خلاف ہو گا تو ناکارہ و لغو و قابلِ تردید ہو گا، قرآءِ اسلام کی مختلف قرئتوں کے لیے شرعی ضابطے مقرر ہیں۔ تبدیلیِ قرئت کوئی بچوں کا کھیل نہیں یا اندھے کی لاٹھی نہیں کہ جب چاہا، جدھر چاہی گھما دی، اس کے لیے بھی کچھ اصول مقرر ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب قرأت القرآن مطبوعہ بیروت میں قرئت کی تبدیلی کے لیے کچھ شرطیں اور ضابطے و اصول بیان فرمائے ہیں، جو قرئت اُن شرطوں ضابطوں کے تحت ہو گی وہ مقبول ورنہ مردود۔ ان میں سے ایک یہ کہ قرئت سے آیت نہ بگڑے

دوم منشاءِ الٰہی کے خلاف نہ ہو۔ سوم مفہوم نہ بگڑے۔ چہارم، علم نحو و صرف کے خلاف نہ ہو۔ قرأت نبوی سے متصادم نہ ہو۔ پنجم قرأت کی تبدیلی سے تاریخی واقعے یا مشاہدے کی حقانیت پر ضرب نہ پڑتی ہو۔ ان شرائط کو بیان فرمانے کے بعد علامہ سیوطی نے بہت سی مشہور و مکتوب و شاذ قرأتوں کا ذکر فرما کر بتایا کہ یہ سمجھ ہے یہ غلط ہے اسلام نے ہرگز اجازت نہیں دی کہ جو چاہے جب چاہے قرآن مجید کے لفظوں میں قرأتوں کا بہانہ لے کر توڑ پھوڑ کی تبدیلی و تخریب کاری کرتا پھرے۔ مصنف کی بیان کردہ یہ اِبْنَھَا والی تبدیلی بھی اسی طرح آیت کو بگاڑنے والی تخریب کاری کرتا پھرے۔ مصنف کی بیان کردہ یہ اِبْنَھَا والی تبدیلی بھی اسی طرح آیت کو بگاڑنے والی تخریب کاری ہے جس طرح یہ مصنف اپنی ایک کتاب کے اندر سَلَامٌ عَلٰی اِلْیَاسِیْنَ۔ میں من مرضی کی توڑ پھوڑ کو مختلف قرأت کا نام دیتا ہوا کہتا ہے کہ سَلَامٌ عَلٰی آلِ یٰسین ہے (ایک قرأت میں) اور یٰسین نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہے۔ مراد اس سے نبی کریم کی آل و اہلِ بیت کو سلام بھیجنا ہے۔ جس طرح اِلْیَاسِیْنَ کو آلِ یٰسین پڑھنا گمراہی ہے اسی طرح اِبْنَھَا پڑھنا بھی گمراہی ہے۔

خیال رہے کہ آلِ یٰسین پڑھنا ایسی ہی حماقت ہے جیسے کوئی آلِ یا محمد پڑھے یا، آلِ یا نبی آلِ یا رسول پڑھے، یا کوئی آلِ حسین کی بجائے آلِ یا حسین کہے، حرفِ ندا کو مضاف الیہ بنانا کسی جاہل ترین انسان کا ہی کام ہے۔ اسی طرح اِبْنَھَا پڑھنا بھی سخت کم علمی کی نشانی ہے۔

میں پوچھتا ہوں کہ آخر اس اِبْنَھَا کہنے کا مقصد کیا ہے، کہ اس کا بیٹا میرے اہل ہے۔ اس کا سے کیا مراد۔ اگر کنعان کی والدہ مراد ہے تو

پہلے والدہ کی بابت پوچھنا چاہیئے تھا کہ وہ میری بیوی میری گھر والی میری اہل ہے وہ کیوں غرق ہوگئی، بیوی سے تو زوجیت کا تعلق ہے، اُس کے پہلے خاوند کے بیٹے سے تو کوئی تعلق نہیں ہے اس کے متعلق اتنی کیوں فکر تھی یہ ثابت ہوا کہ بیٹا اپنا حقیقی تھا اور اُس نے اپنا کفر بھی چھپایا ہوا تھا۔ اگر اب بھی کہتے ہو کہ اِبْنَهَا کی قرئت درست ہے تو پھر نماز میں جہری قرئت کر کے یا قرآن مجید میں چھاپ کر یا ہمارے ان سوالات کے جوابات با حوالہ دے کر دکھاؤ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی قرئتیں آیتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہیں۔ اسی کا ذکر سورۃ فرقان آیت ۳۰ میں ہے قَالَ الرَّسُوْلُ یَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا۔ پھر اِس عقیدے میں تضاد بیانیاں اتنی ہیں کہ خدا کی پناہ کبھی کہتے ہیں نوح علیہ السّلام کو پتہ تھا یہ میرا بیٹا نہیں، کبھی کہتے ہیں نہیں پتہ تھا، کبھی کہتے ہیں یہ کنعان پہلے خاوند کا بیٹا تھا۔ کبھی کہتے ہیں یہ بیوی کی خیانت کا ناجائز بیٹا تھا (معاذ اللہ) یہ تضاد بیانی ثابت کرتی ہے کہ وہ سب اقوال جن میں ابن نوح ہونے کا انکار ہے کذبیاتِ روافض ہیں، خواہ خواجہ بصری کی طرف نسبت کر کے رعب ڈالنے کی کوشش کریں یا امام باقر کی طرف یا مولیٰ علی کی طرف۔ اہل علم وعقل کو ایسے کسی بھی جھوٹے رعب سے مرعوب نہیں کیا جا سکتا۔

سوال کی چوتھی قابلِ تبصرہ بات مصنف کا یہ کہنا کہ حضرت علی کے علم کا پلّہ سب پر بھاری ہے۔ اور یہ بات کہ حضرت علی سے سب صحابہ مشکل مسائل پوچھ کر حل کرانے تھے مگر حضرت علی نے کبھی کسی سے نہیں پوچھا، یہ دونوں باتیں بھی غلط ہیں، کیونکہ مولی علی کے علم کا پلّہ

صدیقؓ و فاروقؓ کے علمی پلّے سے نیچا اور ہلکا ہے۔ آیات قرآن اور احادیث کے فرمان سے یہ بات ثابت ہے۔

پہلا ثبوت:- یہ بات اجماعِ اُمت سے ثابت ہے کہ صدیقؓ و فاروقؓ مولا علی رضؓ اور تمام صحابہ سے افضل ہیں اور یہ بات بھی قرآن مجید سے ثابت ہے کہ کسی کو کسی پر فضیلت دینا صرف رب تعالیٰ کا کام ہے ماؤشما نہ کسی کو فضیلت دے سکتے ہیں نہ کسی کی فضیلت چھین سکتے ہیں اس لیے اس مصنف مذکور کا اپنی اسی کتاب کی جلد سوم صـ۴۶ پر لکھنا کہ شریک راوی حضرت علی رضؓ کو حضرت عثمان غنی رضؓ پر فضیلت دیتا تھا یہ قول و عقیدہ باطل ہے، شریک کون ہوتا ہے فضیلت دینے والا، اور یہ بات بھی حق ہے کہ رب تعالیٰ کی بارگاہِ مقدس سے کسی کو فضیلت اُس کے علم کی بنا پر ملتی ہے جیسا کہ سجدۂ آدم کے واقعہ سے ظاہر ہوا، ثابت ہوا کہ صدیقؓ و فاروقؓ کی فضیلت بھی ان کی علمی فوقیت کی وجہ سے ہے۔

دوسرا ثبوت:- نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دو وزیر آسمانوں میں ہیں اور دو وزیر زمین میں۔ وہاں جبرئیل و میکائیل یہاں صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم، یہ وزارت بھی علمی فوقیت عَلٰی کُلِّ الصَّحَابَۃ کی وجہ سے ہے۔

تیسرا ثبوت:- نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا مصلّٰی صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دے کر سب کا امام بنا دیا اور شریعت میں امامت کا حق دار بھی وہ ہوتا ہے جس کا علم قوم میں سب سے زیادہ ہو۔

چوتھا ثبوت:- نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر میرے

بعد نبی ہوتا تو عمر رض ہوتا۔
پانچواں ثبوت، فاروقِ اعظم رض کے بہت سے مشوروں کی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بلکہ رب تعالیٰ نے تعریف فرمائی اور اُس کے مطابق وحی قرآن نازل فرمائی ان تمام باتوں سے ثابت ہوا کہ صدیقؓ و فاروق رض کا علمی پلّہ مولیٰ علی رض کے علم سے بھاری ہے۔ مصنف کا یہ کہنا کہ حضرت علی رض نے کبھی کسی سے کوئی مشکل مسئلہ نہیں پوچھا غلط ہے کیونکہ سن ہجری مقرر کرتے وقت جو مشورے مولیٰ علی رض نے دیئے وہ درست نہ تھے۔ فاروق اعظم رض کی رائے درست تھی مولیٰ علی اور تمام صحابہ نے اس رائے کو پسند فرمایا۔ ایک اور موقعہ پر ایک جنگی مشورے میں کسی سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو رہا تھا تو سب اٹھ کر فاروق اعظم رض کے پاس گئے آپ نے چند منٹوں میں مشکل مسئلہ ایسا حل فرمایا کہ خوش ہو کر مولیٰ علی رض نے فرمایا۔ یَا عُمَرُ اَنْتَ اَعْلٰی نَا وَاَوْلَا نَا وَسَیِّدُ نَا یعنی واقعی اے عمر تم ہم سب سے اعلیٰ اَولیٰ اور ہمارے سیّد ہو۔ اور حضرت عمر رض کا کسی ایک موقعہ پر یہ فرمانا کہ لَوْ لَا عَلِیٌّ لَھَلَکَ عُمَرُ۔ یعنی اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ یہ ایک مشورے سے خوش ہو کر فرمایا حضرت علی خلفاءِ ثلاثہ کے مشیر تھے اور مشیروں کی محتاجی ہر خلیفہ کو ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ حضرت علی بھی مشیروں کی ضرورت محسوس فرماتے، خود مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جب کہ ان سے کسی نے غرض کی یا مولیٰ علی رض اس کی کیا وجہ کہ خلفاءِ ثلاثہ کے زمانوں میں فتوحات بہت ہوئیں مگر آپ کے زمانوں میں خانہ جنگیاں ہی ہوتی رہیں جس سے مسلمانوں

کا بہت نقصان ہوا تو آپ نے جواب دیا کہ اُن کے ہم مشیر تھے اور ہمارے تم مشیر ہو اور ہمارے حضرت ابن عباسؓ مولا علیؓ کے مشیر خاص تھے اور مولا علی رضہ بہت سی تفسیری فقہی اور حکمت کی باتیں اُن سے پوچھتے اور پسند فرماتے تھے۔ (از سیرت ابن عباس و اسلامی انسائیکلوپیڈیا ص۱۲۱) کیونکہ ابنِ عباس رضہ کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعا لگی تھی کہ یا اللہ عبد اللہ ابن عباس کو علم و حکمت و فہم قرآنی عطا فرما تو اگر مشیر ہونے سے علمی پلہ بھاری ہو جاتا تو پھر مولیٰ علیؓ کے مشیروں کا علمی پلہ اُن سے بھاری ہو گیا۔ یہ کہنا بھی غلط ہے کہ مولیٰ علیؓ نے کبھی کوئی مسئلہ کسی سے نہیں پوچھا اس لیے کہ بہت سے غسل وضو اور فقہی مسائل عائشہ صدیقہ سے پوچھے۔ آپ ہی نے ایک بار فرمایا تھا کہ جو فقہی کسی سے حل نہ ہو وہ اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے پوچھے (از سیرت ابن ہشام جلد دوم ص۵۰) ، خود ان مصنف صاحب نے اپنی اسی کتاب کی پانچویں جلد کے ص۲۸۲ پر بحوالہ کتاب نورالابصار ص۲۰۸ اور سعادت الکونین ص۵۳ بحر حافظ ابنِ قیمؒ کا قول نقل کیا ہے کہ مولیٰ علیؓ نے ایک مجرم کا فیصلہ کیا مگر پھر امام حسن سے پوچھا تو انہوں نے دوسرا فیصلہ کیا مولیٰ علی نے اپنا فیصلہ چھوڑ کر امام حسن کے فیصلے پر عمل کیا جس سے ثابت ہوا کہ مولیٰ علی کا فیصلہ درست نہ تھا اگر مولیٰ علی اپنے غلط فیصلے پر عمل کر کے مجرم کو سزا دے دیتے تو ساری عمر پچھتاتے ، مولیٰ علی امام حسن کے فیصلے سے بہت خوش ہوئے چاہیئے تو فرما دیتے کہ لَو لَا حَسَن لَھَلَکَ عَلِیٌ۔ مگر فرمایا نہیں اگرچہ واقعہ فاروقی اور یہ واقعہ ایک نوعیت کا ہے یہ فاروقِ اعظم کی شفقت و دلجوئی اور انکساری

تھی۔ لہٰذا نہ اُس واقعے سے مولیٰ علی کا علمی پلّہ بھاری ہوا نہ اس واقعے سے امامِ حسَن کا علمی پلّہ بھاری ہوا، اگر یہ مصنّف وہاں مولیٰ علی کا علمی پلّہ فاروق اعظم سے بھاری مانتا ہے تو یہاں امامِ حسَن کا علمی پلّہ مولیٰ علی کے علم سے بھاری ثابت ہوتا ہے، نیز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا یا فاروقِ اعظم رضؓ کا یا اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کا مولیٰ علی رضؓ کے لیے فرمانا اَقْضَاکُمْ۔ اَقْضَانَا یا اِنَّہٗ اَعْلَمُ۔ یہ محض شفقت دلجوئی اور ایسی محبت کی باتیں تھیں، مصنّف یا کسی بھی شیعہ رافضی کو ان مخلصانہ باتوں سے ناجائز فائدہ نہ اُٹھانا چاہیئے نہ ان کلمات سے مولیٰ علیؓ کا علمی پلّہ بھاری ہونا ثابت، نہ یہ حقیقت ہے۔

سوال ۵۷، شمع شبستان رضا جو طبع ہے۔ رومی پبلیکیشنز اینڈ پرنٹرز لاہور کی یہ کتاب چار حصّوں کی ہے اور ایک جلد میں مجلّد ہے اس کے پہلے دوسرے تیسرے حصّے کا نام شمع شبستانِ رضا ہے ٹائیٹل پر بھی اور صفحہ کے اوپر حاشیہ پیشانی پر بھی۔ لیکن چوتھا حصّہ کا ٹائیٹل اور ہر صفحہ کی پیشانی پر شمع شبستان لکھا ہوا ہے مگر فہرست مضامین کا ٹائیٹل اس طرح لکھا ہے۔ فہرست مضامین عزیز الخلائق حصّہ اول۔ اس کے صفحہ ۷۲ پر

(۹۱) عملِ نادِ علی نادِ علی شریف قضا رحاجات حل مشکلات میں مشہور و مقبول ہے۔ جواہر خمسہ میں لکھتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں جب لشکر اسلام پر شکست کے آثار ظاہر ہوتے ہوئے تو سرکار کائنات صلے اللہ علیہ وسلم مسلمان کی پریشان حالی دیکھ کر مغموم ہونے لگے اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ کلمات یعنی نادِ علی شریف لے کر آئے اور سید عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں پڑھا تین مرتبہ پورے نہ ہوئے تھے کہ شیر خدا حاضر آئے اور

لشکرِ کفار پر عقاب کی طرح جھپٹے چند ہی ساعت میں کچھ قتل ہوئے باقی فرار ہوگئے اس فتح میں بہت ہی مال غنیمت مسلمانوں کو حاصل ہوا سوال یہ ہے کہ یہ بات اس سے پہلے ہم نے کسی سے نہیں سُنی نہ ہی کسی تاریخ اسلام میں پڑھی۔ نہ ہی واقعاتِ غزوات یا غزوۂ تبوک کے بیان میں نہ کسی حدیث شریف میں ایسا لکھا دیکھا۔ نہ عملیات کی کتاب میں۔ یہاں تک اسی مجموعے سے پہلے حصّہ شمع شبستان رضا کے ص ۲ پر نادِ علی کا ذکر فوائد ملتا ہے وہاں صرف اس کے پندرہ فوائد از امام جعفر صادق بیان کئے گئے ہیں یہ بات وہاں بھی نہیں لکھی۔ اس دعائیہ ندائیہ وظیفے کے الفاظ سے بھی پتہ لگتا ہے کہ یہ بات درست نہیں۔ ہمارے خطیب صاحب فرماتے ہیں کہ یہ کسی جاہل کاذب احمق شیعہ نے اس کتاب میں ملاوٹ کی ہے یا کاتب کی حرکت ہے یا ناشر کی فرمایا جائے کہ درست بات کیا ہے۔

جواب: اب تو شیعہ لوگوں نے کذب بیانی میں بھی کمال کر دیا ہے۔ اوّل تو جھوٹ بولنا ہی بدترین باعث لعنت عیب ہے لیکن اگر جھوٹ بولنا ہی ہے تو کم از یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ کچھ تو جھوٹ کسی نہ کسی طرح بچ جائے مگر یہ لوگ تو تقیے کی آڑ اور سہارا لے کر ایسے سفید اور احمقانہ جھوٹ بولنے بنانے لکھنے لگ گئے کہ حماقت پر خود ان کی عبارت کہہ رہی ہے کہ سراسر جھوٹ بنایا گیا ہے۔ نادِ علی کا یہ واقعہ بھی ابھی حال ہی میں کسی نادان شیعہ نے اس کتاب شمع شبستانِ رضا کے حصّہ چہارم عزیزالخلائق میں ملاوٹ کیا ہے۔ یا یہ شیعہ ناشر کی شرارت ہے یا شیعہ کاتب کی یا کسی تصحیح کرنے والے شیعہ رافضی کی ورنہ پہلی مطبوعات میں یہ گھناؤنی احمقانہ ملاوٹ موجود نہیں ہے نہ مطبوعہ بریلی میں نہ مطبوعہ سکھر میں اس ملاوٹ کذب بیانہ میں

چار حماقتیں ہیں اولاً یہ کہ نادِ علی کا وظیفہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا بنایا ہوا ہے اُن سے پہلے کسی بزرگ سے یہ وظیفہ ثابت نہیں نہ صحابہ سے نہ اہلِ بیت سے نہ تابعین سے نہ کسی حدیث و تاریخ میں اسکا ذکر ملتا ہے۔ ثانیاً یہ کہ اس ملاوٹ کرنے والے نے حماقت سے غزوہ تبوک کا نام لیا۔ حالانکہ غزوہ تبوک میں تو بالکل جنگ ہی نہیں ہوئی جب لشکرِ اسلام تبوک میں پہنچا تو پہلے دن ہی کفار نے جزیہ دینا قبول کر لیا۔ نہ جنگ ہوئی نہ مالِ غنیمت ملا اگر یہ کاذب ذرا عقلمند ہوتا تو کسی دوسرے غزوے کا نام لے لیتا تاکہ کچھ تو بیچارے کا بھرم رہ جاتا خیال رہے کہ کل ستائیس غزوات ہوئے ہیں جن میں سے دس غزوات میں جنگ ہوئی اور سترہ غزوات میں جنگ نہ ہوئی جن میں سے ایک غزوہ تبوک بھی ہے۔ اصطلاح صحابہ میں غزوہ اس اسلامی لشکر کشی کو کہتے ہیں آقائے کائنات حضورِ اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جس میں بذاتِ خود تشریف لے گئے ہوں جنگ ہوئی ہو یا نہ اور غازی اس صحابی کو کہتے جو ایسے کسی ایک لشکر میں شریک ہو۔ تیسری حماقت یہ کہ کاذب کہتا ہے کہ نادِ علی کا وظیفہ پڑھا گیا تو علی آئے اور عقاب کی طرح کفار پر ٹوٹ پڑے حالانکہ اس غزوہ تبوک میں تو مولیٰ علی ساتھ ہی نہ گئے تھے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو ساتھ چلنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ اے علی تم یہیں مدینے میں عورتوں بچوں کی حفاظت و ضروریات کے لئے ٹھہرے رہو۔ مولیٰ علی نے اس محرومی شرکت کو اچھا نہ سمجھا اور کچھ عرض کرنا چاہا تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے علی تم میرے لئے بمنزلہ ہرون ہو جو حضرت موسےٰ کے وزیر تھے اور کچھ دیر کے لئے ان کے پیچھے حفاظتی انتظامات کی نیابت فرمائی تھی چنانچہ ابن ماجہ شریف باب فضل علی ابن ابی طالب ص۱۲ پر ہے

(بخاری) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَعْفَرٍ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ سَمِعْتُ اِبْرَاهِيْمَ اِبْنَ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ يُحَدِّثُ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انه قَالَ لِعَلِيٍّ اَلَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هٰرُوْنَ مِنْ مُوْسٰى اور مشکوٰۃ شریف باب مناقب علی بن ابی طالب فصل اول ۵۶۳ پر ہے عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ متفق عَلَيْهِ (بخاری مسلم) اس کے حاشیہ پر لمعات شرح مشکوٰۃ کی عبارت اس طرح ہے۔ قَوْلُهٗ اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى قَالَهٗ حِيْنَ اِسْتَخْلَفَهٗ عَلَى الْمَدِيْنَةِ فِيْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَقَالَ عَلِيٌّ اَتُخَلِّفُنِيْ فِي النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ كَاَنَّهٗ اِسْتَنْقَصَ تَرْكَهٗ وَرَاءَهٗ۔ فَقَالَ اَلَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى يعني حِيْنَ اِسْتَخْلَفَهٗ عِنْدَ تَوَجُّهِهٖ اِلَى الطُّوْرِ اِذْ قَالَ لَهٗ اُخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ۔ (الخ) وَقَدِ اسْتَخْلَفَ اِبْنَ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فِيْ هٰذِهِ السَّفْرَةِ عَلٰى اِمَامَةِ النَّاسِ فَلَوْ كَانَتِ الْخِلَافَةُ مُطْلَقَةً لَكَانَ اِسْتَخْلَفَهٗ عَلَى الْاِمَامَةِ اَيْضًا۔

ترجمہ: سب عبارتوں کا یہی ہے کہ جب لشکر اسلام جانب تبوک روانہ ہونے لگا تو آقائے کائنات نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے مولیٰ علی کو استخلف عَلَى الْمَدِيْنَةِ پیچھے مدینہ منورہ میں ہی چھوڑ دیا اور فرمایا کہ اے علی تم یہیں رہو عورتوں بچوں کی حفاظت کے لئے اور عبداللہ بن ام مکتوم نابینا کو واپسی تک تمام نمازوں کا امام مقرر فرمایا۔ مولیٰ علی نے رنجیدہ و

غمناک ہو کر عرض کیا آپ مجھے (یعنی خاص صحت والے قابل قتال شخص کو) عورتوں اور بچوں کے لئے پیچھے چھوڑے جا رہے ہیں تب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے علی تم میرے لئے ایسے ہو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہارون علیہ السلام کیونکہ موسیٰ علیہ السلام بھی حضرت ہارون طور پر جاتے وقت قوم میں پیچھے چھوڑ گئے تھے تاکہ وہ اتنے دن قوم کی اصلاح کرتے رہیں۔ تبوک کا بس اتنا واقعہ ہے۔ نہ وہاں جنگ نہ کوئی پریشانی ہوئی نہ مال غنیمت ملا۔ سات دن بعد ہی واپس ہو گئی۔ اب اللہ رسول ہی اس حکمت کو بہتر جانتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی تا حیات ظاہری اپنے مصلائے امامت پر مولیٰ علی کو ایک دن بھی آگے امام بننے نماز پڑھانے کی قطعاً اجازت نہیں دی بلکہ امامت مسلمین و مؤمنین مولیٰ علی کو اتنا دور رکھا کہ لفظ امام آپ کے نام ساتھ فٹ اور مناسب ہی نہیں آتا۔ جچتا اور جچتا ہی نہیں اگر کوئی شخص امام علی کہتا بھی ہے تو پوچھنا پڑتا ہے کس کو بلایا ہے یا کون مراد ہے بخلاف امام حسن امام حسین وغیرہ کہ لفظ امام ان کے ناموں کا جز بن گیا ہے۔ ہاں لفظ مولیٰ آپ کے نام کے ساتھ مثل جز بنتا جچتا ہے۔ شمع شبستان رضا حصہ چہارم کی اس کاذبانہ ملاوٹ میں چوتھی حماقت یہ کہ اس وظیفے کے الفاظ ہی بتا رہے ہیں یہ وظیفہ نہ جبرائیل علیہ السلام لے کر آئے نہ ہی اس کا ورد نبی کریم آقا حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑھا اس لئے کہ الفاظ اس طرح ہیں نَادِ عَلِیًّا مَظْهَرَ الْعَجَائِبِ تَجِدْهُ عَوْنًا لَّكَ فِی النَّوَائِبِ كُلُّ هَمٍّ وَّغَمٍّ سَيَنْجَلِیْ بِنُبُوَّتِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَبِوِلَايَتِكَ يَا عَلِیُّ يَا عَلِیُّ يَا عَلِیُّ

ترجمہ: اے مصیبت زدہ پکار تو مولیٰ علی کو جو عجائبات کا مظہر ہیں (عجیب و غریب کرامات کے مظہر ہیں) پائے گا تو ان کو مددگار اپنے لئے تمام مہمات اور غموں والی مشکلات میں۔ عنقریب تمام حل ہو جائیں گی آپ کی نبوت سے یا رسول اللہ اور تمہاری ولایت سے اے علی اے علی۔ یہ ہے وظیفہ اور اس کا ترجمہ۔ اب کوئی پوچھے اس ملاوٹی کاذب سے کہ اگر یہ وظیفہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو پڑھنے کے لئے دیا گیا اور معاذ اللہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑھا تو پھر آپ نے بِنُبُوَّتِکَ یَا رَسُوْلَ اللہ سے کونسا نبی رسول مراد لیا اور کون نبی رسول اسوقت دنیا میں موجود تھا کس کی نبوت و رسالت دنیا میں قائم تھی بجز خود آپ کے اور خود کو اس طرح خطاب کیا ہی نہیں جا سکتا۔ بہرحال یہ ملاوٹیئے کذاب کچھ بھی کر لیں ایڑی چوٹی کا زور لگا لیں نہ دال گلتی ہے نہ بات بنتی ہے ان کی ہر حماقت خود ہی سامنے آجاتی ہے۔ وَاللہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

سوال نمبر۷۹: ہمارے علاقہ میں ایک پیر صاحب آئے ہیں ان کی مطبوعہ درود وظائف والی چھوٹی سی کتاب میں لکھا ہے کہ ہر وظیفے سے پہلے تین مرتبہ درود ابراہیمی پڑھنا چاہئے اس کے علاوہ کوئی دوسرا درود شریف نہ پڑھا جائے۔ اسی طرح اکثر وہابی، دیوبندی اپنی کتابوں میں بھی نماز کے علاوہ درود ابراہیمی پڑھنے پر ہی زور دیتے ہیں۔ ہمیں وہ پیر صاحب وہابی لگتے ہیں کیونکہ ان کی ہر بات ہی وہابیوں جیسی ہے۔ ہمارے امام مسجد صاحب فرماتے ہیں درود ابراہیمی نماز کے علاوہ پڑھنا منع ہے۔ مگر انہوں نے وجہ نہیں بتائی اور فرمایا کہ کسی بڑے اہلسنت عالم سے وجہ پوچھو اس لئے آپ سے گزارش ہے کہ آپ ہمیں اصل مسئلہ ارشاد فرمائیں کہ کیا نماز کے علاوہ درود ابراہیمی پڑھنا منع ہے یا جائز ہے۔

جواب: آپ کے امام صاحب صحیح فرماتے ہیں واقعی نماز کے علاوہ درود ابراہیمی پڑھنا منع اور ناجائز و مکروہ ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ قرآن مجید کے فرمان، حدیث پاک کی وضاحت اور فقہاء کرام کے فرمودات سے یہ ثابت ہے کہ درود ابراہیمی صرف نماز پڑھنے کیلئے ہے۔ بیرون نماز یہ درود شریف ناقص ہے۔ کیونکہ اس میں سلام نہیں ہے۔ اور سلام کے بغیر درود شریف پڑھنا حکم قرآنی کے خلاف ہے اس لئے مکروہ تحریمی ہے اور ہر مکروہ تحریمی گناہ کبیرہ ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید سورۃ احزاب کی آیت نمبر ۵۶ پارہ ۲۲ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ اے ایمان والو نبی کریم ﷺ پر درود بھی پڑھو اور سلام تو ضرور ضرور پڑھو۔ اللہ تعالی نے سلام پر اتنی تاکید عظیم فرمائی کہ سَلِّمُوْا کے ساتھ تَسْلِیْمًا کی سخت تاکید کا حکم دیا۔ اس سے پہلے واؤ عاطفہ ارشاد ہوئی جو نحوی عربی قانون کے مطابق جمع کیلئے آتی ہے جس سے ثابت ہوا کہ صلوٰۃ اور سلام ہمیشہ جمع کر کے پڑھنے

چاہئیں۔ نماز کے اندر تو اس حکم پر عمل ہو گیا کیونکہ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ پہلے پڑھ لیا گیا بعد میں درود ابراہیمی ٹھیک ہے مگر نماز کے علاوہ درود ابراہیمی پڑھنے سے سلام رہ گیا حالانکہ سلام کی لفظِ تسلیماً نے سخت تاکید فرمادی۔ دوسری وجہ یہ کہ حدیث پاک میں ہے کہ صحابہ کرام نے بھی جب نبی کریم ﷺ سے درود شریف پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو وہ نماز کے اندر ہی پڑھنے کا سوال تھا۔ چنانچہ مسلم شریف جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ بعد التشہد صفحہ ۱۷۵ طبع کراچی۔ میں ہے صحابہ نے عرض کیا۔ اَمَرَنَا اللّٰهُ اَنْ نُصَلِّیْ عَلَیْكَ اس کی شرح نووی میں ہے وَ یَحْتَمِلُ اَنْ یَکُوْنَ فِی الصَّلٰوۃِ قَالَ وَھُوَ الْاَظْھَرُ قُلْتُ وَھٰذَا ظَاھِرَ اِخْتِیَارِ مُسْلِمٍ وَ لِھٰذَا ذَکَرَ ھٰذَا الْحَدِیْثَ فِیْ ھٰذَا الْمَوْضِعِ۔ ترجمہ صحابہ کرام کا یہ پوچھنا کہ اللہ نے ہم کو درود پاک پڑھنے کا حکم فرمایا ہے کہ کیسے درود شریف پڑھیں یہ سوال صرف نماز میں ہی پڑھنے کے بارے میں تھا۔ یہی معنی زیادہ ظاہر ہے اور محدث امام مسلم نے بھی یہی سمجھا اور پسند کیا اسی لئے انہوں نے اس سوال صحابہ والی حدیث کیلئے یہ باب باندھا کہ صلوٰۃ بعد التشہد۔ ابن ماجہ کتاب الاقامت کے باب نمبر ۲۵ صفحہ ۲۹۲ پر ہے۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قُلْنَا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ ھٰذَا السَّلَامُ قَدْ عَرَفْنَا فَکَیْفَ الصَّلٰوۃُ عَلَیْكَ قَالَ قُوْلُوْا۔ ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ ہم نے عرض کیا یارسول اللہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو آپ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے کا حکم فرمایا ہے سلام پڑھنے کا طریقہ تو ہم نے پہچان لیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تشہد میں خود ہی بتایا کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ لیکن درود شریف ہم کیسے پڑھیں۔ تب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قولوا یعنی اس طرح پڑھا کرو آگے پورا درود ابراہیمی بتایا۔ امام نووی

فرماتے ہیں کہ حدیث مسلم کے الفاظ وَالسَّلَامُ قَدْ عَلِمْتُمْ یا قَدْ عُلِّمْتُمْ تم نے جانا یا تم سکھائے گئے تعلیم دیے گئے کا معنی ہے کہ اللہ نے تم کو سکھایا۔ ان احادیث سے ثابت ہوا کہ درود ابراہیمی صرف نماز کیلئے ہے یہ درود پاک نماز میں۔ السَّلَامُ عَلَیْکَ کی وجہ سے کامل اور درست ہے مگر نماز کے علاوہ ناقص ہے لہٰذا منع ہے۔ اسی طرح خطبہ شرح مسلم نووی جلد اول صفحہ ۲ پر ہے کہ تمام علما فقہا کے نزدیک بغیر سلام درود شریف پڑھنا یا بغیر یا بغیر درود سلام پڑھنا مکروہ ہے اور فقہاء کے نزدیک مطلقاً مکروہ سے مکروہ تحریمی مراد ہوتا ہے۔ وہابیوں کے پیشوا محمد بن علی بن محمد شوکانی کی اپنی کتاب تحفۃ الذاکرین باب چہارم طبع بیروت کے صفحہ ۱۴۸ پر ہے۔ وَفِیْهِ تَقْیِیْدُ الصَّلٰوةِ عَلَیْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالصَّلَاةِ فَیُفِیْدُ ذَالِكَ اَنَّ هٰذِهِ الْاَلْفَاظَ الْمَرْوِیَّةَ مُخْتَصَّةٌ بِالصَّلٰوةِ وَاَمَّا خَارِجَ الصَّلٰوةِ فَیَحْصُلُ الْاِمْتِثَالُ بِمَا یُفِیْدُ قَوْلُهٗ تَعَالٰی۔ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِکَتَهٗ (الخ) ترجمہ:۔ اور اس سوال صحابہ کے درود میں۔ درود شریف علی النبی کے ساتھ فی صلاتنا کی قید لگانا یہ تاکیدی قید فائدہ دے رہی اس ثبوت کا کہ بیشک درود ابراہیمی کے وہ الفاظ جو حدیث مقدس میں مروی ہیں وہ خاص ہیں نماز سے اور لیکن نماز کے علاوہ خارج نماز، تو واجب و حاصل ہے کہ اسی کی مثل درود شریف پڑھا جائے جو آیت درود والے فرمان الٰہی سے حاصل ہو رہا ہے۔ یعنی درود بھی سلام بھی صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ ان تمام دلائل سے صاف اور واضح ثابت ہوا کہ درود ابراہیمی نماز سے باہر پڑھنا ممنوع ہے کیونکہ حکم الٰہی کی خلاف ورزی ہے۔ اگر اب بھی اتنے صاف دلائل کے ہوتے ہوئے وہابی حضرات ضد کریں تو یہ ان کی کم علمی اور احادیث و آیات کی نافہمی ہے اور بے دلیل ہٹ دھرمی ہے ہم نے تو اتنے دلائل پیش کر دیے کہ درود ابراہیمی نماز

کیلئے خاص ہے۔ مگر وہابی علماء ایک ہی ایسی دلیل دکھادیں حدیث پاک سے جس میں لکھا ہو کہ نماز کے علاوہ بھی درود ابراہیمی پڑھا جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ نہ دکھا سکیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ دین کے معاملے میں مسلمان کو ضد نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ سب کو حق قبول کرنے کی ہدایت نصیب فرمائے۔

سوال نمبر ۸۰: اس کی کیا وجہ کہ شریعت اسلام میں مسلمان مرد کو اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے نکاح جائز ہے مگر مسلمان عورت یہودی عیسائی مرد سے نکاح نہیں کر سکتی۔ یہ سوالیہ اعتراض منکرین حدیث کی کتابوں میں اکثر لکھا ہوتا ہے۔

جواب: دیگر کئی وجوہ کے علاوہ ایک عام فہم وجہ یہ بھی ہے کہ یہودی و نصاریٰ و دیگر ہر قسم کے کفار اخلاقی و تہذیبی اعتبار سے اتنے متعصب اور بد اخلاق و گری ذہنیت والے ہوتے ہیں کہ کوئی مسلمان مرد یا عورت کفار مردوں کے ساتھ ایک دن بھی خوش اسلوبی و خندہ پیشانی سے گزارہ نہیں کر سکتا چہ جائیکہ ایک مسلمان عورت بیوی بن کر ساری عمر کافر مرد کے ساتھ خانہ آبادی کر سکے۔ بخلاف مسلمان مرد کے کہ وہ اخلاقی اعتبار سے کتابیہ عورت سے نکاح کر کے تا عمر خانہ آبادی اور خوش اخلاقی سے نبھا کر سکتے ہیں۔ اس کا سبب یہ کہ مسلمان لوگ مذہبی طور پر اور تعلیم اسلامی کے حکم سے دل آزار نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ہر مسلمان کیلئے ہر نبی علیہ السلام پر ایمان لانا فرض و لازم ہے وہ نبی یہودیوں کے موسیٰ علیہ السلام ہوں یا عزیر علیہ السلام یا عیسائیوں کے عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا ان کی والدہ حضرت مریم مسلمان سب کی تعظیم کرتے ہیں بلکہ تمام انبیاء پر مسلمانوں کا ایمان ہے۔ اس کے علاوہ بھی کسی کافر کے کسی مذہبی پیشوا کی بے ادبی گستاخی کرنے سے اللہ تعالیٰ نے

مسلمانوں کو سختی سے منع فرمایا ہے۔ اس حکم قرآنی کی وجہ سے کوئی مسلمان کسی بھی غیر مسلم کے مذہب یا مذہبی پیشوا یا مذہبی کتاب کی بے ادبی کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور جس دین اور دین والوں میں یہ اخلاقی جرأت و کردار ہو اور حسن اخلاق کا ایسا پاکیزہ رویہ و نمونہ ہو۔ اس کی طرف سے کسی بھی دوسرے دین والے کو قلبی ذہنی روحانی اذیت و تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔ کیونکہ ہر شخص کو سب سے زیادہ اذیت و تکلیف تب ہوتی ہے جب اس کے سامنے اس کے دین یا دینی پیشوا کو برا کہا جائے۔ اسی بنیاد پر مسلمان گھرانے میں یہودی عورت بھی خوش مزاجی آرام و سکون اطمینان اور پیار و محبت سے تا عمر گزارہ کر سکتی ہے اور عیسائی عورت بھی۔ کیونکہ مسلمان گھرانے میں جبکہ ہر شخص کی زبان پر موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم و احترام ہی ہوگی تو یہودی عورت کو بھی اس گھر میں عزت و سکون ملے گا اور مذہبی آزادی میسر ہوگی عیسائی بیوی کو بھی۔ ماحول خوشگوار خانہ آبادی سلامت رہے گی۔ بخلاف یہودی و عیسائی گھرانوں کے کہ ان کا بچہ بچہ اور ہر بوڑھا جوان شخص اپنی تنگ نظری تعصب دینی کذب بیانی حسد بغض جلاپے کی وجہ سے مسلمانوں کے آقا نبی کریم ﷺ و دیگر بزرگان اسلام کے سخت ترین بدتمیز و گستاخ ہیں۔ اور ان گستاخیوں، بدتمیزیوں کے ساتھ مسلمانوں کی دل آزاری کو ہمہ وقتی تحریری تقریری، طعن بازی، منصوبہ سازی و کذب بیانی کے ذریعے اپنی عادت و شعار بنایا ہوا ہے۔ تو ایسے گندے دل آزار ظالمانہ گھریلو ماحول شیطانی میں ایک مسلمان عورت بیوی بن کر تا عمر اذیت ناک گھٹن کیسے برداشت کر سکتی ہے اور ایسے کمینہ مزاج لوگ مسلمان بیوی کو مذہبی عبادات کی آزادی کیسے دے سکتے ہیں اور چونکہ کافر خاوند سے مسلمان بیوی کی خوشگوار خانہ آبادی نہیں ہو سکتی اس لئے مسلمان

عورت کا نکاح غیر مسلم خاوند سے حرام کر دیا گیا۔

سوال نمبر ۸۱: حال ہی میں ادارہ منہاج القرآن کے کم عقل خلاف شرع داڑھی والے خطیبوں کی طرف سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا نام معراج البخاری ہے۔ اس کے صفحہ ۵۱۵ تا ۵۱۹ پر تصاویر انبیاء کرام کے عنوان سے ایک مضمون پانچ صفحاتی لکھا گیا ہے۔ اس مضمون میں یہ خلاصہ لکھا ہوا ہے خلافت صدیق کے زمانے میں صدیق اکبر نے ہشام بن العاص اور نعیم بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سربراہی میں ایک وفد قیصر روم ہرقل بادشاہ کے پاس بھیجا۔ اس ہرقل نے ایک دن ان مسلمانوں کو انبیاء کرام علیہم السلام کی تصویریں دکھائیں۔ جن میں نبی کریم ﷺ کی تصویر بھی تھی۔ اس تصویر نبی کریم ﷺ کو دیکھ کر ان مسلمانوں کے ایمان تازہ ہو گئے اور وہ اپنی قسمت پر رشک کرنے لگے۔ آگے مصنف کتاب لکھتا ہے کہ یہ تصویریں حضرت آدم علیہ السلام کی خواہش پر ان کو یہ تصویریں دکھائی گئیں اور جو تصاویر آدم علیہ السلام کو عطا ہوئیں حضرت دانیال علیہ السلام نے انہیں ریشمی ٹکڑوں پر منتقل کر لیا۔ یہ واقعہ لکھ کر منہاج القرآن کے کم عقل خلاف شرع داڑھی والے امام و خطیب حضرات فوٹو و تصویر کشی کا جواز پیدا کرتے پھر رہے ہیں بلکہ ہر تقریر و درس میں اس طرح کے خلاف اسلام نظریات سے عوام کو ورغلایا جا رہا ہے اور پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ تصویر وہ ہے جس کا سایہ ہو اور احادیث میں اس کو حرام فرمایا گیا ہے یعنی مٹی پتھر دھات لکڑی پر بنی ہوئی مورتی اسی کو تصویر کہا جاتا ہے اور جس کا سایہ نہ ہو مثلاً کپڑے چمڑے کاغذ پر جاندار کا نقشہ تصویر نہیں لہٰذا وہ بنانا، بنوانا حرام بھی نہیں۔ غالباً اس مضمون سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت آدم نے تصویریں دیکھنے کی خواہش ظاہر کی اگر تصویر ناجائز ہوتی تو نبی اس کی خواہش

ہی کیوں کرتے۔ پھر اللہ نے خود یا بذریعہ فرشتہ کسی چیز پر انبیاء کی تصویریں بنا کر حضرت آدم کی خواہش پوری کی تو اگر تصویر بنانا، بنوانا حرام ہوتا تو اللہ تعالیٰ کیوں بناتا یا بنواتا۔ بلکہ ناجائز خواہش سے روک دیتا۔ نیز حضرت دانیال جو نبی ہیں انہوں نے یہ تصویریں ریشم کے ٹکڑوں پر منتقل کیں۔ یعنی کپڑے پر بنائیں۔ تو اگر تصویر بنانا حرام یا ناجائز ہوتا تو نبی تصویریں کیوں بناتے۔ ان دلائل سے ثابت ہو رہا ہے کہ تصویریں بنانا، بنوانا بالکل جائز ہیں۔ آپ ہم کو بتائیں کہ ان گمراہ اور گمراہ گروں کی یہ باتیں صحیح ہیں یا غلط۔ اس مضمون کے حوالوں میں دو کتابوں کا نام لکھا ہے نمبر ۱ خصائص کبریٰ، صفحہ ۲۰۲ نمبر ۲ الوفا جلد دوم نمبر ۲۷۷۔

جواب: حرمۃ تصویر کے متعلق ہمارا ایک مدلل دراز عبارت فتویٰ ہمارے فتاویٰ العطایا الاحمدیہ جلد چہارم میں چھپا ہوا ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ فوٹو تصویر کو جائز کہنے والے ابلیس کے نرغے میں آ کر احادیث مشہورہ صریحہ کی بغاوت پر تلے ہوئے ہیں اور ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہوئے عقل کے اندھے فہم کے اندھے بنے ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کو نہ حدیث و قرآن کی سمجھ ہے نہ فقہ اسلام کی بس اپنی من مانی سے اوٹ پٹانگ قیاس آرائیاں کر کے لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور خود گمراہ ہو رہے ہیں عوام کو گمراہ کر رہے ہیں۔ خود جھوٹے قصے بنا لیتے ہیں۔ اور اپنے ہی بناوٹی قصوں پر قیاس کر کے فرمان رسول اللہ ﷺ سے مقابلہ بازی شروع کر دیتے ہیں اپنی نئی شریعت بنانا چاہتے ہیں۔ یہ قصہ جو خصائص کبریٰ کے حوالے سے ادارہ منہاج نے شائع کیا ہے وہ اسرائیلی کذبیات میں سے ایک ہے اور ہمارے مفسروں محدثوں نے آنکھیں بند کر کے بلا سوچے سمجھے اپنی کتابوں میں شائع کر دیا۔ اور ایسے ہی جھوٹے قصوں سے آج کے دور جہالت و ضلالت کے نو مولود خطباء نے

اپنی پسندیدہ نظریات کیلئے سہارا بنالیا۔ میں اس قصہ ہر قل کے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں یہ قصہ خود اپنی تضاد بیانی کی وجہ سے بول بول کر کہہ رہا ہے کہ میں جھوٹا من گھڑت ہوں اس قصے کی مندرجہ ذیل کذبیات ملاحظہ ہوں پہلی کذبیانی میں لکھا ہے کہ صدیق اکبر نے وفد بھیجا اور ان وفد کے صحابہ نے فوٹو دیکھے۔ تنقید اگر یہ بات درست ہوتی تو یہ مشہور ہو جاتی اور معتبر کتب احادیث میں منقول ہوتی یا کم از کم اس بات کا اشارہ ہی مل جاتا۔ خصائص نے بیہقی کا حوالہ دیا ہے مگر بیہقی میں یہ نہیں ہے اگر بیہقی میں ہوتا تو مشکوٰۃ شریف یا کوئی بھی مجموعہ احادیث کی کتاب اس کو ضرور نقل کرتا کیونکہ تقریباً ہر مجموعے میں بیہقی کی احادیث مذکور ہیں۔ مشکوٰۃ شریف وغیرہ ملاحظہ ہو۔ دوسری کذب بیانی، منہاج کی کتاب معراج البخاری کے صفحہ ۵۱۵ پر لکھا ہے کہ تصویریں دیکھ کر مسلمانوں کے ایمان تازہ ہو گئے اور وہ اپنی قسمت پر رشک کرنے لگے (معاذ اللہ) تنقید۔ یہ عبارت خصائص کبریٰ میں نہیں ہے منہاج مصنف نے یہ عبارت خود لکھی ہے اور اس طرح صحابہ کرام کی گستاخی کی گئی ہے۔ صحابہ کرام تصویروں کو بت سمجھتے تھے اور انہوں نے آقاء کائنات حضور اقدس ﷺ کی زبان مقدس سے کئی بار تصویروں کی برائی اور مصوروں تصویر فوٹو بنانیوالوں کیلئے اشد عذاب کی وعید سنی ہوئی تھی اور انہوں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ خانہ کعبہ میں حضرت ابراہیم اور دیگر چند انبیاء کی تصویروں کے بت بھی بنے ہوئے تھے اور دیواروں پر رنگ روغن سے بھی تصویریں بنائی ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب تصویروں کو باطل فرمایا چنانچہ سورۂ اسریٰ کی آیت نمبر ۸۱ میں ارشاد ہے۔ جاء الحق وزھق الباطل۔ نبی کریم ﷺ اسی آیت کریمہ کو پڑھتے جاتے اور کعبے میں رکھے ان بتوں کو توڑتے جاتے۔ حضرت ابراہیم و دیگر انبیاء کے بتوں کو توڑ کر بی

کریم ﷺ نے دفن کروائے اور دیوار کی تصویروں کو فاروق اعظم نے پانی سے دھو دیا۔ ان حقائق سے ثابت ہوا کہ تصویر کسی کی بھی ہو اور کسی قسم کی بھی ہو --- حرام بنانا بھی، بنوانا بھی گھروں دکانوں اداروں میں لٹکانا بھی تصویر خواہ مجسم بت مورتی ہو یا کپڑے کاغذ پر اب کسی گروہ فاسق خطیب کا یہ کہنا اور لکھنا کہ وہ تصویروں کو دیکھ کر ایمان تازہ ہوئے اور اپنی قسمت پر رشک کرنے لگے سراسر جھوٹ اور صحابہ کرام پر بہتان تراشی ہے میں پوچھتا ہوں کیا یہ جھوٹ لکھتے ہوئے اس منہاجی خطیب کو جہنم کا خوف نہ آیا۔ اولاً تو یہ سب واقعہ ہی جھوٹ کا پلندہ ہے فرضاً اگر ایسا ہوا بھی ہو تو یقین قلبی سے کہتا ہوں صحابہ کرام نے یہ تصویریں دیکھ کر لاحول پڑھا ہوگا اور اشد عذاب والی حدیث پاک فرمان نبوی کا تصور کر کے ان تصویروں سے منہ پھیر لیا ہوگا۔ زمانہ نبوی سے لے کر آج تک ہر یہودی عیسائی گرجوں میں حضرت موسیٰ ابراہیم، عیسیٰ علیہم السلام کی تصویریں لگی ہوتی ہیں۔ آقا ﷺ نے نفرت کرتے ہوئے حدیث مقدس میں اسکا ذکر بھی کیا ہے تمام صحابہ کرام ان تمام فرمودات کو جانتے ہیں اور اسی وجہ سے تصویروں سے نفرت کرتے ہوئے مفتوحہ علاقوں کے گرجوں سے اس قسم کی مقدس ہستیوں کے تمام فوٹو توڑ پھوڑ اور پھاڑ پھوڑ دیتے تھے۔ تیسری کذب بیانی۔ خصائص کبریٰ صفحہ ۱۱ پر لکھا ہے کہ حضرت آدم کی تصویر میں داڑھی نہ تھی۔ تنقید۔ ثابت ہوا کہ یہ تصویر جھوٹی اور بناوٹی تھی حضرت آدم علیہ السلام کی نہیں ہو سکتی کیونکہ احادیث میں حضرت آدم علیہ السلام کی داڑھی ثابت ہے۔ چوتھی کذب بیانی۔ منہاجی کتاب معراج البخاری کے صفحہ ۵۱۹ پر لکھا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے خواہش ظاہر کی تھی کہ ان کی اولاد کے چیدہ چیدہ انبیاء کرام کی تصاویر ان کو دکھائی جائیں۔ تنقید۔ یہ عبارت چار طرح

کذب بیانی ہے اور لکھنے والا یا کذاب ہے یا بے عقل بے تدبر ہے۔ نمبر ۱ صاحب مضمون لکھتا ہے کہ آدم علیہ السلام نے تصویریں دیکھنے کی خواہش کی تھی۔ لیکن میں صاحب مضمون اور کم عقل ناقلین سے پوچھتا ہوں کہ اس خواہش کا ثبوت کہاں ہے کس آیت یا حدیث میں ذکر ہے ہر قل کو خواہش آدم کا کس طرح پتا لگا۔ حالانکہ قرآن و حدیث نے حضرت آدم کی تمام باتوں کا تفصیل سے ذکر فرمایا۔ اس خواہش کا کہیں اشارہ تک نہیں۔ مشکوۃ شریف نے صفحہ ۲۳ پر تو یہاں تک صحاح ستہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام اولاد تا قیامت چھوٹی جاندار ذریت نَسَمَہ کی شکل میں دکھادی جن میں حضرت داؤد علیہ السلام کی خاص چمک آدم علیہ السلام کو اتنی پیاری لگی کہ اپنی زندگی کے پچاس سال انہیں دے دیے۔ جب اپنی سب اولاد کو دیکھ ہی چکے تھے تو اب تصویریں دیکھنے کا کیا مقصد۔ نمبر ۲ صاحب مضمون خصائص کبریٰ میں لکھتا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ یہ تصویریں بنائیں۔ تحقیق (معاذ اللہ) میں پوچھتا ہوں جو اللہ تعالیٰ بلا خواہش آدم ذریت نسمہ یعنی جاندار اولاد دکھا سکتا ہے اسے تصویریں بنانے کی کیا ضرورت تھی وہ انبیاء ہی کو پیش کر سکتا تھا اور پھر حضرت آدم نے تو چند انبیاء کی تصویروں کی خواہش کی تھی۔ مگر اللہ نے غلطی سے خود آدم علیہ السلام کی بھی تصویر بنادی اور پھر جب آدم علیہ السلام نے وہ تصویریں دیکھ لیں خواہش پوری ہو گئی تو پھر وہ تصویریں واپس کیوں نہ کی گئیں نہ اللہ تعالیٰ نے واپس مانگیں۔ کیا حضرت آدم نے ان سے اپنا گھر سجانا تھا اور گھر کو بت خانہ یا سٹوڈیو بنانا تھا۔ ان سب باتوں کا کتب احادیث سے ثبوت دیا جائے اور بتایا جائے کہ وہ تصویریں حضرت آدم کے پاس سے کہاں گئیں۔ دور دراز زمانے کے بعد سکندر ذوالقرنین تک کس طرح اور کس حالت

و کس چیز پر بنی ہوئی تھیں۔ اور اللہ نے کس چیز پر بنائی تھیں نمبر ۳ مضمون نگار کی تیسری کذبیہ ملاوٹ لکھتا ہے کہ سکندر بادشاہ کے کہنے سے دانیال علیہ السلام نے ریشم کے ٹکڑوں پر وہ تصویر بنائیں۔ تمہید۔ حالانکہ دانیال علیہ السلام کا زمانہ سکندر ذوالقرنین سے پہلے ہے۔ نیز اب وہ تصویریں کہاں ہیں۔ احادیث مبارکہ میں ہرقل قیصر روم کا یہ تمام قصہ موجود ہے مگر نہ صدیق اکبر کے وفد بھیجے کا ذکر احادیث میں ہے نہ تصویروں کا پھر میں پوچھتا ہوں کہ جب قیصر ہرقل کی بادشاہی مسلمانوں کے ہاتھوں ختم ہوئی اور تمام خزانہ و اشیا صحابہ کرام مال غنیمت بنا کر مدینہ منورہ لے آئے تو یہ صندوق کیوں نہ لائے جبکہ وفد والے صحابہ اس کو دیکھ بھی چکے تھے اپنی قسمت پر وہ بت دیکھ کر رشک بھی کر چکے تھے اور صدیق اکبر کو بتا بھی چکے تھے۔ کہاں سب باتوں کا ثبوت اب یہ ناقلین پیش کر سکتے ہیں۔ یا صرف ان بناوٹوں سے قوم میں گمراہی پھیلانا چاہتے ہیں کیا عجب حیران کن کم عقلی اور قیامت کی نشانی ہے کہ خود ایک بناوٹ بناتے ہیں اور پھر اپنی کذبیات پر استدلال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء پر تصویر سازی جیسی حرام چیز بنانے کا الزام لگا کر اپنے عمل کا جواز پیدا کرتے ہیں۔ کیا اہل منہاج کو خوف خدا شرم نبی کچھ بھی نہیں رہا اس مضمون کو خصائص کبریٰ جیسی معجزات کی کتاب میں یہودیانہ طریق پر ملاوٹ کرنا ہی ثابت کر رہا ہے کہ یہ مضمون بعد کی کذبیانہ ملاوٹ ہے۔ ایسے جھوٹے مضمونوں کی ملاوٹ و نقل سے حرام فوٹوؤں کو حلال نہیں کیا جا سکتا۔ نیز منہاجی خطباء یہ جو تقسیم کرتے ہیں کہ تصویر وہ ہے جس کا سایہ ہو مثلاً پتھر وغیرہ پر بنا ہوا بت۔ لیکن جس کا سایہ نہ ہو مثلاً کپڑے چمڑے کاغذ پر بنا ہوا نقش اس کو عربی میں تصویر نہیں کہتے۔ تمہید۔ میں کہتا ہوں کہ اس تقسیم کا ثبوت کہاں ہے قرآن مجید یا احادیث یا کتب فقہ سے یہ

تقسیم دکھاؤ۔ اگر نہیں دکھا سکتے اور واقعی نہیں دکھا سکتے تو کیا ایسی بناوٹیں کرتے ہوئے ان منہاج والوں کو اس آگ سے ڈر نہیں لگتا جس کا ایندھن انسان و پتھر ہیں۔ کیا یہ تقسیم کرنا علیحدہ شریعت بنانے کے مترادف نہیں۔ یہی وہ باتیں ہیں جن کی وجہ سے اہل عقل لوگوں کے دل میں یہ بات آتی جا رہی ہے کہ اس ادارے سے مسلمانوں کو فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہو رہا ہے۔ نیز اپنی اسی کتاب معراج البخاری میں اس مضمون پر عنوان بناتے ہیں تصاویر انبیاء کرام اور پھر کہتے ہیں تصویر وہ ہے جس کا سایہ ہو اور وہ حرام ہے اب اس بد حواسی کو کیا کہا جائے۔ کسی منہاجی کی تقریر میں سنا گیا ہے کہ تصویر حرام نہیں تمثال حرام ہے۔ یہ تقسیم بھی بے علمی کی نشانی ہے کیونکہ تمثیل مطلقاً ہر قسم کے نقشے کو کہتے ہیں۔ جاندار کا ہو یا بے جان کا مولیٰ علی نے تو شطرنج کے نقشے کو بھی تمثال فرمایا تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی عقل و ہدایت دینے والا ہے۔ بہر حال خصائص کا یہ مضمون قطعاً غلط و کذب بیانی ہے۔ مسلمانوں میں جواز تصویر کی گمراہی سب سے پہلے جماعت اسلامی والوں نے پھیلائی ان لوگوں کو اپنی نکتہ چینی پر بہت ناز ہوتا ہے سیدھی صاف عبارتوں میں بھی ایسی منطقیں چلاتے اور ایسی راہیں نکالتے ہیں کہ اہل خرد کو بھی تاویل شان در حیرت انداخت یہ حضرات جواز تصویر کیلئے چار چیزوں سے عوام دھوکہ میں ڈالتے ہیں نمبر ۱ پانی کے اندر عکس سے نمبر ۲ آئینے میں عکس سے حالانکہ یہ چیزیں مثل تصویر کسی کی بناوٹ نہیں بلکہ مثل سایہ خود بخود ہے اس لئے نہ اس کا وجود نہ اس کو بقا۔ بخلاف تصویر کے کہ اس کی بناوٹ بھی ہے۔ وجود بھی، بقاء بھی اتنے واضح فرق کے ہوتے ہوئے پھر بھی تصویر کو عکس و سایہ پر قیاس کرنا بدترین کم عقلی نہیں تو اور کیا ہے نمبر ۳ لفظ تماثیل سے بھی عوام کو دھوکہ دیا جاتا ہے کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی سورۃ سبا آیت نمبر ۱۳

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَ تَمَاثِيْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ میں فرمایا گیا ہے کہ جنات حضرت سلیمان کیلیے تماثیل بنایا کرتے تھے اور خود ہی تماثیل کا ترجمہ مجسمہ کر لیا اور مجسمہ کا ترجمہ جاندار کا بت کر لیا اور اسی گھروندے پر اپنے ایمان و عقائد کی بنیاد چڑھا دی۔ حالانکہ اگر انسان میں ذرہ بھر بھی عقل و شعور ہو تو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگتی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا مجسمہ سازی کس مقصد کیلیے تھی جبکہ اس زمانے میں بھی بیشمار آزر بت تراش تقریباً ہر گھرانے میں موجود تھے۔ تو پھر حضرت سلیمان مزید اپنے جنات سے مجسمے اور بت بنوا کر کس دین کی تائید و خدمت کر رہے تھے پھر ان مجسموں کا کیا کیا جاتا تھا کیا حضرت نے دکان کھولی ہوئی تھی یا گھروں میں مندر کی طرح سجایا کرتے تھے۔ اللہ کے بندو کچھ تو عقل سے کام لو اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ (سورۃ نساء آیت نمبر ۸۳) کیا ان کو بالکل ہی تدبر قرآنی نہیں رہا۔ صرف اپنی خواہش نفسی و چاہت طبعی کو بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے ایک اولوالعزم رسول پر فعل ممنوعہ کی اتہام تراشی کہاں کی ایمانداری ہے۔ اگر آپ لوگوں میں غلبہ نفسی کی بنا پر اتنا شعور نہیں رہا فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ۔ تو کسی اہل علم و شعور والے سے ہی پوچھ لیا کرو۔ اہل علم فرماتے ہیں کہ تماثیل جمع ہے تمثال کی اور تمثال کا معنی ہے نقشہ یعنی ہر نقشے کو عربی میں تمثال کہتے ہیں۔ خواہ جاندار کے چہرے کا ناک نقشہ ہو یا بے جان چیز کے خاکوں، شاخوں، گلیوں، سڑکوں، زمینوں کا اس معنی کے اعتبار سے ہر جاندار بے جان چیز کی تصویر بھی تمثال ہے اور ہر نقشہ نویسی بھی جغرافیا مثال ہے۔ تفسیر روح البیان سورۃ انبیاء آیت نمبر ۵۲ کی تفسیر میں ہے کہ مولیٰ علی شیر خدا نے شطرنج کے نقشے کو تمثال فرمایا۔ ثابت ہوا کہ تمثال کا معنی ہے نقشہ نہ کہ تصویر۔ قرآن مجید میں دو جگہ لفظ تماثیل ارشاد ہوا ہے نمبر ۱

سورۃ انبیاء آیت نمبر ۵۷ میں۔ وہاں معنی ہے جاندار چیز کی مورتی والا چہرے کا نقشہ۔ نمبر ۲ سورۃ سبا آیت نمبر ۱۳ میں۔ وہاں مراد ہے جغرافیائی ملکی نقشے مندرجہ بالا آیت کا ترجمہ اس طرح ہے۔ جنات بناتے تھے ان کے لئے جو وہ چاہتے نمبر ۱ محرابیں۔ یا آلات حرب نمبر ۲ اور برائے سیاحت و تبلیغ دین و فتوحات دور دراز کے ملکی نقشے اور نمبر ۳ بڑی بڑی دیگیں حوض نما اس تفسیری وضاحت سے بات بالکل صاف ہوگئی نہ حضرت سلیمان کی گستاخی ہوئی نہ الزام تراشی نہ تصویر سازی کی بد عقیدگی ثابت ہوئی عقل و فہم بھی اس معنی کو تسلیم کرتی ہے نمبر ۴ صلیب اس سے بھی ایک مصنف نے دھوکہ دیا ہے خیال رہے کہ عربی زبان میں ہر صنم کو صلیب کہا جاتا ہے۔ صنم وہ تصویر ہے جس کو کفار پوجتے ہیں یا پہلے پوجتے تھے۔ اگرچہ بغیر نقشے کا محض پتھر ہی ہو یا درخت یا جانور جیسے عرب کا لات و مناۃ۔ ہند کا پیپل گائے تلسی کا پودا۔ احادیث میں ان کو تصالیب کہا گیا ہے۔

سوال نمبر ۸۲: آج کل بہت سے شاعر اپنے نعتیہ کلام میں مدینہ منورہ کو یثرب لکھتے ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر اقبال وغیرہ حالانکہ شعری ضرورت کیلئے یثرب کا ہم وزن لفظ طیبہ ہے۔ یہ لفظ طیبہ پیارا اور خوبصورت بھی ہے اور اللہ کو پسندیدہ بھی تو یہ شاعر لوگ صحیح لفظ چھوڑ کر بدصورت اور برا لفظ کیوں لکھتے ہیں۔ ہمارے مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ کو یثرب کہنا گناہ و گستاخی ہے۔ آپ ہمیں وضاحت دلائل سے اس کا جواب عطا فرمائیں۔

جواب: قانون شریعت کے مطابق مدینہ منورہ کو یثرب کہنا گناہ عظیم ہے اور صحیح یہ ہے مکروہ تحریمی ہے۔ تفسیر روح المعانی گیارہویں جلد پارہ نمبر ۲۱ صفحہ ۱۵۹ پر حواشی خفاجیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اَنَّ تَسْمِیَتَھَا مَکْرُوْھَۃٌ کَرَاھَۃٌ

لتربھنہ ترجمہ: بیشک آپ مدینہ منورہ کو یثرب کا نام دینا مکروہ تحریمی والی کراہت ہے۔ مگر خفاجیہ کا قول للہ ہے کیونکہ احادیث مقدسہ میں اس ممانعت پر اتنی شدید نفی فرمائی گئی ہے جس سے کراہت تحریمی کا ہی ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ نمبر۱ مسند احمد نمبر۲ مسند ابن ابی حاتم نمبر۳ محدث ابن مردویہ نے حدیث بیان فرمائی۔ عَنِ الْبَرَاءِ ابنِ عَازِمٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ سَمّٰی الْمَدِیْنَةَ یَثْرِبَ فَلْیَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ تَعَالٰی هِیَ طَابَةٌ هِیَ طَابَةٌ دوسری حدیث مقدس امام علامہ ابن مردویہ نے اس طرح بیان فرمائی۔ عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ لَا تَدْعُوْنَهَا یَثْرِبَ فَاِنَّ طَیْبَةٌ یعنی الْمَدِیْنَةَ وَمَنْ قَالَ یَثْرِبَ فَلْیَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ تَعَالٰی ثَلَاثَ مَرَّاتٍ هِیَ طَیْبَةٌ هِیَ طَیْبَةٌ۔ ترجمہ براء ابن عازم سے روایت ہے فرمایا انہوں نے کہ فرمایا آقاء کائنات ﷺ نے جو شخص مدینہ منورہ کو یثرب کہے اسے چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ استغفار کرے کیونکہ یہ مدینہ طیبہ ہے یہ مدینہ طیبہ ہے۔ ترجمہ دوسری حدیث پاک کا۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے وہ روایت کرتے ہیں نبی کریم حضور اقدس ﷺ سے کہ نہ پکارو تم اس مدینہ منورہ کو یثرب کہہ کر کیونکہ بیشک وہ یعنی مدینہ طیبہ ہے۔ طیبہ ہے اور جو شخص یثرب کہے اسے چاہئے کہ تین مرتبہ اللہ تعالیٰ سے توبہ استغفار کرے۔ وہ طیبہ ہے وہ طیبہ ہے وہ طیبہ ہے۔ ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ مدینہ منورہ کا نام طیبہ اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے اس کو طیبہ نہ کہنا یثرب کہنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ اسی لئے یثرب کہنے والے کو توبہ استغفار کرنے کا حکم دیا گیا۔ قرآن مجید میں ہے کہ مدینہ منورہ کو یثرب کہنے والے منافق ہیں۔ چنانچہ سورۃ احزاب کی آیت نمبر ۱۲ و ۱۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ

وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا غُرُوْرًا وَ اِذْ قَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا اَهْلَ يَثْرِبَ لَامُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا۔ ترجمہ: اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں کفر کی بیماری ہے کہتے ہیں کہ ہم سے اللہ رسول نے جو بھی وعدے کئے ہیں وہ دھوکے ہیں (معاذ اللہ) اور ان ہی منافقوں کے ایک فرقے نے کہا کہ اے یثرب والو تمہارا یہاں کوئی مقام نہیں ہے یہاں سے چلے جاؤ۔ منافقین اور کفار مدینہ منورہ کو اس لئے یثرب کہتے تھے تاکہ نبی کریم ﷺ کی مخالفت اور مسلمانوں کی دل آزاری ہو کیونکہ منافقین جانتے تھے کہ یثرب کے لفظ سے نبی کریم ﷺ کو نفرت ہے۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی پارہ نمبر ۲۱ صفحہ ۱۵۹ پر ہے۔ وَكَانَ الْقَائِلِيْنَ اِخْتَارُوْا يَثْرِبَ مِنْ بَيْنِ الْاَسْمَآءِ مُخَالِفَةً لَهٗ ﷺ لِمَا عَلِمُوْا مِنْ كَرَاهِيَتِهٖ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لِهٰذَا الْاِسْمِ مِنْ بَيْنِهَا۔ ترجمہ: منافقین و کفار مدینہ منورہ کو صرف اس لئے یثرب کہتے تھے کیونکہ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ نبی کریم ﷺ یثرب کو مکروہ فرماتے ہیں۔ اسی لئے یہ پرانا نام ختم کر کے نبی پاک ﷺ نے اس کا نام تبدیل فرما دیا تھا اور مسلم شریف جلد اول صفحہ ۴۴۴ پر ہے۔ سَمِعْتُ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اُمِرْتُ بِقَرْيَةٍ تَاْكُلُ الْقُرٰى يَقُوْلُوْنَ يَثْرِبَ وَهِيَ الْمَدِيْنَةُ تَنْفِي النَّاسَ كَمَا يَنْفِي الْكِيْرُ خَبَثَ الْحَدِيْدِ۔ ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ سے میں نے سنا آپ فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا آقا ﷺ نے میں حکم دیا گیا ہوں ایک ایسی بستی کی طرف ہجرت کر جانے کا جو تمام بستیوں پر غلبہ پا لے گی اس وقت لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں اور وہ مدینہ منورہ ہے (اللہ کی بارگاہ میں) وہ بستی گندے لوگوں کو اس طرح چھانٹتی ہے جس طرح بھٹی لوہے کی گندگی کو چھانٹتی ہے۔ اس کی شرح نووی میں ہے۔ قَوْلُهٗ ﷺ يَقُوْلُوْنَ يَثْرِبَ وَ هِيَ الْمَدِيْنَةُ يَعْنِيْ اَنَّ بَعْضَ النَّاسِ الْمُنَافِقِيْنَ

وغيرهم يسمونها يثرب وانما اسمها المدينة وطابة وطيبة ففي هذا كراهة تسميتها يثرب لفظ التثريب الذي هو التوبيخ والملامة وسميت طيبة وطابة لحسن لفظهما وكان ﷺ يحب الاسم الحسن ويكره الاسم القبيح واما تسميتها في القرآن يثرب فانما هو حكاية عن قول المنافقين والذين في قلوبهم مرض واما طابة وطيبة فمن الطيب وهو الرائحة الحسنة والطاب والطيب لغتان وقيل من الطيب بفتح الطاء وتشديد الياء وهو الطاهر لخلوصها من الشرك وطهارتها وقيل من طيب العيش۔ یعنی نبی کریم آقا حضور اقدس ﷺ کا یہ فرمانا کہ لوگ اس کو یثرب کہتے ہیں حالانکہ اب اس کا نام مدینہ منورہ ہے۔ یعنی بعض منافق لوگ اور کفار اس کا نام یثرب پکارتے ہیں حالانکہ وہ بس اس کا نام صرف مدینہ ہے اور طابہ وطیبہ ہے پس اس فرمان میں مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے کی کراہیہ ثابت ہے۔ لفظ ثریب سے بنا ہے جس کا معنی ہے برائی نفرت ملامت۔ اور مدینہ منورہ کو طیبہ وطاب کا نام دیا گیا ہے ان دونوں لفظوں کی خوبصورتی کی وجہ سے کیونکہ آقا ﷺ خوبصورت نام سے محبت فرماتے تھے اور ناپسند کرتے تھے منحوس نام کو۔ لیکن قرآن مجید میں اس کا نام یثرب لینا وہ یہ بیان کرتا ہے کہ منافقین وکفار گستاخی کرتے ہوئے اس کو یثرب کہتے تھے۔ لیکن لفظ طابہ وطیبہ، طیب سے بنا ہے جس کا معنی اچھی خوشبو۔ اور طاب وطیب ان دونوں لفظوں کا معنی ہے۔ پاکیزہ اس لئے کہ اب تا قیامت شرک سے پاک، ایمان میں خالص ہے۔ یہ معنی بھی کہا گیا ہے ایک یہاں کی زندگی آفتوں وبلاؤں مصیبتوں سے پاک کر کے اچھے آرام والی بنا دی گئی ہے۔ لفظ یثرب ثرب سے بنا ہے۔ لغت میں اس کے سات معنی کئے گئے ہیں۔ نمبر ۱ مصیبت چنانچہ سورۃ یوسف آیت نمبر ۹۲

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ۔ میں یہی معنی ہیں کہ آج تم پر کوئی مصیبت نہیں۔ نمبر ۲ ثرب کا معنی اَلشَّحْمَۃُ الرَّقِیْقَۃُ چربی کا پتلا ہونا یہ بھی ایک بیماری ہوتی ہے۔ نمبر ۳ ملامت کرنا نمبر ۴ عمدہ دانا شرہ ہونا نمبر ۵ فساد کی زمین (منجد صفحہ ۱۵۷) نمبر ۶ بیماری۔ تفسیر معانی جلد نمبر ۱۱ پارہ نمبر ۲۱ صفحہ ۱۵۹ پر ہے۔ (وَیَثْرِبُ) هُوَ اِسْمُ الْمَدِیْنَۃِ الْمُنَوَّرَۃِ قَالَ اَبُوْ عُبَیْدَۃَ اِسْمُ بُقْعَۃٍ وَالْمَدِیْنَۃُ فِیْ نَاحِیَۃٍ مِنْهَا وَقِیْلَ اِسْمُ اَرْضِهَا وَلَا یَخْفٰی تَسْمِیَۃُ الْمَدِیْنَۃِ بِالْبُقْعَۃِ (الخ) وَقِیْلَ یَثْرِبُ اِسْمُ رَجُلٍ مِنَ الْعَمَالِقَۃِ وَبِهٖ سُمِّیَتِ الْمَدِیْنَۃُ۔ ترجمہ: مدینہ منورہ کا پہلا نام یثرب تھا ابو عبیدہ نے فرمایا کہ یثرب اس پورے علاقہ کا نام تھا جس کے ایک حصے میں بستی مدینہ منورہ ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس بستی کی زمین کا نام یثرب تھا (نہ کہ عمارتوں کا) اور اب یہ جائز نہیں کہ مدینہ منورہ کو اس لفظ یثرب سے پکارا جائے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قوم عمالقہ کے ایک شخص کا نام یثرب تھا اسی کے نام سے مدینہ منورہ کو پہلے یثرب کہا جاتا تھا ایک روایت میں ہے کہ ہجرت کے بعد اکثر مہاجر صحابہ بیمار ہو گئے۔ تب نبی کریم ﷺ نے دعا عرض کی یا اللہ یہاں سے ثرب یعنی بیماریاں ختم فرما کر شفا قائم فرما اور مدینے کو دار الشفا بنادے اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی اور نام تبدیل کر کے مدینہ طیبہ رکھا گیا اس لئے اب یثرب کہنا قانوناً بھی جرم ہے اور شرعاً بھی اور یہ طریقہ بد بخت منافقوں کافروں کا ہے۔ جاہل شعراء اگر اب بھی یہ لفظ استعمال کرتے ہیں تو یہ ان کی شیطانی گستاخی و بدنصیبی ہے کل قیامت میں سزا ملے گی۔ نمبر ۷۔ ثرب کا معنی ہے جھڑکنا غرضکہ ثرب کا کوئی معنی بھی اچھائی والا نہیں ہے۔ اسی لئے یثرب نام کو تبدیل کیا گیا تو جس طرح اگر حکومت وقت کسی شہر کا نام تبدیل کر دے تو پرانا نام لینا جرم ہے اسی طرح اب یثرب کہنا بھی جرم ہے۔

نعیمی کتب خانہ